روح کے شکاری

ایم اے راحت

روح کے شکاری

حصہ دوم

ایم۔اے راحت



پبلیکیشنز

ٹبہ بابا فرید ضلع کچہری لاہور

Ph:7311965

URDU FICTION
RUH KAY SHIKARI II
M A RAHAT

جملہ حقوق بحق

ناشر : آفتاب ہاؤس

مصنف : ایم اے۔ راحت

قانونی مشیر : کامران خان نیازی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

قیمت : =/150 روپے

اسٹاکسٹ:

الفیصل ناشران وتاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

روبی پبلی کیشنز راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

مجید بک ڈپو اردو بازار لاہور

امین پور بازار فیصل آباد

صابر اکیڈمی اینڈ بکسٹال المصطفیٰ پلازہ راولپنڈی

چوک میو ہسپتال نسبت روڈ لاہور

شائلہ بک ایجنسی

چوہدری پارک، دربار بابا بجلی شاہ سٹریٹ ٹوبہ ٹیک سنگھ

زندگی میں پہلی بار میں نے اپنے دل میں ایک نیا جذبہ محسوس کیا تھا۔ میں اپنے دل کے ان گوشوں کو ٹٹول رہا تھا جن میں ایک کسک سی باقی رہ گئی تھی اور میری آنکھوں میں ایک ویرانی سی سمٹ آئی تھی۔ مجھ سے شاید غلطی ہوئی کہ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں ورنہ شاید وہ میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہو پاتی۔

اور اس کے بعد میں نے یہی سوچا کہ اس کا تعلق اسی بستی سے ہی ہو سکتا ہے تاہم مجھے اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنا ضروری تھا ورنہ وہ لوگ میری تلاش میں بھٹکتے پھرتے۔ پھر جب رات ہوئی اور میرے تمام ساتھی شکار سے لدے پھندے واپس آئے تو جیراس نے میرا چہرہ دیکھا اور کہنے لگا۔

"کیا بات ہے ہیرک.........تو کچھ متفکر سا نظر آ رہا ہے۔"

"ہاں میرے دوست......... میں ایک عجب حادثے سے دوچار ہو گیا ہوں۔" میں نے جیراس کو پوری کہانی سنائی تھی اور وہ مسکرانے لگا تھا پھر وہ بولا۔

"ہیرک! تیری زندگی میں تو اس قسم کے کسی حادثے کی گنجائش نہیں ہے تو اگر ان جھگڑوں میں پڑ گیا تو مشن جاری نہیں رکھ سکے گا۔"

"بکواس کرتا ہے تو۔ میرا کوئی مشن نہیں ہے۔ میں تو بس ایک آوارہ مزاج انسان ہوں، جہاں جی چاہا چلا گیا۔" میں نے بگڑ کر جواب دیا۔

"ان باتوں کو چھوڑ......... میں تجھے سب کچھ دینا چاہتا ہوں ہیرک! جو تیرے تصور سے بھی بعید ہوگا۔ نجانے کب تو میری بات مانے گا۔ وہ لوگ شدت سے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ تجھے ایک منصب دینا چاہتے ہیں، تجھے ان علاقوں کا سب سے بڑا

انسان بنانے کی خواہش مند ہیں اور تو انہیں ٹھکرا رہا ہے۔" اس نے منافقانہ لہجے میں کہا تھا۔

"دیکھ جیراس! میں مختلف فطرت کا مالک ہوں............ ہو گا وہی جو میری اپنی خواہش ہے۔ تو لاکھ سر پٹختا رہے میں اپنی پسند کے مطابق ہی عمل کروں گا اور اب صرف مجھے اس لڑکی کی تلاش ہے اور کسی چیز سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔"

"تب پھر مجھے اجازت دے میں اس تلاش میں تیرا ساتھ نہ دے سکوں گا۔"

"تو جب بھی چاہے میرے پاس سے جا سکتا ہے۔"

جیراس کو یا تو غصہ آ گیا تھا یا پھر کوئی اور ہی بات تھی۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے وہاں سے چلا گیا۔ میرے ساتھ صرف دو افراد رہ گئے تھے اور میں نے ان دو افراد سے کہا کہ بستی میں جا کر اس ملکہ حسن کو تلاش کرو لیکن یہ بات میں جانتا تھا کہ میں کوئی اجنبی انسان نہیں ہوں اور بستی میں مجھے پہچان لیا جائے گا۔ اس کے لیے میں نے اپنے چہرے کو نصف ڈھک لیا تھا۔ بستی میں اس لباس کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ مجھے خاص طور پر دیکھا جاتا چنانچہ میں اپنی تلاش میں مصروف ہو گیا اور کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ لڑکی مجھے دوبارہ نظر نہ آئی تھی۔

پھر ایک دن میں نے یہی فیصلہ کیا کہ چشمے کے کنارے چھپ کر اس کا انتظار کیا جائے اور اپنی اس کوشش میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ ایک بار پھر چشمے پر آئی تھی اور اس بار میں نے اسے چشمے میں اترنے سے پہلے ہی جالیا۔ وہ مجھے دیکھ کر ایک بار پھر غصے سے سرخ ہو گئی تھی۔ تب میں نے اس سے کہا تھا۔

"میں بہت پہلے یہاں سے چلا جاتا لیکن جس دن سے تجھے دیکھا ہے اس دن سے تیرے انتظار میں مسلسل خاک چھان رہا ہوں۔"

"میں............ میں تجھ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"لیکن میں تجھے چاہتا ہوں، میں تجھ سے محبت کرنے لگا ہوں۔" مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میرا لہجہ ملتجیانہ ہو گیا ہے جو میری فطرت کے خلاف تھا۔

وہ خاموشی سے مڑی اور واپس چلی گئی۔ میں نے چلتے ہوئے کہا۔

"تو جب تک مجھ سے اپنی محبت کا اقرار کرنے کے لیے یہاں دوبارہ نہ آئے گی میں اسی جگہ بیٹھا رہوں گا اور ہو سکتا ہے تجھے یہاں سے کچھ عرصے کے بعد میری سوکھی ہوئی لاش دستیاب ہو۔"

اس نے ایک بار پلٹ کر گردن گھمائی اور پھر تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی چلی گئی۔

لیکن دوسرے دن وہ صبح ہی صبح واپس آئی اور میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کے پاس کھانے پینے کی چند اشیاء تھیں۔ وہ چیزیں میرے سامنے رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"تو نے میری نسوانیت کی توہین کی ہے۔ تو نے مجھے اس عالم میں دیکھا ہے کہ کسی اجنبی آنکھ نے کبھی مجھے اس حالت میں نہ دیکھا ہو گا لیکن نجانے کیوں مجھے تجھ پر ترس آ گیا میں تیری سوکھی ہوئی لاش نہیں دیکھنا چاہتی۔" اس کا لہجہ گو کہ سپاٹ تھا، اس سے کسی جذبے کا اظہار نہیں ہوتا تھا، تاہم میرے لیے یہی بہت تھا۔

"تب مجھے اپنا نام بتا۔" میں نے کہا۔

"میرا نام اشتالہ ہے۔" میں نے اسے اپنا نام بتایا اور اس کے بعد میری زندگی میں انقلاب کا ظہور ہوا جس نے مجھے بالکل تبدیل کر دیا۔ اب مجھے اشتالہ کے علاوہ دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔ میرے دونوں ساتھی بھی یہاں میرے مستقل قیام سے تنگ آ کر واپس چلے گئے تھے۔ ظاہر ہے وہ میری طرح اپنا وقت برباد کرنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن میں وقت برباد نہیں کر رہا تھا۔ اشتالہ کے علاوہ اس کائنات میں مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ بھی مجھے اتنا ہی چاہنے لگی تھی اور اب جدائی کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔

"تم مجھے اپنا لو۔ اب اس دنیا میں مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی محبوب نہیں ہے۔"

"اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں تمہارے باپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہو کہ تم اس بستی کے رواج کے مطابق مجھے اپنی بیوی بنا لو۔"

میں نے اس سے کہا کہ کل وہ میرے پاس نہ آئے۔ کل دن میں، میں اس کے باپ کے پاس حاضر ہو کر اپنا مدعا پیش کروں گا۔ دوسرے دن میں تیار ہو کر اس کے باپ کے پاس پہنچ گیا۔

اشتالہ کا باپ بستی کا ایک امیر آدمی تھا اور باعزت مقام رکھتا تھا۔ اس وقت اس کے پاس اس کے دو دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر اس نے استقبالیہ انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔

''آؤ نوجوان، آؤ۔ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟''

''اشتالہ کے باپ میرا نام ہیرک ہے اور میں تیری بیٹی سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوں اس لیے میں یہاں آیا ہوں اور مجھے تیری غلامی کر کے فخر ہو گا۔ میں تیری خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''

اشتالہ کے باپ نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ تب ہی ایک شخص نے اس کے کان میں کچھ کہا اور اشتالہ کا باپ چونک کر میری صورت دیکھنے لگا۔

''ہیرک! کیا تیرا تعلق شالہ سے ہے؟''

''ہاں۔ میں شالہ ہی کا باشندہ ہوں اور ہیرک میرا نام ہے لیکن میں اب شالہ واپس نہیں جانا چاہتا۔ میں تمہاری بستی میں، تمہاری بستی میں رہنے والوں کی مانند زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ صرف اور صرف اشتالہ کے لیے۔''

''شالہ کے وحشی، تیری داستانیں تو میرے کانوں تک پہلے ہی پہنچ چکی ہیں لیکن میں صورت سے تجھے نہ جانتا تھا۔ ہاں تو ہیرک ہی ہو سکتا ہے، شالہ کا سب سے خونخوار انسان اور اس کے بعد بھی تو میری بیٹی کو اپنانے کا خواہش مند ہے۔ میں اسے قتل کر دینا پسند کروں گا لیکن تیری بیوی بنانے کی حامی نہیں بھروں گا۔''

''نہیں نہیں اشتالہ کے باپ، اشتالہ میری زندگی میں بہت گہرائی تک اتر گئی ہے اب میں اس کے بغیر جی نہ سکوں گا اور سن، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں وحشت خیزیاں کرتا رہا ہوں لیکن جس دن سے اشتالہ کی صورت میں نے دیکھی ہے اس دن سے میرے اندر نمایاں تبدیلیاں ہو گئی ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد زندگی میں

کبھی وحشت خیزی نہیں کروں گا۔ مجھے اشتالہ کی قربت سے محروم نہ کر، میں جی نہ سکوں گا۔''

''میں نے کہا نا اشتالہ کی موت مجھے پسند ہو گی لیکن اسے تیری قربت میں دینا مجھے ناپسند ہے۔''

''نہیں۔ اشتالہ کے باپ، ایسا نہ کر میں تجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دیتا ہوں۔ اپنی بیٹی سے بھی میرے بارے میں کچھ معلومات کر لے۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی سے رحم کی بھیک نہیں مانگی۔ میں اپنی پسند کی چیزیں چھینتا رہا ہوں لیکن یہ میری فطرت کی تبدیلی کا ایک ثبوت ہے کہ میں اشتالہ کو تجھ سے مانگ رہا ہوں۔''

''تو مجھ سے اشتالہ چھیننے کی کوشش بھی کرے گا تو اس کے لیے تجھے میری لاش سے گزرنا پڑے گا۔''

''نہیں' اتنے سخت نہ بنو، کل میں پھر آؤں گا اور تو اس دوران اچھی طرح سوچ لینا۔ فیصلہ کرتے وقت بیٹی کو بھی شریک کر لینا۔''

میں ساری رات بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتا رہا۔ ستارے مجھے زخمی محسوس ہو رہے تھے، فضائیں روتی ہوئی لگ رہی تھیں۔ اشتالہ.......... اشتالہ کے علاوہ اب میری زندگی میں کچھ نہیں رہ گیا تھا۔

دوسرے دن جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ ایک سے زیادہ آدمیوں کے ساتھ میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''یقیناً تو نے یہ فیصلہ کیا ہو گا کہ اشتالہ کو میری بیوی بنا دے۔ بول کیا فیصلہ ہے تیرا؟''

''ہیرک.......... وحشی ہیرک تیرے حق میں زیادہ بہتر یہی ہے کہ تو یہاں سے فوراً واپس چلا جائے اور سن اب تو اشتالہ کو یہاں سے اغوا کر کے بھی نہ لے جا سکے گا کیونکہ میں نے اشتالہ کو یہاں سے بہت دور بھیج دیا ہے۔''

''تو نے' اچھا نہ کیا.......... تو نے یہ اچھا نہ کیا.......... اشتالہ کے باپ.......... میں اس کے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گا۔''

"بہتر ہے کہ تو میرے ہاتھوں ہلاک نہ ہو............ میں نے زندگی میں کسی شخص کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک نہیں کیا۔ تیرا چلا جانا ہی بہتر ہے۔"

میری ہر منت سماجت اس کے آگے بے اثر ہوگئی اور اس نے آخری فیصلہ سنا دیا کہ اشتالہ میری نہیں ہو سکتی۔

میں دلبرداشتہ ہوکر وہاں سے ہٹ آیا اور چشمہ کے کنارے فروکش ہوگیا لیکن اب اشتالہ نہیں آتی تھی۔ میں نے بستی میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن کسی نے اشتالہ کا پتہ نہ دیا۔ جی تو چاہتا تھا کہ یہ بستی تاراج کردوں، یہاں پر رہنے والے کسی شخص کو زندہ نہ چھوڑوں لیکن یہ............ یہ اشتالہ کی بستی تھی اور میں اس کی بستی کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں جنونیوں کے انداز میں اشتالہ کی تلاش میں چل پڑا اور نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا رہا۔ پھر ایک دن میرا رخ واپس اشتالہ کی بستی کی جانب ہوگیا اور میں اشتالہ کے باپ سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے واپس اس کے گھر پہنچا لیکن میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

اشتالہ کا وہ گھر خاکستر ہو چکا تھا جہاں وہ رہتی تھی۔ بس برباد کھنڈرات پڑے رہ گئے تھے۔ اطراف میں بھی بہت سے مکانات تباہ ہو چکے تھے۔ میں شدت حیرت سے ان تباہ شدہ مکانوں کے قریب پہنچ گیا تب ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈر سے اشتالہ برآمد ہوئی۔

اس کا حسین چہرہ ماند پڑ چکا تھا اور وہ غمزدہ نظر آتی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر غیظ وغضب کے آثار ابھر آئے اور میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"اشتالہ............ اشتالہ یہ سب کیا ہوا؟ یہ کیا ہوا اشتالہ؟ تم کہاں چلی گئی تھیں؟ میں تمہاری تلاش میں نجانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا۔ بولو اشتالہ تم کہاں تھیں؟ کہاں تھیں تم؟" میں نے خوشی کے جذبوں سے بھرپور ہوکر اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

"شالہ کے وحشی بہت چالاک سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو۔ تو نے میرے باپ کو قتل کر دیا' تو نے میرا گھر تباہ کر دیا' تو نے میرے تمام خاندان کو خاکستر کر دیا۔ اب میرے پاس کس لیے آیا ہے؟ اب ان ٹوٹے کھنڈرات میں کیا تلاش کرنے آیا ہے؟"

"میں نے............ میں نے یہ سب کچھ کیا؟ نہیں اشتالہ میں تو تیری تلاش میں نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ اشتالہ یہ سب کچھ میں نے نہیں کیا۔"

"تو جھوٹا ہے' چلا جا اس بستی سے چلا جا۔ اس بستی کے لوگ تیرے خون کے پیاسے ہیں۔ یہاں سے چلا جا ہیرک ورنہ تیرے حق میں بہتر نہ ہوگا۔ جو کچھ تو نے کیا، کیا اس کے بعد بھی تو اس بات کا خواہش مند ہے کہ میرے دل میں تیری محبت باقی ہو۔"

"اشتالہ میں نے کچھ نہیں کیا، تو یقین کر میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ان تمام باتوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے بتا وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ایسا کیا؟ میں نے ان سب سے انتقام لوں گا۔ میں بدلہ لوں گا ان سے۔"

"تو............ تو چلا جا یہاں سے۔ دیکھ ہیرک تو چلا جا یہاں سے۔ میں نہیں چاہتی کہ میں اپنے ہاتھوں سے تجھے قتل کردوں۔" اشتالہ تلخ لہجے میں بولی۔

"تو پاگل ہوگئی ہے اشتالہ۔ اگر یہ سب کچھ ہوا ہے تو بھی کم ازکم اس میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ چل میرے ساتھ چل اب۔ میں تجھے تلاش کرنے کے لیے ہر سو مارا مارا پھرا ہوں۔"

"میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی' پاگل وحشی میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" اشتالہ نے جواب دیا اور مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر بٹھا کر ہوا ہوگیا۔ اشتالہ خود کو چھڑانے کے لیے ایسی ہی جدوجہد کر رہی تھی جیسی ایک بار اس نے چشمے پر کی تھی لیکن میری مضبوط گرفت سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ میں اسے دور لے آیا اور یہاں میں نے اسے گھوڑے سے اتارنے کے بعد سمجھانے کی کوشش کی۔

"دیکھ اشتالہ! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ تو کیسے کہہ سکتی ہے کہ یہ سب کچھ میں نے کیا؟ میں تجھے ثبوت دے سکتا ہوں کہ میں تیری تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔"

اشتالہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں تو تیری بستی سے اس طرح محبت کرنے لگ گیا تھا

جس طرح تو کرتی ہے اور یہی میں نے تیرے باپ سے بھی کہا تھا۔ نجانے وہ کون لوگ تھے جنہوں نے خود یہ تباہی مچائی اور میرا نام لے دیا۔"

اشتالہ نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا تو میں نے اس سے کہا۔ "یہ تو سوچ، غور کر۔ محبت کرنے کے بعد کہیں اتنی دیوانگی کی جا سکتی ہے۔ میں تجھے بھی سوچنے کا موقع دیتا ہوں اشتالہ اور یہ موقع میں نے تیرے باپ کو بھی دیا تھا۔"

اشتالہ نے گردن اٹھائی اور تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "اور جب میرے باپ نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور تجھ سے یہ اقرار نہ کیا کہ وہ مجھے تیری زوجیت میں دے دے گا تو تو نے اسے ہلاک کر دیا۔"

"مجھ پر یہ الزام نہ لگا اشتالہ! میں نے ایسا نہیں کیا تو میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو کر میری توہین کر رہی ہے۔ میری محبت کی توہین کر رہی ہے۔ اشتالہ تو مجھ پر ایسا الزام لگائے گی، یہ میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔"

میں وہاں سے ہٹ گیا اور دور شکار کی تلاش میں نکل گیا۔ تب میں نے ایک ہرن شکار کیا اور اسے وہیں خشک لکڑیوں کی آگ میں بھوننے کے بعد اشتالہ کے لیے لے آیا............ لیکن............ لیکن جو کچھ میں نے دیکھا۔ اس نے مجھے برباد کر دیا، مجھے تباہ کر دیا اس نے۔

میں نے دیکھا کہ اشتالہ وہاں مردہ پڑی ہے۔ اس نے اپنا سر پتھر سے مار مار کر خود کو ہلاک کر لیا تھا۔ وہ مر چکی تھی۔

تب میں نے اسی جگہ اشتالہ کی قبر بنا دی اور اس کے بعد دیوانوں کی مانند اسے صحراؤں میں آوازیں دیتا پھرتا۔ جب میری آواز کا کوئی جواب نہ ملتا تو میں واپس اس کی قبر پر آ بیٹھتا اور اس قبر پر ایک دن جیراس مجھے ملا۔ وہ میرا ہمدرد بن کر میرا غمگسار بن کر میرے سامنے آیا اور کہنے لگا۔

"اب تو اٹھ جا یہاں سے صحرا کے دیوانے۔ پاگل ہو گیا تو ایک لڑکی کے فریب میں آ کر۔ اشتالہ نے خودکشی کر لی، اب تو اس کے تصور کو ذہن سے نکال دے۔ وہ آج بھی تیرا انتظار کر رہے ہیں جو تجھے اشتالہ جیسی ہزاروں لڑکیاں بخشنے کی قوت رکھتے ہیں۔"

"مجھ سے فضول گوئی نہ کر جیراس! میں اب کسی قابل نہیں رہا۔"

"او بے وقوف انسان! تیرے لیے تو میں نے اشتالہ کی بستی تباہ کر دی، میں نے وہ سب کچھ کیا تیرے حصول کے لیے جو مجھ سے ممکن ہو سکتا تھا لیکن تیری عقل آج بھی تیرا ساتھ نہیں دیتی تو جہنم میں جا۔ اب وہ متبادل راستہ تلاش کر چکے ہیں۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ ان کی طلب کے مطابق تجھے ان کے سامنے پیش کر دوں اور اس کے بعد ان سے اپنا منصب بھی حاصل کروں............ لیکن............ لیکن تو نے میرا سب کچھ کیا دھرا چوپٹ کر دیا۔"

جیراس غصے میں بھرا وہاں سے واپس چلا گیا۔ میرے ذہن میں کوئی بات نہ آئی تھی۔ اشتالہ کی یاد نے مجھے واقعی پاگل کر دیا تھا اور پھر اس کے بعد میں نجانے کس کس جگہ ہوتا ہوا بستی شالہ پہنچ گیا۔ جب شالہ میں داخل ہوا تو یہاں کے حالات ہی بدل چکے تھے۔

شالہ کے اطراف میں خوف کی حکمرانی تھی اور بیچاری سیمون خوف کا شکار تھی۔

شالہ کے رہنے والے ایک ایک شخص کو خوف کا مرض ہو گیا تھا اور وہ ایک انجانی قوت سے دہشت زدہ تھے مگر میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے اور اس کے بعد میں نے شراب کا سہارا لیا۔

بس یہ ہے میری کہانی، یہ ہے سارا واقعہ جو میں تجھے سنانا چاہتا تھا اور اس سے تو خود نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ کیا ہونا چاہیے تھا، کیا ہوا ہے؟"

زیراس دلچسپ نگاہوں سے ہیرک کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سوال کیا۔ "تو تو شراب کے نشے میں اپنی محبت کو بھولنے میں کوشاں رہا ہیرک؟"

"ہاں............ اور آج بھی میرے سینے میں ایک بہت بڑا زخم ہے جو کبھی نہ بھر پاتا۔ تو نے............ تو نے مجھے خون کا ذائقہ چکھایا، تو نے ہیرک کو جگا دیا اور اس کے بعد سب کچھ میری سمجھ میں آ گیا۔ میرا ذہن دور رس ہے اور میری آنکھیں بہت دور تک دیکھ سکتی ہیں۔ آج مجھے جیراس یاد آتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے منصب کے حصول کے لیے میری طلب رکھتا تھا اور جس نے صرف اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اشتالہ کے باپ کو، اس کے خاندان سمیت ہلاک کر دیا تاکہ میں اشتالہ کی محبت سے بالکل آزاد ہو جاؤں یا

اشتالہ مجھ سے ملے تو مجھ سے نفرت کرے اور اس کے بعد میری نہ رہے اور اس طرح اس کا مقصد اسے حاصل ہوسکتا تھا۔"

"لیکن.......... لیکن آج میں ہوش میں آ گیا ہوں اور جیراس کی اس سازش کو سمجھ چکا ہوں۔ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ جیراس نے یہ سب کچھ انہی لوگوں کے ایماء پر کیا ہے اور وہ لوگ تو شاید عقل مند ہیں تو میری بات سمجھ گیا ہوگا۔ وہ اجنبی جن کا دست راست جیرس بن گیا تھا میرے ذریعے قوت کا حصول چاہتے تھے اور یقینی طور پر انہوں نے اس کا دوسرا طریقہ یہ نکالا کہ یہاں دہشت کی آڑ میں وہ اپنا مقصد حاصل کر رہے ہوں گے جس کے لیے وہ میرا سہارا چاہتے تھے۔



"یہ ہے ان وحشیوں کی کہانی اور یہی ہے شالہ بستی کا خوف۔"

ہیرک خاموش ہوگیا۔ زیراس مسلسل اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور اس کی کہانی کی سچائی کا اندازہ لگا رہا تھا۔ نجانے کیوں اسے یہ کہانی جھوٹی محسوس نہ ہوئی۔ ہیرک درحقیقت سچ کہہ رہا تھا۔ کچھ دیر زیراس خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"لیکن ان کا مقصد کیا ہوسکتا ہے ہیرک؟"

"میں ستاروں کی چال نہیں جانتا' نہ میں نجومی ہوں' نہ پیش گو' یہ اندازہ میں نے اس وقت لگایا تھا جب میں ہوش وحواس کے عالم میں تھا اور شاید تو یہ جانتا ہو کہ ذی آ نا کی اس وسیع و عریض دنیا میں ہی زندگی کی انتہا نہیں ہے۔ اس کے اطراف میں بہت سی بستیاں آباد ہیں اور ان کے رہنے والے اکثر ذی آ نا کا رخ کرتے ہیں۔ وہ ہوس پرست ہیں اور زمین کے ہر گوشے سے اپنے لیے دولت سمیٹنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کے امکانات ہیں کہ کسی اور آبادی کے لوگ ذی آ نا کے اس علاقے میں داخل ہوئے ہوں، کسی خاص شے کی تلاش میں۔"

"وہ کون ہیں؟"

"میں نے کہا نا یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ہوش وحواس کے عالم میں تھا کہ میں نے یہ اندازہ لگایا تھا لیکن اس کے بعد اشتالہ کی موت نے میرے حواس معطل

کر دیئے تھے اور میں یہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہ رہا تھا کہ جیراس نے یہ سازش کیوں کی ہے؟ یہی وجہ تھی کہ جیراس بدبخت میرے ہاتھوں سے بچ گیا لیکن تو نے مجھے میرا ہی خون پلا کر میرے ہوش وحواس جگا دیئے ہیں اور میں نے جس شے کی آڑ میں پناہ لی تھی اب وہ میرے لیے بے اثر ہوگئی ہے چنانچہ اب میں جیراس سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ اشتالہ سے جدائی کا باعث وہی بدنصیب شخص تھا اور یقینی طور پر ذی آ نا کی آبادی شالہ کی نحوستوں کا ذمے دار بھی وہی ہے۔ وہ ضرور جانتا ہوگا کہ ان ساحروں کا مقصد کیا ہے اور اس طرح میرا اور تیرا مشن ایک ہی ہوگیا ہے۔ میں جیراس کو تلاش کر کے اشتالہ کے قاتل کی حیثیت سے اس کی ہلاکت چاہتا ہوں اور تو اسے تلاش کر کے اپنے ساتھی کے بارے میں معلومات کرنا چاہتا ہے۔ یقینی طور پر وہ جانتا ہوگا کہ تیرا ساتھی کہاں ہے۔"

زیراس نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ پھر بولا۔ "اور میں تیری اس کہانی کو سچ مان لوں؟"

زیراس کے ان الفاظ پر ہیرک کا چہرہ ست گیا وہ عجیب سی نگاہوں سے زیراس کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "دوستوں کو گالیاں نہیں دی جاتیں اور میں تجھ سے یہ توقع بھی نہیں رکھتا لیکن اگر تو نے یہ گالی مجھے دی تو یقین کر میں تیرا ساتھ چھوڑ دوں گا اور اس کے بعد تجھے پھر کبھی نظر نہیں آ ؤں گا۔"

"نہیں نہیں.......... میں تجھے گالی نہیں دے رہا میں تو بس ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ دشمن بے حد چالاک ہے اور پورے ذی آ نا میں انہوں نے ایسے ہی جال بچھا رکھے ہیں۔ تیرا کہنا درست ہے ہیرک! بے شک وہ اپنی کسی مذموم کوشش میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے معصوم بستیوں کو اپنا نشانہ بنا رہے ہوں گے۔ کیا تو ان بستیوں کی نشاندہی کر سکتا ہے؟"

"کاش یہ ممکن ہوتا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں تو ایک عرصے سے تارک الدنیا ہوں۔" ہیرک نے جواب دیا۔

"وہ کون تھا جسے تو نے ہلاک کیا؟"

"نمباسیہ کا غلام۔"

"اور نمباسیہ؟" زیراس نے پوچھا۔

"جیراس کا دست راست' وہ دونوں ساتھ ساتھ ہی پیدا ہوئے تھے۔ ایک ہی دن' ایک ہی وقت اور تب سے اس وقت تک ساتھ رہے جب تک میں انہیں جانتا تھا۔ نمباسیہ، جیراس کے عمل سے واقف ہوتا ہے اور یقیناً اس وقت بھی وہ اس بات سے غافل نہ ہوگا کہ جیراس کہاں ہے اور ہماری تمام تر کاوشوں کا انعام جیراس ہی ہے۔ اگر وہ ہمیں مل جائے تو سب کچھ پتہ چل سکتا ہے، کیا سمجھا؟ ہمارا مقصد صرف جیراس کی تلاش ہونا چاہیے۔"

زیراس پرخیال نگاہوں سے ہیرک کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "کیا تو نمباسیہ کی بستی کے بارے میں جانتا ہے؟"

"ہاں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں' اچھی طرح جانتا ہوں۔"

ہیرک کے ہونٹوں پر ایک کشادہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ زیراس نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور اس کے بعد وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔



روتھن گہری نگاہوں سے سیلان کا جائزہ لے رہا تھا اور سیلان کے پتھرائے ہوئے بدن پر اس کی نگاہیں مرکوز تھیں۔ تب سیلان نے کہا۔

"خطہ ذی آنا عجیب وغریب کہانیوں کا امین ہے اور اس بستی کی کہانی بھی عجیب کہانیوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ کبھی یہ بستی انسانوں کی بستی تھی جن لوگوں کو تو نے جانوروں کی صورت میں دیکھا، یہ انسان ہی ہیں اور اس سے پہلے یہ عقل وخرد سے عاری نہ تھے۔ ہنسی خوشی رہتے تھے یہ لوگ اور ان کی اپنی زندگی میں کوئی دکھ' کوئی غم نہیں تھا۔ یہ بھی انسانوں ہی کی مانند اس آبادی میں زندگی گزارتے تھے اور اس وقت اطراف کے جنگل اس مانند نہ تھے جیسے اب تو نے دیکھے ہوں گے۔ یہ درخت سرسبز وشاداب تھے اور ان میں پھل اگا کرتے تھے سب کچھ موجود تھا لیکن خطہ ذی آنا کے اس حصے میں بدنصیبیاں زمین سے اگ رہی تھیں اور بوڑھی زکومہ نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ بستی شمالہ میں ایک ایسی نحوست جنم لے رہی ہے جو بالآخر بہت سوں کے لیے باعث اذیت بن جائے گی اور بستی کی اس نحوست کا نام تھا۔ سیمون! ہاں.......... وہ جادوگروں کی تخلیق ہے اور جادوگروں کی آغوش میں اس نے پرورش پائی۔ زمانے بھر کی چالاک اور شیطان ہے وہ۔ اس نے اپنی ذات پر معصومیت کے لبادے ڈال رکھے ہیں لیکن ان لبادوں کے دوسری طرف جھانکا جائے تو ایک شیطان قہقہے لگاتا ہوا نظر آئے گا اور اسی شیطان نے ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیا۔ میں سیلان ہوں، اس بستی کا رہنے والا۔ میں نے زکومہ کی پیش گوئی کے مطابق پیش بندیاں کیں اور بہت سوں کو اپنا ہمنوا بنایا۔ یہ کہہ کر کہ سیمون کی بادشاہت ساحروں کی بادشاہت ہے اور ساحروں کی بادشاہت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں

کی آوازیں بند ہو جائیں۔ اس لیے میں سیمون کا مرکز نگاہ رہا اور وہ ہمارے اس علاقے کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھتی رہی کہ ہم ہی اس کا راستہ روکنے والے تھے۔

"ساحروں کی گودوں میں پلی سیمون بالآخر شالہ پر نازل ہو گئی اور اس نے شالہ میں رہنے والوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ وہ بستی بھی ہنسنے بولنے والوں کی بستی تھی۔ جب سے سیمون نے اس کا اقتدار سنبھالا ہے اس نے اس پورے علاقے پر خوف نازل کر دیا ہے۔ اور تو یہ جانتا ہوگا کہ ساحروں کے مشاغل مختلف ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کو انسانوں کی مانند نہیں جانوروں کی طرح دیکھنے چاہتے ہیں چنانچہ سیمون نے ساحروں کی سرکردگی میں پرورش پانے کے بعد اپنے خفیہ ہرکارے اس سمت بھیجے اور وہ یہاں کی زمین میں اگ آئے۔ انہوں نے سحر پھونکا اور اس بستی کے رہنے والے جانور بن گئے۔ میں نے احتجاج کیا تو مجھے پتھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ وہ شالہ کی مظلوم حکمران بنی ہوئی ہے اور اس نے لوگوں سے کہا کہ ساحروں نے اس سرزمین کو دہشت کی سرزمین بنا دیا ہے لیکن میں جاننے والا ہوں اور مجھے بوڑھی مقدس زکومہ کے افکار و خیالات حاصل ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ شالہ کی مظلوم حکمران درحقیقت اس علاقے کی ظالم ترین عورت ہے اور اس نے شالہ کے گرد سحر کے جال پھیلا دیئے ہیں تاکہ کوئی اس کے بارے میں نہ سوچے۔ جب بھی شالہ کے لوگ اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش کرتے ہیں تو کچھ ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں کہ وہ خوف سے اپنے گھروں میں سمٹ جاتے ہیں۔

"یہاں ہم اس خوف و دہشت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اب تو ہمارے دلوں سے امید کی کرن معدوم ہو چکی ہے کیونکہ ہمارے درمیان انسان نہیں جانور رہتے ہیں۔ یہ سب جانوروں ہی کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں اور تو نے ان کا تجزیہ کیا ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے جینے کے لیے کچھ لوازمات موجود ہیں لیکن ایک دن ایسا ضرور آئے گا جس دن یہ سب لوگ اپنی موت آپ مر جائیں گے کیونکہ یہاں پر یہ وباؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ قحط سالی کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ جنگلوں کو کیسے سرسبز و شاداب کیا جاتا ہے اور یہ جنگل سوکھتے جا رہے ہیں اور پھر اس وقت جب یہاں سے تمام نعمتیں ختم ہو جائیں گی تو یہ فاقہ کشی کا شکار ہو جائیں گے اور اس کے بعد

موت کے علاوہ کچھ نہ رہے گا۔ یوں ساحروں کی وہ خواہش پوری ہو جائے گی اور سیمون جیسی شیطان حکمران اپنی حکمرانی میں وسعت کرے گی۔ شالہ کے رہنے والے کبھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے اور اب میری بستی کے لوگ جانور ہیں۔ یہاں انسانی زندگی جنگل بن گئی ہے یہ سب کچھ اس کے سحر کی وجہ سے ہے۔ کاش.......... کاش کوئی اس ساحرہ کو ختم کر دے اور ہم لوگوں کو بھی انسانوں کی مانند جینے کے راستے مل جائیں۔ ہماری نگاہیں ہر اس فرد کی طرف اٹھتی ہیں جو ہمارے لیے کام کر سکتا ہے۔

"اجنبی! تو شالہ کی سرزمین سے تعلق نہیں رکھتا اور یوں لگتا ہے جیسے تو ذہین ہو اور بے شک تیرے اندر وہ چیز پائی جاتی ہے جو ہر طرح کے سحر کو ختم کر دے چنانچہ میری نگاہیں تیری جانب اٹھی ہیں۔ کیا تو ہماری مدد کرے گا؟"

روتھن نے گہری نگاہوں سے سیلان کو دیکھا۔ عجیب و غریب کہانی سنائی تھی سیلان نے۔ سیمون کے بارے میں روتھن کچھ نہیں جانتا تھا لیکن شالہ بستی میں اس نے زیرا اس کے ساتھ قیام کیا تھا اور تب سے اس پر وہ مصیبت نازل ہوئی تھی جس کا وہ اب تک شکار تھا لیکن کیا سیلان کی کہانی درست ہے؟ کیا کرنا چاہیے؟ اور روتھن جیسے فطین کے ذہن میں جو منصوبے آ سکتے تھے وہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں تھے۔ اس نے سوچا کہ جو کچھ اس نے دیکھا اگر وہ سحر بھی ہے تو کم از کم یہ سحر اس پر اثر انداز نہیں ہوا اور اگر وہ جانوروں جیسا نہیں ہے تو پھر یقیناً وہ اس راز کو پا سکتا ہے کہ سیلان نے کیا کہا۔ چنانچہ اس نے پرخیال انداز میں کہا۔

"لیکن سیلان! میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"یہ تو بہتر سمجھ سکتا ہے لیکن میں تجھے صرف اتنا بتا دوں کہ سیمون اس تمام سحر کی ذمے دار ہے اور سیمون کو ہلاک کر دیا جائے تو یہ سحر اس کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔"

"کیا میں ایسا کر سکوں گا؟"

"یہ تیری سوچ اور ذہانت پر منحصر ہے ہاں اگر تو سیمون کو ختم کر کے ہم سب کو سحر سے آزاد کر دے تو ایک پیشکش میں سیلان کی حیثیت سے تجھے کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ تو ان علاقوں کا حکمران ہوگا، یہ سیلان کا وعدہ ہے۔"

روتھن بہت زیادہ جذباتی نظر آنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مقدس سیلان! تیرے پتھرائے ہوئے جسم کی قسم! میں ایسا ہی کروں گا۔ میں یقیناً ایسا ہی کروں گا۔''

''اگر تو ایسا کرے گا تو یوں سمجھ لے کہ ہماری آنکھوں کا تارا ہو گا لیکن یہ کام آسان نہیں ہے۔ شالہ کے رہنے والے سیمون سے خوفزدہ ہیں۔ وہ سیمون کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں اپنی زندگیوں کے خوف سے۔ چنانچہ اسے صرف دھوکے سے مارا جا سکتا ہے صرف دھوکے سے۔''

''مجھے اس سلسلے میں تیری مدد درکار ہے۔ مجھے بتا میں سیمون تک پہنچنے کے لیے کیا کروں؟''

''تجھے وہاں تک پہنچایا جا سکتا ہے اور میں وہاں تیرے لئے مددگار مہیا کر سکتا ہوں۔ تھوڑا انتظار کر اور یہ لمحات یہاں پرسکون رہ کر گزار۔ میرا نشان تجھ پر چسپاں ہو گا اور یہ سب تیری عزت کریں گے۔ میں ان کا رہنما ہوں لیکن افسوس میں ان کی رہنمائی نہ کر سکا۔''

روتھن نے سیلان سے وعدہ کیا کہ وہ سیمون کی ہلاکت کے لئے عملی طور پر قدم اٹھائے گا لیکن چونکہ وہ ان علاقوں سے اجنبی ہے اس لیے سیلان کو اس کی مدد کرنا ہو گی اور سیلان نے اس کے لیے ایک عمدہ رہائش گاہ کا انتظام کر دیا۔



ہیرک کی شہسواری زیراس کو بے حد پسند تھی اور وہ یہ بات دعویٰ سے کہہ سکتا تھا کہ ہیرک بہترین شہسوار ہے اور اس کی ٹکر کا شہسوار کوئی دوسرا کم ہی ہو گا۔ زیراس کی اپنی زندگی بھی گھوڑوں پر ہی گزری تھی چنانچہ گھوڑے کی پشت اس کے لیے دنیا کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی۔ ویسے تو اس نے ہیرک کی ذات میں بہت سی خوبیاں دیکھی تھیں لیکن اس کی شہسواری اسے سب سے زیادہ پسند آئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ہیرک کا مزاج بھی زیراس کو پسند تھا۔ وہ ہنسنے بولنے والا آدمی تھا اور ایک ایسے شخص کے لیے جس کی آدھی زندگی شراب میں غرق گزری ہو، شراب کا اس طرح چھوڑ دینا بھی زیراس کے لیے تعجب

خیز تھا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہیرک دھن کا پکا شخص ہے۔ اس وقت اسے نمباسیہ کی تلاش کی دھن تھی۔

ان دونوں کے گھوڑے برق رفتاری سے اس علاقے کی جانب جا رہے تھے جو نمباسیہ کا علاقہ تھا۔

پھر بلندیوں سے پستیوں میں ایک ایسی بستی نظر آئی جو بہت خوش حال معلوم ہوتی تھی۔ اس کے اطراف میں درخت اور باغ لہلہا رہے تھے اور وہاں چاروں طرف سبزہ بکھرا ہوا تھا۔ سبزہ زار کے درمیان خوبصورت مکانوں کا طویل و عریض سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور نمباسیہ شاید اس بستی کا سردار تھا یا اگر سردار نہیں تھا تو امیر ضرور تھا کیونکہ اس کا مکان سب سے خوبصورت اور سب سے وسیع تھا۔

ہیرک نے بلندی سے اس بستی کو دیکھا اور پھر دور ہی سے اس مکان کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''وہ نمباسیہ کا گھر ہے لیکن اس وقت جب میں نے پچھلی بار اس بستی کو دیکھا تھا تو یہ ایک پسماندہ بستی تھی اور یہاں کے لوگ بے کسی کی زندگی گزارتے تھے۔ اب یوں لگتا ہے جیسے نمباسیہ نے اپنی بستی کو خوش حال بنا دیا ہو۔ وہ میرے ہاتھ لگ جائے تو جیراس کے بدلے میں، یوں سمجھ لو کہ جیسے وہ مجھے مل گیا۔ کیونکہ جیراس کی ہر جنبش کو صرف نمباسیہ جانتا ہے۔ صرف اور صرف نمباسیہ۔ اور جیراس یقیناً ان لوگوں کا آلہ کار ہے جو ان بستیوں میں خوف و دہشت کی علامت بن گئے ہیں۔'' پھر اس نے اپنے ہتھیار دیکھے اور زیراس سے بولا۔ ''یہاں صرف گولیوں کی زبان سمجھی جاتی ہے۔ اگر ہم دو آدمی پوری بستی کو اپنے خوف کا شکار کر سکتے ہیں تو صرف اپنے بہترین نشانوں کی مدد سے، اور چاروں طرف سے چوکنا رہنا ضروری ہے۔ یوں سمجھ کہ یہ لوگ بلندیوں سے اور ان کھڑکیوں سے حملہ کریں گے جہاں وہ دوسروں کو نظر نہ آ سکیں۔ اگر تو نے وہ جگہ تلاش کر لی تو سمجھ لے کہ ہم کامیابی سے ہمکنار ہو گئے اور ہم طوفانی انداز میں بستی میں داخل ہوں گے تا کہ ان پر دہشت طاری ہو جائے لیکن اس کے لیے تجھے اپنی رائفل بھرنے کا وقت نہیں مل سکے گا۔ یہ تیری ذہانت پر منحصر ہے کہ تو کس طرح اپنے ہتھیاروں کو گولیوں سے بھر لیتا ہے۔''

زیراس نے گردن ہلائی اور بولا۔ ”تو فکرمت کر ہیرک۔ یہاں میں تجھے مایوس نہیں کروں گا۔“

اور اس کے بعد انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑے بلندیوں سے پستیوں کی طرف دوڑنے لگے اور ان کی رفتار اتنی طوفانی تھی کہ دیکھنے والوں نے دیکھا اور انگشت بدنداں رہ گئے لیکن جب بستی میں داخل ہو کر انہوں نے گولیوں کی بارش شروع کی تو لوگ چیختے چلاتے کونوں کھدروں کی جانب دوڑ پڑے۔ ہیرک کی گرج ابھر رہی تھی۔

”میں ہیرک ہوں بستی والو، مجھے نمباسیہ کی تلاش ہے۔ اگر نمباسیہ کی تلاش میں تم نے میری مدد کی تو میں تمہاری جان بخشی کر دوں گا۔ ورنہ پوری بستی کو آتش کدہ نہ بنادوں تو ہیرک نام نہیں میرا۔“ کچھ پیش گوئیاں ہیرک کی بالکل درست تھیں۔ مثلاً ایک گھر کی چمنی کے پاس سے گولیاں چلائی گئیں جو زیراس اور ہیرک کے درمیان سے نکل گئیں لیکن ہیرک کو زیراس کے نشانے کا بھی اعتراف کرنا پڑا کیونکہ صرف ایک گولی چلائی زیراس نے اور چمنی کے پاس چھپا شخص زمین پر آ گیا۔ اس کے بعد بستی والوں میں سے چند افراد نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ہیرک کی طوفانی یلغار کے سامنے نہ رک سکے اور آن کی آن میں ہیرک، نمباسیہ کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے نمباسیہ کے گھر پر بے تحاشہ گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ اس کی گرجدار آواز ابھر رہی تھی۔

”بزدل چوہے باہر نکل، میں تجھ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نام ہیرک ہے، ہیرک ایک بار پھر زندہ ہو کر تیرے سامنے آ گیا ہے۔ نمباسیہ باہر نکل ورنہ تیرے اس گھر کو جہنم بنادوں گا!“ اس کی بندوق مسلسل شعلے اگل رہی تھی اور اندر سے دہشت بھری چیخیں ابھر رہی تھیں پھر کسی نے چیخ کر کہا۔

”ہم باہر آنا چاہتے ہیں عظیم ہیرک! ہم باہر آ کر تجھے ساری تفصیل بتانے کے خواہش مند ہیں۔“

”آؤ.......... آؤ دیر کیوں کر رہے ہو؟ اگر تم اسی مکان میں مرجانا نہیں چاہتے تو باہر آؤ میرے سامنے۔“ اور چند افراد دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے اور ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

”عظیم ہیرک! نمباسیہ یہاں موجود نہیں ہے وہ تو چراگاہوں میں شکار کھیل رہا ہے۔ اگر ہماری یہ بات غلط ثابت ہو تو بے شک تجھے اختیار ہے کہ ہمارے ساتھ جو دل چاہے سلوک کر۔“

بستی میں ہیرک ہیرک کی آواز بلند ہو رہی تھیں۔ شاید ہیرک کا خوف اتنا ہی تھا کہ لوگ اپنے اپنے دروازے بند کر رہے تھے۔ ہیرک نے آنے والوں کو گھورا اور بولا۔ ”نمباسیہ کو باہر نکال لاؤ اسی میں تمہاری نجات ہے ورنہ.......... ورنہ۔“

”نہیں، ہم جھوٹ نہیں بول رہے معزز ہیرک تو جس طرح چاہے تصدیق کر لے۔“

”تو پھر سنو، تم سب اس مکان کو آگ لگا دو۔ اسے میری نگاہوں کے سامنے خاکستر کر دو۔ جب یہ راکھ کا ڈھیر بن جائے تو میں تمہاری بات کا یقین کر لوں گا۔“

باہر نکلنے والوں نے دہشت بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ ایک ایسا حکم تھا جس کی تعمیل وہ کسی طور نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا خود بھی کسی نہ کسی طرح سے اس گھر سے تعلق تھا۔ انہوں نے کچھ سوچا اور پھر ان کی خوف زدہ آوازیں ابھریں۔

”لیکن گھر کے اندر اور لوگ بھی موجود ہیں۔“

”جو گھر میں موجود میں انہیں پناہ دی جاتی ہے لیکن ان سے کہو کہ چند لمحوں کے اندر اندر باہر آ جائیں۔ میں اس کے بعد کسی کی زندگی بچانے کا ذمے دار قرار نہیں پاؤں گا۔“ ان لوگوں میں سے چند نے آپس میں پھر صلاح مشورے کیے اور اس کے بعد وہ اندر داخل ہو گئے۔

پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد دو عورتیں، بچے اور چند افراد باہر نکل آئے اور نمباسیہ ان میں نہیں تھا۔ تب ہیرک کے حکم پر اس پورے گھر کو آگ لگا دی گئی۔

بستی کے خوفزدہ لوگ اپنی اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہیرک کی حرکات دیکھ رہے تھے اور زیراس سوچ رہا تھا کہ واقعی یہ ایک کمال کا کارنامہ ہے۔ ایک آدمی کے احکام اس قدر سخت ہو سکتے ہیں کہ بستی والے کس قسم کی مداخلت نہیں کر رہے۔ تعجب کی بات تھی۔

نمباسیہ کا گھر خاکستر ہو گیا تھا۔ دروازے کھڑکیاں جل جل کر گر رہے تھے شیشے چیخ رہے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں پورے گھر نے شعلے اگلنا شروع کر دیئے۔ تپش سے دور دور تک کا علاقہ جھلس رہا تھا لیکن ہیرک اپنے گھوڑے پر بیٹھا جلتے ہوئے گھر ہی کو نہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف نگراں تھیں۔ اس گھر سے نکلنے کے لیے جو بھی راستہ تھا اس کی نگاہوں کی زد میں تھا اور وہ جانتا تھا کہ اگر نمباسیہ گھر میں موجود ہے تو یہاں سے کہیں نہ جا سکے گا۔

کافی دیر تک ہیرک وہاں کھڑا رہا اور جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ اب گھر اس قدر آگ پکڑ چکا ہے کہ اگر کوئی زندہ وجود اس گھر میں موجود ہیں تو وہ زندہ باہر نہ نکل سکے گا تو اس نے وہاں کھڑے لوگوں کی جانب خونی نگاہوں سے دیکھا اور پھر ایک شخص کو انگلی سے اشارہ کر کے بولا۔

"تو آگے آ.........." وہ ذرا سہما آگے آ گیا تھا۔

"نمباسیہ کی وہ چراگاہ کہاں ہے جہاں وہ شکار کھیل رہا ہے؟"

"مشرق میں.......... ذی آنا کے مشرقی حصے میں، پہاڑوں کی گہرائی میں وہ چراگاہ واقعہ ہے اور نمباسیہ تمہیں وہاں ہی ملے گا۔" ہیرک نے ایک نگاہ زیراس کو دیکھا اور پھر گردن سے اشارہ کر کے بولا۔

"آؤ۔" اور اس کے بعد ان کے گھوڑے پھر اسی بلندی کی طرف دوڑنے لگے۔ آن کی آن میں گھوڑے بہت دور نکل آئے۔

نمباسیہ کے جلتے ہوئے مکان کے دھوئیں کی لکیر اب بھی آسمان کی جانب بلند ہو رہی تھی اور بلندیوں پر پہنچ کر ہیرک نے اپنا گھوڑا روکا اور پلٹ کر اس سمت دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں سے ایک آواز نکلی۔

"نمباسیہ خوش نصیب ہے کہ اس وقت مجھے یہاں نہیں مل سکا۔ ہم نے بستی والوں پر اپنا خوف قائم کر لیا تھا لیکن.......... لیکن نمباسیہ کی چراگاہ، اوہ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" ہیرک نے کہا اور اس کے بعد وہ بلندیوں سے دوسری جانب کا سفر کرنے لگا۔

بستی سے باہر نکلنے کا صرف یہی ایک راستہ تھا۔ باقی چاروں طرف بلند و بالا

پہاڑ بکھرے ہوئے تھے۔ ڈھلان کے راستے عبور کرنے کے بعد ہیرک نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ جب وہ ان جنگلوں میں پہنچے جہاں سفیدے کے درخت سر جھکائے کھڑے تھے تو دفعتہً ہی ہیرک نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔

"کیوں.......... اب کیا بات ہے؟" زیراس نے سوال کیا اور ہیرک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وہ ٹیلا ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے اور یہاں سے ہم لوگ اس شخص پر نگاہ رکھ سکتے ہیں جو اس بستی سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا۔"

"مطلب؟" زیراس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے تو بھی تھک گیا ہو گیا، چنانچہ یہاں کچھ دیر آرام کر لے۔" ہیرک اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ زیراس چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر وہ گہری سانس لے کر اپنے گھوڑے سے نیچے اتر گیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ہیرک زیرک تھا اور قوی ہیکل جسم کے ساتھ ساتھ وہ عقل بھی رکھتا تھا اور اب اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ اس نے جو کہانی سنائی تھی وہ سچ بھی تھی۔ ہر چند کہ زیراس کا مقصد صرف روتھن کی تلاش تھی لیکن سیمون نے جو کہانی سنائی تھی، زیراس نے اسے بھی جھوٹ نہیں سمجھا تھا اس نے سیمون سے وعدہ کیا تھا کہ شالہ کو بری روحوں سے نجات دلا دے گا لیکن اس وقت یہ وعدہ وقتی جوش کا ابال تھا۔ خود زیراس نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ پھر ہیرک نے اسے یہ کہانی سنائی تھی۔

تھوڑی دیر خاموشی کے عالم میں گزر گئی۔ زیراس ہیرک کا انداز دیکھ رہا تھا۔ کافی دیر بعد اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور تیرا یہاں قیام بے معنی نہیں ہے۔" ہیرک چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"تو نے مجھ سے کچھ کہا؟"

"ہاں۔" زیراس نے جواب دیا۔

"افسوس میں نے سنا نہیں۔" ہیرک نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں نے کہا کیا تیرا یہاں قیام بے معنی نہیں۔"

"ہاں تیرا خیال درست ہے۔"

"تو کسی کا انتظار کر رہا ہے؟"

"ہاں۔"

"کون ہیں وہ؟"

"جو کچھ دیر کے اندر اندر ہمارے سامنے آ جائیں گے۔"

"کیا اس بستی کے لوگ؟"

"سو فیصدی نمباسیہ کے غلام۔"

"میں تیرا مقصد سمجھ رہا ہوں لیکن تیرا یقین حیرت انگیز ہے۔"

"میں ان سؤروں کے بارے میں جانتا ہوں۔ نمباسیہ ولد الحرام نے ان کی تقدیر بدل دی ہے۔ ورنہ ان کے وسائل کچھ نہ تھے اور یہ بھیک مانگنے والے کہلاتے تھے۔" زیراس خاموش ہو گیا۔ دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر دفعتہً ہیرک کے حلق سے ایک آواز نکلی۔

"کیا ہوا؟" زیراس چونک کر بولا۔

"وہ سوراخ سے باہر نکل آئے ہیں۔ میرا تجربہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔" ہیرک نے دبے دبے جوش سے کہا اور زیراس اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس نے چھ گھڑسواروں کو دیکھا تھا جو ہتھیاروں سے لیس اور سفر کی اشیاء کے ہمراہ سست رفتاری سے چلے آ رہے تھے۔ ان کی راہ میں درہ تھا جس کے ایک ٹیلے کے پیچھے یہ دونوں پوشیدہ تھے۔

ہیرک نے دور ہی سے اپنے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا اور زیراس سے بولا۔ "اپنے گھوڑے کو سنبھال کہیں اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل جائے۔ وہ ہماری قریب سے گزریں گے۔"

زیراس نے آگے بڑھ کر اپنے گھوڑے کی گردن پر بھی اس طرح ہاتھ رکھ دیا جس طرح ہیرک نے اپنے گھوڑے کی گردن پر رکھا تھا۔ دونوں گھوڑے خاموشی سے ہلکی ہلکی آوازیں نکالتے رہے ورنہ گھوڑوں کی عادت ہے کہ دوسرے گھوڑوں کو دیکھ کر وہ ضرور ہنہناتے ہیں لیکن اس طرح انہوں نے گھوڑوں کی آوازیں بند کر دی تھیں۔

آنے والے چھ سوار ان کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئے اور رفتہ رفتہ ان کی رفتار تیز ہونے لگی۔ ہیرک خونخوار نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میرے خیال میں اب ہمیں ان کے پیچھے روانہ ہو جانا چاہیے۔" زیراس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہیرک کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی وہ بھی اپنے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا تھا اور دونوں کے گھوڑے آہستہ آہستہ ٹیلے سے نیچے اترنے لگے۔ پھر انہوں نے درے میں آگے کا سفر شروع کر دیا۔

زیراس بالکل خاموش تھا۔ ہیرک نے اندازے کی بنا پر اپنے گھوڑوں کی رفتار سست کر رکھی تھی۔ پھر جب وہ ایک کھلے میدان میں پہنچے تو میدان کے آخری سرے پر انہوں نے ان چھ گھڑسواروں کو دیکھا جن کے گھوڑوں کے قدموں سے اڑنے والی دھول انہیں نہلائے دے رہی تھی۔ ان کی رفتار کافی تیز ہو گئی تھی چنانچہ ہیرک نے بھی اپنے گھوڑے کی پشت پر ہاتھ مارا اور زیراس بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ گھوڑے زقندیں بھرنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد میدان کا یہ حصہ عبور ہو گیا۔ آگے چٹانی علاقہ تھا اور ابھری ہوئی نوکیلی چٹانیں تاحد نگاہ پھیلی ہوئی تھیں۔ یہاں گھوڑے بہت زیادہ برق رفتاری سے نہیں دوڑ سکتے تھے۔ آگے جانے والوں کی بھی یہی کیفیت تھی۔

ہیرک ان پر نگاہیں جمائے اپنے گھوڑے دوڑاتا رہا اور یہ سست رو سفر کئی گھنٹے جاری رہا۔ تب کہیں جا کر یہ چٹانی سلسلہ ختم ہوا اور اس کے بعد پھر ہموار میدان تھا۔ جگہ جگہ چھدرے چھدرے درخت نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں پانی بھی موجود تھا لیکن چونکہ وہ ابھی نہیں رکے تھے، اس لیے ہیرک اور زیراس نے بھی اپنے گھوڑوں کو نہیں روکا اور وہ دونوں آگے سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شام جھک آئی اور پھر وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں چٹانی غار نظر آ رہے تھے۔

جگہ جگہ یہ غار مختلف شکلوں میں موجود تھے۔ کہیں زمین میں، کہیں کسی چٹانی آڑ میں اور شاید ان لوگوں کو کوئی شبہ ہو گیا اور یہاں انہیں یہ اندازہ ہوا کہ کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔

ہیرک کے ساتھ ساتھ زیراس کو بھی پتہ چل گیا کہ آگے جانے والے ان کی

موجودگی سے باخبر ہو گئے ہیں اور اس کا سو فیصد یقین اس وقت ہوا جب کئی سنسناتی ہوئی گولیاں ان کے آس پاس سے نکل گئیں۔

ہیرک نے ایک غراہٹ کے ساتھ اپنے گھوڑے کی نشست چھوڑ دی تھی۔ اس نے پلٹ کر زیراس کو دیکھا تو اس کے حلق سے تحسین آمیز آواز نکل گئی کیونکہ زیراس نے اپنا گھوڑا نہیں چھوڑا تھا۔ البتہ وہ اپنے گھوڑے کے جسم کی آڑ میں تھا اور اس کا گھوڑا برابر دوڑ رہا تھا۔ ہیرک نے بھی اس کی تقلید کی اور اسی طرح دونوں گھوڑے ان گھوڑوں کے قریب ہونے لگے جو آگے جا رہے تھے۔

آگے ایک پہاڑی دیوار نظر آئی تھی۔ آگے کے چھ گھوڑوں نے فوراً ہی یہ دیوار عبور کر لی تھی۔

ہیرک اور زیراس کا گھوڑا جب دیوار کے دوسری طرف پہنچا تو ان دونوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ چھ گھوڑے ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے لیکن ان کے سوار نگاہوں سے اوجھل تھے۔

ہیرک ایک غراہٹ کے ساتھ ایک چٹان کی آڑ میں ہو گیا اور فوراً ہی اس نے اپنے گھوڑے کو بھی چھوڑ دیا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا چھاتا جا رہا تھا۔ چھ گھوڑے نجانے کہاں اتر کر غائب ہو گئے تھے۔ غالباً انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی کی نگاہوں میں آ گئے ہیں اور اب شاید وہ ان چٹانی غاروں میں پوشیدہ ہو کر آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ ہیرک نے زیراس نے کہا۔

"تو عقب کی سمت نگاہ رکھ۔ ہم دونوں کو پشت سے پشت ملا کر رکھنا چاہیے تا کہ اردگرد سے باخبر رہیں۔"

زیراس اس صورتحال سے واقف تھا لیکن اب چاروں طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ رات اب پوری طرح چھا چکی تھی اور اس ویران علاقے میں کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ شاید ان لوگوں نے گھوڑوں کو چھوڑ کر بھاگ جانا مناسب سمجھا تھا یا پھر اپنی جان بچانے کے لیے غاروں میں چھپ گئے تھے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل تھا لیکن ہیرک کے اندر وحشت بیدار ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے غرائی ہوئی آواز

میں کہا۔

"اگر وہ لوگ نکل گئے تو ہم اس وقت کے سب سے بڑے خسارے سے دوچار ہوں گے۔"

"تیرا کیا خیال ہے ہیرک۔ کیا وہ لوگ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے؟"

"اس کا فیصلہ اس وقت کیا جا سکتا ہے جب ہمیں یہ اندازہ ہو جائے کہ نمباسیہ یہاں سے کتنی دور ہے۔" ہیرک نے پرخیال انداز میں کہا اور زیراس بھی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

"میرا اندازہ بھی یہی تھا کہ وہ نمباسیہ کو اس صورتحال سے آگاہ کرنے کے لیے نکلے ہیں۔"

ہیرک نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے بعد دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے۔

پھر آہستہ آہستہ چاند نے سر ابھارا اور پراسرار علاقہ روشن ہونے لگا۔ ہیرک کی نگاہیں دور دور تک بھٹک رہی تھیں۔ دفعتہً ہی اس نے زیراس کا شانہ دبایا اور زیراس کے کیے ہوئے اشارے کی سمت دیکھنے لگا۔ دھندلی چاندنی میں انہوں نے ایک سائے کو اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھا اور پھر چھ کے چھ گھوڑے یکجا ہو گئے تھے اور یہ ساتواں متحرک سایہ یقیناً کسی انسان کا تھا۔

زیراس نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور ہیرک نے آہستہ سے اشارہ کیا چنانچہ زیراس برق رفتاری سے آگے بڑھ گیا تھا۔ ہیرک دونوں گھوڑوں کو سنبھالے رہا تاکہ گھوڑوں کی آوازوں سے وہ ہوشیار نہ ہو جائیں۔

زیراس آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس سائے قریب پہنچ گیا اور اس کے بعد اس نے سائے پر چھلانگ لگا دی تھی۔ زیراس کی گرفت تھی، سایہ اس کے ہاتھوں میں تڑپ کر رہ گیا۔ زیراس کا ہاتھ اس کی گردن پر تھا اور دوسرا ہاتھ عقب سے اسے لپیٹے ہوئے تھا۔ زیراس نے اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ پھر اس کے منہ سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔

"تیرے حلق سے نکلنے والی ہلکی سی آواز تیرے لیے آخری آواز بن جائے گی

ورنہ بالکل خاموش رہ۔"

اس نے اپنی گرفت میں دبے ہوئے آدمی کو گھما کر اپنی طرف کر لیا اور وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے زیراس کو دیکھنے لگا تب زیراس بولا۔

"اور اب تو مجھے یہ بتائے گا کہ یہاں تو کس مقصد کے تحت آیا تھا؟"

"مم............ میں...... میں" اس کے حلق سے آواز نکلی اور زیراس نے اس کی گردن پر انگلیوں کی گرفت سخت کر دی۔ "تیری آواز صرف سرگوشی میں نکلنی چاہیے۔" اس نے کہا۔

"میں یہ گھوڑے اس چٹان تک لے جانے کے لیے آیا تھا جس کے عقب میں میرے ساتھی موجود ہیں۔"

اس نے ایک اونچی چٹان کی جانب اشارہ کیا اور زیراس نے صرف ایک لمحے سوچا پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "تو اب ان گھوڑوں کو لے کر اس چٹان کی جانب بڑھ اور ایک بات اچھی طرح سمجھ لے تو میری بندوق کے نشانے کی زد پر ہے۔ مرنا چاہتا ہے تو دوسری بات ہے میں تجھے روکوں گا نہیں لیکن اگر جینے کا خواہش مند ہے تو خاموشی سے یہ گھوڑے ان کے قریب لے جا۔ کیا تم لوگ یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ ہم صرف یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ تمہاری تعداد کتنی ہے؟" اس نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"اور تم یہ اندازہ لگا چکے ہوں۔" زیراس مسکرایا۔ اس کے شکار نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تب زیراس نے اسے چھوڑ دیا اور بندوق کی نال کا رخ اس کی جانب کر دیا۔

ہیرک کی تیز آنکھیں اس طرف کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں زیراس اپنی کارروائی کر رہا تھا۔ جب وہ شخص گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر چٹان کی طرف چلا تو زیراس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھر ایک مخصوص زاویئے سے وہ ہیرک کی طرف چل پڑا۔ جلد ہی وہ ہیرک کے پاس پہنچ گیا۔

"وہ لوگ اس بڑی چٹان کے عقب میں ہیں۔" زیراس نے آہستہ سے کہا۔

"اور اب فرار ہو رہے ہیں۔"

"ہاں بدحواسی میں انہوں نے گھوڑے بے یارومددگار چھوڑ دیئے تھے۔"

ہیرک نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس نے اپنے گھوڑے کو آہستہ سے چمکارا۔ ان کے ساتھ ہی وہ زیراس سے بولا۔

"اب وہ مارے گئے۔" پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس نے ایک دوسری راہ اختیار کی لیکن جس جگہ وہ رکا یہ اس چٹان کا عقبی حصہ تھا اور دھندلی چاندنی نے پورا منظر پیش کر دیا۔ وہ سب وہاں موجود تھے اور ان کا ساتھی گھوڑے لے کر پہنچ گیا۔ پھر اچانک ہی ہیرک نے ان پر جہنم کھول دیا اس کے ساتھ ہی وہ چیخا۔

"صرف چار مارنے ہیں سب کو ہلاک مت کرنا۔" کئی کراہیں ابھریں ان میں سے دو گھوڑوں پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ زیراس کی بندوق سے صرف دو گولیاں چلی تھیں اور گھوڑوں پر سوار ہونے والے منہ کے بل نیچے آ رہے تھے۔ زیراس نے گھوڑوں کو بھی نشانہ بنایا تھا اور اب دونوں گھوڑے پچھاڑیں کھا رہے تھے۔

ہیرک نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا اور ان کے سروں پر پہنچ گیا جن لوگوں کو اس نے نشانہ بنایا تھا وہ گولیاں کھا کر دم توڑ رہے تھے اور وہ جو گھوڑوں سے گرے تھے، سہمے ہوئے زمین پر پڑے تھے۔ ہیرک کو دیکھ کر ان کی جان نکل گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہاں مکمل خاموشی چھا گئی۔ زندہ بچنے والے چاروں گھوڑے گولیوں کی آواز سے بدک کر دور بھاگ گئے تھے۔ ہیرک زمین پر پڑے دونوں آدمیوں کے سر پر پہنچ گیا۔

"اٹھو" اس کی سرد آواز ابھری اور وہ دونوں گرتے پڑتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلو آگے بڑھو" اس نے پھر کہا اور اپنا گھوڑا ان پر چڑھا دیا۔ دونوں دہشت زدہ ہو کر سرپٹ دوڑنے لگے۔ ہیرک انہیں ایک صاف ستھری جگہ لے آیا اور پھر وہ گھوڑے سے اتر گیا۔ ان سے قریب جا کر اس نے ان کی تلاشی کی اور دو لمبے چاقو نکال کر ایک طرف اچھال دیئے۔ ان کے بقیہ ہتھیار گر چکے تھے۔

"کہاں جا رہے تھے؟" اس نے سوال کیا۔

"سس.........سولیہ.........بب.........بستی۔"

"کیوں؟"

"وہاں ہمیں کام تھا۔"

"کیا کام تھا؟"

"ہمیں وہاں سے سامان خریدنا تھا، ہم تاجر ہیں۔" ایک ہی شخص جواب دے رہا تھا۔

"آگے آؤ۔" ہیرک نے حکم دیا اور وہ شخص آگے بڑھ آیا۔

"میری آنکھوں میں دیکھو۔" ہیرک بولا اور اس شخص نے دہشت بھری نظروں سے ہیرک کو دیکھا۔

"کہاں جا رہے تھے؟"

"گل خارا بستی۔" خوف کے عالم میں وہ پہلے بتایا ہوا نام بھول گیا اور دوسرے لمحے ہیرک کے داہنے ہاتھ کی انگلی سیدھی ہوئی اور سامنے کھڑے ہوئے شخص کی آنکھ میں گھس گئی۔ اس کی دلدوز چیخیں پہاڑوں میں گونجیں اور وہ ایک آنکھ پر ہاتھ رکھ کر نیچے گر پڑا۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

"میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولنے کا انجام دیکھا۔" ہیرک نے دوسرے کانپتے شخص سے کہا اور پھر سرد لہجے میں اس سے بولا۔ "آگے آؤ۔"

"رحم ہیرک، رحم۔ مجھے معاف کر دے۔" دوسرے آدمی نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"آگے آؤ۔" ہیرک گرجا اور وہ جلدی سے آگے بڑھ آیا۔

"میری آنکھوں میں دیکھو۔" ہیرک نے کہا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے ہیرک کا چہرہ دیکھا تھا۔

زیراس دلچسپی سے ہیرک کی حرکات دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ شخص واقعی چالاک ہے۔ اس حالت میں تو کوئی پاگل بھی جھوٹ نہیں بول سکتا کیونکہ وہ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ چکا تھا جواب بھی موت اور زیست کی کشمکش کا شکار تھا۔

"نمباسیہ کہاں ہے؟"

"وادی بردانہ میں۔"

"تم اسے ہیرک کی اطلاع دینے جا رہے تھے؟"

"ہاں!"

"وادی میں وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"کیا وہ اسی وادی میں رہتا ہے؟"

"ہاں۔"

"کتنے لوگ اس کے ساتھ رہتے ہیں؟"

"تقریباً تیس۔"

"بستی میں وہ کیا کرتا ہے؟"

"بہت عرصے تک نہیں آتا۔ بس اس کے آدمی آتے رہتے ہیں۔"

"وادی بردانہ کہاں ہے؟"

"یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا اور ہیرک نے اچانک بندوق کا رخ بدل کر زمین پر گرے ہوئے شخص پر گولی چلا دی۔ اس کا جسم اکڑا، حلق سے آخری آواز نکلی اور پھر وہ ڈھیلا پڑ گیا۔

"نمباسیہ کتا وادی بردانہ میں ہے اور اس کے ساتھ تیس افراد ہیں۔ تیس افراد.........ہمیں زیادہ ہتھیاروں کی ضرورت پیش آئے گی لیکن فکر نہیں ان لوگوں نے ہمارے لیے بہت چھوڑا ہے......بہت کچھ۔ آؤ اسے سمیٹ لیں۔ ہمارے کام آئے گا۔"

جو لوگ مر چکے تھے ان کی رائفلیں اب بے کار پڑی تھیں۔ ہیرک نے ایک بندوق اٹھائی اور زیراس کی طرف بڑھا کر بولا۔ "دیکھو زیراس.......... یہ ذی آنا کی ساخت نہیں ہے۔" زیراس نے بندوق دیکھی جو زیادہ کارآمد تھی۔

"ہاں یہ ذی آنا کی بنی ہوئی نہیں ہے۔"

"دشمن ان کے پشت پناہ ہیں۔ ان کی آبادیاں بھی بہت وسعت میں پھیلی

ہوئی ہیں اور وہ ذی آنا کے بارے میں کہانیاں سن سن کر یہاں آتے ہیں لیکن..........."

ضروری ہتھیار جمع کر لیے گئے۔ ہیرک نے اس آدمی سے کہا۔"اب تو ایک گھوڑے کو تلاش کر۔ تو ہمیں وادی بردانہ لے جائے گا اور یہ بھی سن اگر تجھے زندگی عزیز ہے تو اب تجھے ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔"

"کچھ کہنا چاہتا ہوں ہیرک۔" اس نے شخص نے پہلی بار کہا۔

"ضرور، ضرور۔"

"میں جینا چاہتا ہوں اور تیرے بارے میں ایک بات سنی ہے۔"

"کیا؟"

"تو سچ بولتا ہے اور سچے وعدے کرتا ہے۔"

"ہاں۔ میں سچ بولتا ہوں اور سچے وعدے کرتا ہوں۔"

"اگر تو مجھے زندگی دے دے تو میں ہر طرح تیری غلامی کروں گا۔ بس ایک بار تو وعدہ کر لے۔"

"یہ وعدہ میں تنہا نہیں کر سکتا۔ اگر میرا دوست تجھ سے وعدہ کر لے تو ٹھیک ہے وہ میرا وعدہ ہوگا۔"

"ہاں اگر یہ ہمارے ساتھ کام کرے تو ہم اس کی زندگی نہ لیں گے۔" زیراس نے کہا اور ہیرک مسکرا دیا۔

"اب ہم دونوں میں سے کسی کی گولی تیرے جسم میں پیوست نہ ہوگی۔"

سفر کے لیے دن کا انتظار نہ کیا گیا اور ان کے گھوڑے وادی بردانہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں اس شخص نے دوسرے بہت سے انکشاف بھی کیے تھے۔

زیراس کو ان تمام معاملات سے کافی دلچسپی ہوگئی تھی۔ بس روتھن کا خیال اسے بے چین کر دیتا تھا۔

چاند کے ساتھ سفر جاری رہا اور پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں زمین ختم ہو جاتی تھی۔ نیچے ڈھلان پھیلے ہوئے تھے جن میں رسوں کی سیڑھیاں لٹکی ہوئی تھیں۔

ڈھلانوں سے اوپر آنے کا راستہ ان رسوں کی سیڑھیوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا اور اس

سایہ نما وادی میں مدھم روشنیوں کی ایک بستی آباد تھی جو رات کے اس آخری پہر میں غفلت کی نیند سوئی ہوئی تھی۔

ہیرک کے حلق سے قلقاریاں نکل رہی تھیں۔ اس نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔"زندگی سے ان سب کا رابطہ منقطع کرنے سے پہلے ان بلندیوں سے ان کا رابطہ منقطع کر دیا جائے۔ تیرا کیا خیال ہے؟"

زیراس بھی گردن ہلاتا ہوا گھوڑے سے اتر گیا تھا۔

ہیرک کی خونی آنکھیں سوئی ہوئی بستی کا جائزہ لے رہی تھیں اور زیراس کو اس کی آنکھوں میں ایسی ہی چمک نظر آ رہی تھی جیسے کوئی بھوکا شیر سامنے چرتے ہوئے بے خبر شکار کا جائزہ لیتا ہے۔ پھر اس نے کمر سے خنجر کھینچتے ہوئے کہا۔

"دوست! رسیوں کی ان سیڑھیوں کو کاٹ کر ہم ان کے اوپر آنے کا راستہ بند کیے دیتے ہیں۔ انہوں نے چالاکی سے کام لے کر خود کو یہاں محفوظ کیا ہے لیکن ان کی یہی چالاکی ان کے لیے موت بن رہی ہے۔" پھر اس نے اپنی کلہاڑی قیدی کو دیتے ہوئے کہا۔

"تو بھی ہماری مدد کر اور خبردار ذرا بھی آواز نہ پیدا ہو۔ اگر رسی کی سیڑھی کاٹتے ہوئے کوئی ہلکی سی آواز بھی تیری کلہاڑی سے پیدا ہوئی تو دوسری آواز تیرے حلق میں پیوست ہونے والی گولی کی ہوگی۔ سمجھ گیا نا اچھی طرح؟"

ہیرک کے لہجے کی غراہٹیں تو ہر شخص ہی اچھی طرح سمجھ جاتا تھا۔ اس شخص نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلائی اور ہیرک کے ہاتھ سے کلہاڑی لے لی۔ ہیرک نے مسکراتی نگاہوں سے زیراس کو دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ موٹے رسوں سے بنی ہوئی سیڑھیاں جو بیک وقت کئی کئی افراد کا بوجھ سنبھال سکتی تھیں۔ اوپر لگی ہوئی میخوں سے لگی ہوئی تھیں ان میخوں کے پاس سے ان رسیوں کو کاٹا جانے لگا۔

زیراس نے بھی اس کے لیے اپنا کلہاڑا ہی استعمال کیا۔ پھر اس نے ہیرک کو دیکھا جو ایک رسی کی سیڑھی کو اوپر کھینچ رہا تھا۔ زیراس چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

خوابوں میں ڈوبی ہوئی بستی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس وقت اس کی موت کا سامان ہو رہا ہے۔ ویسے زیراس کے خیال کے مطابق نمباسیہ نامی شخص جو کوئی بھی تھا عقل مند نہیں تھا۔ اس نے اس وادی کا انتخاب کر کے خود اپنے پیروں پر کلہاڑا مار لیا تھا۔ یہ وادی تو موت کی وادی تھی جہاں زندگی کے لیے کوئی جدوجہد ہی نہ کی جا سکے۔ یہ تو ایک بالکل بے کار شے تھی جس کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ ہیرک خواہ مخواہ اپنی توانائیاں ایک بیکار مجہول بستی پر صرف کر رہا تھا۔

موٹے رسوں کی سیڑھیاں چاروں طرف ہی لٹکا دی گئیں تھیں اور یقیناً وہ لوگ ان کے ذریعے اوپر آنے جانے کی مشق رکھتے ہوں گے۔ ورنہ ان ناقابل عبور ڈھلانوں کو سیڑھیوں کے ذریعے عبور کرنا بھی خاصا مشکل کام تھا۔

ہیرک اپنے کام میں مصروف رہا۔ زیراس اور قیدی اپنا اپنا کام نہایت احتیاط سے کر رہے تھے۔ ہیرک نے نیچے سے کھینچی ہوئی ایک سیڑھی کا انبار اپنے سامنے لگا لیا اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دوسری ان سیڑھیوں کی جانب متوجہ ہو گیا جنہیں اس نے کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ اس کام میں کافی وقت صرف ہو گیا اور پھر رسی کی آخری سیڑھی بھی کاٹ دی گئی۔

صبح کی روشنی آہستہ آہستہ پھوٹتی جا رہی تھی اور بستی روشن ہونے لگی تھی۔ ہیرک نے زیراس کے قریب پہنچ کر کہا۔

''دوست! ہر چند کہ اس شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ غداری کر سکے اور نمباسیہ کو اس صورتحال سے آگاہ کر سکے۔ اس کے باوجود کیا اسے اس کام پر مامور کیا جا سکتا ہے کہ یہ نمباسیہ کے خلاف گولیاں چلائے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے اگر یہ ایسا نہ کرے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟''

''میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ یا تو ہم اسے گولی مار کر ہلاک کر دیں یا پھر اسے وادی میں اتار دیا جائے تا کہ یہ نمباسیہ کو اطلاع دے۔''

''نہیں......... ظاہر ہے وادی میں اترنے کے بعد اس کی زندگی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ نمباسیہ اس نشاندہی کے جرم میں اسے ہلاک کر دے گا اور جہاں تک خود اسے

گولی مارنے کا تعلق ہے۔ میرے خیال میں یہ بدعہدی ہو گی تاہم اس سلسلے میں تو اگر کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو میں تجھے روکوں گا نہیں۔''

ہیرک کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ پھر اس نے اس شخص کو اشارے سے اپنے قریب بلایا اور سرد لہجے میں بولا۔

''نمباسیہ کے غلام آنے والے وقت کے بارے میں تو نے کوئی اندازہ لگایا؟''

''نہیں عظیم ہیرک۔ میں اتنا ذہین نہیں ہوں۔''

''تو پھر سن، یہ پیالہ نما وادی نمباسیہ کا قبرستان ہے اور یہاں جتنے لوگ موجود ہیں ان کے لیے موت مقدر کر دی گئی ہے۔ کیا انہیں موت کی آغوش میں پہنچانے کے لیے ہمارا ساتھ دے گا؟'' وہ شخص لرز گیا اس نے آہستہ سے کہا۔

''لیکن............''

''یہی فیصلہ میں اور میرا ساتھی کر رہے تھے کہ تیرا ہلاک کر دینا مناسب ہوگا کیونکہ ایسے لمحات میں تو ہمارے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔'' وہ شخص زمین پر گر پڑا اور رو رو کر اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

''عظیم ہیرک! زندگی سے تو میرا رشتہ کب کا ٹوٹ چکا ہے۔ میں بے شک نمباسیہ کا غلام نہیں رہ سکا۔ اب تک جو کرتا رہا ہوں اگر اس کی خبر نمباسیہ کو مل جائے تو تیرا کیا خیال ہے وہ مجھے زندہ چھوڑ دے گا اگر تو تسلیم کرے تو اس معاملے میں، میں تیرا ہی ساتھ دینا چاہتا ہوں تا کہ میری زندگی محفوظ رہے۔''

''اور اگر تو نے غداری کی تو؟''

''عظیم ہیرک سے غداری کر کے میں جانتا ہوں کہ زندہ نہ رہ سکوں گا جبکہ زندگی کی خواہش کا اظہار میں بار بار کر چکا ہوں۔''

''تو پھر سن، تو وہ گوشہ سنبھال لے۔'' ہیرک نے ایک سمت انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر بولا۔ ''اور جب میں اور میرا ساتھی اپنے کام کا آغاز کریں تو تیرا بھی فرض ہو گا کہ وادی میں دوڑنے والوں کو گولیوں کا نشانہ بنائے۔''

''ہیرک کی خواہش پر میں یہ کام انجام دوں گا۔''

ہیرک نے اسے ہتھیار سونپ دیئے۔ غالباً وہ جھوٹ اور سچ کی پہچان رکھتا تھا اور پھر دلائل کی رو سے بھی اس شخص کا کہنا درست تھا۔ اگر وہ وادی والوں کو بچانے کی کوشش کرے گا تو ہیرک نہ سہی زیراس کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

زیراس نے بھی ایک جگہ سنبھال لی تھی۔ ہیرک نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

سورج مشرقی پہاڑیوں سے آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا اور بستی میں زندگی کے آثار پھیل گئے۔ پھر ہیرک کی رائفل نے پہلی گولی چلائی اور نیچے بستی والوں میں سنسنی پھیل گئی وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اوپر دیکھنے لگے اور پھر ان کی نگاہیں ہیبت ناک ہیرک پر جا پڑیں۔ تبھی ہیرک کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

''نمباسیہ کے کتو! سب سے پہلے تم نمباسیہ کو سامنے لاؤ۔ اس سے کہو ہیرک اس سے ملاقات کرنے لیے آیا ہے اور سنو اس کام میں لمحہ بھر دیر نہ ہو۔ وقت گزرا تو موت اس طرح تمہارا استقبال کرے گی۔'' یہ کہہ کر ہیرک نے ایک اور فائر کیا اور نیچے کھڑے ہوئے حیران لوگوں میں سے ایک شخص کی چیخ بلند ہوئی۔ اس کی پیشانی سے خون کا فوارہ بلند ہو گیا تھا اور وہ زمین پر اوندھے گر کر تڑپنے لگا تھا۔

بستی میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور لوگ ادھر ادھر منہ اٹھا کر بھاگنے لگے تھے۔ ہیرک نے دو فائر اور کیے، اور مزید دو آدمی ہلاک ہو گئے۔ وہ اپنی رائفل کی ایک بھی گولی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چند لمحات کے لیے وہ سب نگاہوں سے روپوش ہو گئے تھے۔ ہیرک کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی اور زیراس خاموشی سے بستی والوں کی کاروائی دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک اوسط درجے کے قد وقامت کا شخص باہر نکل آیا۔ دو آدمی اسے سہارا دیئے ہوئے تھے۔ ویسے وہ تو بیمار نظر آتا تھا نہ اپاہج تھا۔ غالباً ہیرک کا نام سن کر اس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ ہیرک نے اسے دیکھ کر ایک گرجدار قہقہہ لگایا۔

''آہ نمباسیہ! میرے دیرینہ دوست میں تیرے سامنے ہوں۔ پہچان مجھے، بڑی عیش وعشرت زندگی گزارتا رہا ہے تو اور مجھے دیکھ میں نے اپنی آدھی زندگی پہاڑی

ویرانوں میں بھٹکتے ہوئے گزار دی ہے۔ کیا خیال ہے جینا چاہتا ہے یا زندگی کی خواہش تمام ہوئی؟''

سامنے کھڑے ہوئے آدمی کے حلق سے دیر تک آواز نہ نکل سکی۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ہیرک! تو کیا چاہتا ہے؟''

''جیراس کہاں ہے؟'' ہیرک نے سوال کیا۔

''میں نہیں جانتا۔'' نمباسیہ نے کہا اور ہیرک کی رائفل سے پھر کئی گولیاں نکلیں اور وہ دونوں آدمی ہلاک ہو گئے جو نیچے کھڑے ہوئے نمباسیہ کو سنبھالے ہوئے تھے۔ نمباسیہ کے جسم کی تھرتھری اتنی بلندی سے بھی صاف محسوس کی جا سکتی تھی ہیرک پھر غرایا۔

''نمباسیہ کتے! تو جانتا ہے کہ میں کسی بھی قیمت پر جیراس کو نہیں چھوڑوں گا۔ بہت عرصے عیش کر لی تم لوگوں نے اب موت کا مزا چکھو۔''

گولیوں کی مسلسل آوازیں سن کر نیچے بستی میں موجود لوگوں پر دہشت سوار ہو گئی تھی۔ وہ شاید سڑھیوں کی تلاش میں بھاگے اور اس کے بعد چیخیں بلند ہونے لگیں۔ انہیں اب اندازہ ہوا تھا کہ ان کے اوپر جانے کے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ وہ دہشت زدہ انداز میں ادھر ادھر دوڑنے لگے اور ہیرک شعلہ بار نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر اس کے حلق سے ایک قہقہہ بلند ہوا۔

''دیکھ لے نمباسیہ! یہ وادی تیرا قبرستان بن گئی۔ یہاں تو نے اپنے آپ کو بہت محفوظ سمجھا ہو گا لیکن اب تیرا آخری وقت آ گیا ہے اگر اب بھی جیراس کی نشاندہی کر دے تو تجھے یہ زندگی بخشی جا سکتی ہے۔''

''آہ۔ تم نے سیڑھیاں کاٹ دیں ہیرک!'' نمباسیہ کراہا۔

''ہاں۔ میں زندگی کی طرف جانے والے ہر راستے کو بند کر چکا ہوں تیرے لیے نمباسیہ۔ بتا جیراس کہاں ہے؟''

''اگر میں تجھے یہ بتا بھی دوں تو، تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''ہو سکتا ہے نمباسیہ کہ میں خوش ہو کر تجھے زندہ چھوڑ ہی دوں لیکن مجھ پر کوئی

شرط عائد نہ کر، بتا جیراس کہاں ہے؟"

"میں تیرے پاس اوپر آنا چاہتا ہوں۔" نمبا سیہ نے کہا۔

"اس کے لیے میں نے انتظام کر رکھا ہے۔ پہلے اپنے آپ کو غیر مسلح کر دے اس کے بعد میں تجھے اوپر آنے کی اجازت دوں گا۔"

"میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" نمبا سیہ نے کہا۔

ہیرک چند لمحے سوچتا رہا اور پھر اس نے وہ سیڑھی جو خاص طور سے اٹھالی گئی تھی دوبارہ نیچے پھینک دی۔ بہت سے لوگوں نے سیڑھی گرتی دیکھ کر اس کی طرف دوڑنے کی کوشش کی تھی لیکن ہیرک کے ساتھ ہی زیراس کی رائفل سے بھی کچھ گولیاں نکلیں اور ان میں دو تین نیچے گر پڑے باقی پلٹ کر پیچھے بھاگ گئے۔

نمبا سیہ لرزتے قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور پھر وہ سیڑھی چڑھتا ہوا اوپر آنے لگا۔ ہیرک اس سیڑھی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ جوں ہی نمبا سیہ اوپر آیا، ہیرک نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اوپر گھسیٹ لیا اور پھر اس کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔ درحقیقت نمبا سیہ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا لیکن وہ وحشت زدہ نگاہوں سے ہیرک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے حلق سے حیرت زدہ آواز نکلی۔

"ہیرک! یقیناً تو ہیرک ہی ہے لیکن ویسے کا ویسا، میں نے تو تیرے بارے میں بڑی کہانیاں سنی تھیں۔"

"وہ ساری کہانیاں ختم ہوگئی ہیں۔ جیراس کہاں ہے؟"

"دیکھ ہیرک! جیراس جہاں بھی ہے بے حد محفوظ ہے۔ تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا لیکن اگر تو مجھ سے اس کے بارے میں سوال نہ کرے تو بہتر ہے کیونکہ میں مارا جاؤں گا۔"

ہیرک نے خونی نگاہوں سے نمبا سیہ کو دیکھا اور پھر انتہائی نفرت بھرے انداز میں بولا۔ "نمبا سیہ تو ہیرک کے سامنے ہے۔ بہتر ہے اپنی زبان کھول دے ورنہ جیراس تو مجھے مل ہی جائے گا۔ میں اپنی وحشتوں کو آواز نہیں دینا چاہتا۔ اس سے پہلے کہ میں تیرے ساتھ کوئی برا سلوک کروں، مجھے بتادے جیراس کہاں ہے؟"

"وہ گل خارا میں ہے۔ وادی گل خارا اس کا مسکن ہے مگر اس وادی میں تو داخل نہیں ہو سکے گا وہاں دشمنوں نے اپنے لیے بہت کچھ کر رکھا ہے۔"

"ہاں، ہاں، بے شک، یقیناً انہوں نے اپنے لیے بہت کچھ کر رکھا ہوگا۔" ہیرک نے عجیب سے انداز میں کہا۔

زیراس کی رائفل سے چند گولیاں پھر نکلیں۔ وہ ان لوگوں پر گولیاں چلا رہا تھا جنہوں نے ایک بار پھر موقع پا کر اس واحد رسی کی سیڑھی کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ ہیرک کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

"ہاں۔ نمبا سیہ! مجھے جیراس کی کہانی سنا۔ یہ ساری کہانیاں تو مجھے سنا دے۔ بہت عرصے تک میں ان کہانیوں سے دور رہا ہوں۔ جیراس دشمنوں کے لیے کیا کرتا ہے؟"

"آہ۔ کیا میری زندگی اپنے آخری مراحل تک پہنچ چکی ہے؟ کیسے زبان کھولوں ان کے بارے میں؟ وہ.......... وہ سب کچھ جانتے ہیں وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اور میں تجھے ایک لمحہ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھ سے بچ کر تو زندگی بچا بھی سکتا ہے لیکن اگر میرے ہی ہاتھوں تو موت کا شکار ہو جائے تو؟"

"نہیں نہیں۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ موت کے بعد تو انسان کے لیے کچھ بھی نہیں رہ جاتا اس دنیا میں۔ سن جیراس وادی گل خارا میں ہی ہے، میں نے غلط نہیں کہا۔ ساحر گل خارا میں کچھ کر رہے ہیں۔ کیا؟ یہ میں نہیں جانتا لیکن جیراس اس کے ساتھ ہے اور اس نے تجھے بھی پیشکش کی تھی ہیرک لیکن تو نے ان کی ہم نشینی قبول نہ کی۔ جیراس کو دیکھ، عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"بستی تو تیری بھی بہت ترقی یافتہ ہوگئی ہے نمبا سیہ۔"

"ہاں ساحر ہمیں دنیا کی ہر شے مہیا کرتے ہیں۔ دیکھ ہیرک میں ایک بار پھر تجھے پیشکش کرتا ہوں۔ ساحروں کی ہم نشینی قبول کر لے۔ میں وعدہ کرتا ہوں تجھے ایک بہت بڑا باعزت مقام دلاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' اچھا یہ بتا تو یہاں اس بستی میں کیا کر رہا ہے؟ خبردار اگر جھوٹ بولا تو میں اس خنجر کی نوک سے تیرا یہ نرخرہ کاٹ دوں گا۔" ہیرک نے اپنا خنجر نمباسیہ کی گردن پر رکھ دیا اور نمباسیہ خوف سے تھوک نگلنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"میں ساحروں کے لیے روحوں کا کھیل رچاتا ہوں۔"

"تو مشینوں کے ذریعے یہاں روحوں کا چکر چلائے ہوئے ہے۔ بستی شالہ میں بھی ایسی ہی مشینیں لے جائی جاتی ہیں۔ ان سے رقص و موسیقی کی آوازیں نشر ہوتی ہیں اور پھر ان آوازوں پر جو بھی اس طرف آتا ہے اسے اغوا کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔"

"ان مشینوں میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں ہیرک۔ یہ ساحر مشینی جادوگر ہیں۔"

"ہوں، وہ مشینیں کہاں ہیں؟"

"ان میں سے چند نیچے وادی میں موجود ہیں اور باقی سب مختلف جگہوں پر لگا دی گئی ہیں۔ ہم لوگ ان مشینوں کے استعمال کا طریقہ سیکھ چکے ہیں ساحر ہم سے ہی یہ کام لیتے ہیں۔"

"جب تو جیراس مکمل طور پر ساحروں کے لیے کام کر رہا ہے لیکن میرے عزیز' میرے دوست ساحر یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"کیا یہ بات اتنی آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے ہیرک؟ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ انہوں نے ہمیں زندگی کی ہر شے فراہم کر دی ہے اور ہم ان کی غلامی کر رہے ہیں۔"

"اور تو یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ ساحر ذی آنا کے دشمن ہیں، اس لیے ہم انہیں دشمن کہتے ہیں۔"

"ذی آنا میں تو بہت سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں اگر ساحر ذی آنا سے کوئی دشمنی کر رہے ہیں تو ہم لوگ ذی آنا کو کیسے بچا سکتے ہیں؟"

"تجھ جیسے غدار ہی ذی آنا کے لیے موت کے پیامبر بن جاتے ہیں۔ خیر جیراس کو بھی دیکھ لوں گا میں اچھی طرح سے اور اب تیرا وقت ختم ہو گیا، جا واپس اپنی بستی میں چلا جا۔" ہیرک نے اچانک ہی پلٹ کر ایک زوردار لات نمباسیہ کے سینے پر رسید کی

تھی اور نمباسیہ زمین سے کئی فٹ اونچا اچھل گیا اور چونکہ وہ وادی کے کنارے پر تھا۔ اس لیے کنارے سے اچھل کر وہ وادی کی گہرائی میں جانے لگا۔ اس کے حلق سے ہولناک کراہیں نکل رہی تھیں۔ وہ چیختا ہوا نیچے جا رہا تھا اور اس کے بعد وہ وادی کی گہرائیوں میں ایک چٹان پر گر پڑا اس کا جسم پاش پاش ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہیرک نے پلٹ کر وادی کی بستی پر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ اس نے اس شخص کو بھی اشارہ کیا تھا جو اس وقت ان دونوں کا ساتھی بنا ہوا تھا۔

زیراس نے بھی بحالت مجبوری بندوق کا استعمال کیا تھا۔ نیچے نہتے لوگ جان بچانے کے لیے بھاگے پھر رہے تھے لیکن ہیرک جتنا وحشی تھا اس کے تحت زیراس جانتا تھا کہ وہ ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وادی میں لاشیں ہی لاشیں نظر آنے لگیں اور اس کے بعد کوئی آواز باقی نہ رہی۔

ہیرک آسودہ نگاہوں سے زمین پر بکھری ہوئی لاشوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور اب اگر ان میں سے کوئی زندہ بھی بچ گیا تو وہ دوبارہ وادی کی بلندیوں تک نہیں پہنچ جائے گا۔" اس نے خنجر سے اس آخری سیڑھی کے بعد بھی بند کاٹ دیئے اور سیڑھی نیچے جا گری۔ اس کے بعد اس نے زیراس کو اشارہ کیا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔

خوفزدہ آدمی جوان کا ساتھ دیتا رہا تھا ان کے ساتھ ساتھ ہی آگے بڑھتا رہا۔

تھوڑے فاصلے پر پہنچنے کے بعد ہیرک رک گیا وہ شخص اور زیراس ہیرک کے پاس ہی تھے۔ تب ہیرک نے اس شخص کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سن نمباسیہ کے غلام تو نے دیکھ لیا کہ نمباسیہ مر چکا ہے اور اگر تو یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ جیراس کس طرح مرتا ہے تو ہمارا ساتھ دے اور اگر یہ سب کچھ دیکھنا تیرے لیے ممکن نہ ہو تو جا۔ چونکہ تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے زندگی کا لیکن اس بات کو ذہن نشین کر لے کہ اگر تو نے غداری کی اور ان واقعات سے کسی کو باخبر کیا تو ہیرک تجھے زمین کی گہرائیوں میں سے بھی نکال لے گا اور تو جانتا ہے کہ ہیرک جھوٹ نہیں بولتا، وہ جو کہتا ہے کر دکھاتا ہے۔ چنانچہ تیرے حق میں یہ بہتر ہے کہ صرف وہاں جا جہاں تجھے زندگی مل

سکے لیکن اگر موت کی جانب جانا چاہتا ہے تو جہاں تیرا دل چاہے چلا جا۔ زندگی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنی زبان بند رکھ۔"

"عظیم ہیرک اگر اس بات پر یقین کرنا چاہتا ہے تو ضرور کرے گا کہ میں اپنی زبان نہیں کھولوں گا کیونکہ میں کتے کی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

"تو پھر بھاگ جا تیرا گھوڑا تیرے ساتھ ہے۔" ہیرک نے کہا اور وہ شخص ڈرتے ڈرتے اپنے گھوڑے کی جانب بڑھنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے سوچ رہا ہو کہ ابھی عقب سے کوئی گولی آئے گی اور اس کا جسم نیچے گر پڑے گا لیکن کافی فاصلے پر نکل گیا تو پھر دفعتہً ہی اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ہیرک کے حلق سے ایک قہقہہ نکل گیا تھا۔

زیراس خاموشی سے ہیرک کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ تب ہیرک نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں جیراس کا پتہ مل گیا اور تو نے یہ بھی سنا کہ ساحر اس علاقے میں کچھ کر رہے ہیں۔ تو کیا ذی آنا کو ان کے بدنما چہرے والوں سے بچانا ہماری ذمے داری نہیں ہے؟"

"ہے۔" زیراس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"تو اس کے بعد بھلا اس بات کی کہاں گنجائش ہے کہ ہم اپنی بستیوں کی جانب واپس جائیں۔ چلو ہمیں وادی گل خارا کی طرف سفر کرنا ہے۔"

زیراس نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔



یہ رہائش گاہ بھی چٹانوں میں بنی ہوئی تھی لیکن روتھن کو وہاں ضروریات زندگی کی ایسی ایسی چیزیں نظر آئیں کہ روتھن کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ان چیزوں کو دیکھ کر روتھن نے سوچا کہ معاملہ بہت آگے کا ہے۔ بہر حال ان لوگوں کے خیال کے مطابق وہ ایک معصوم آدمی تھا اور روتھن خود کو یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

سیلان نے اسے یہاں تمام سہولتیں مہیا کر دی تھیں۔ کھانے کے لیے پھل اور دودھ مل جاتا تھا، گوشت یا کوئی پکی ہوئی چیز دستیاب نہ تھی۔ اس کے اطراف میں لوگ نظر آتے تھے لیکن سب کے سب وہی' ہر شخص خود کو جانور سمجھتا تھا اور جانوروں کی سی حرکتیں کرتا نظر آتا تھا۔

تین دن کے بعد سیلان کے پاس طلبی ہوئی۔ ایک سارس نے اسے اشاروں سے سیلان کے پاس چلنے کے لیے کہا تھا۔ پتھر کا انسان اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"تیرے ارادے میں کوئی تبدیلی تو نہیں ہوئی نوجوان؟"

"مقدس سیلان! جب سے تو نے مجھے ان لوگوں کی درد بھری کہانی سنائی ہے میں شدت غم سے دیوانہ ہو رہا ہوں۔ اب اس وقت تک میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا جب تک سیمون کا خون نہ پی جاؤں۔ مجھے اس کی اجازت دے سیلان۔"

"ہاں۔ میں نے تجھے اجازت دینے کے لیے ہی بلایا ہے روتھن جانباز اور جو کچھ تجھے بتا رہا ہوں غور سے سن۔ میں نے تیری رہنمائی کے لیے چیتانہ کا انتخاب کیا ہے۔ وہ تجھے ایک وادی تک لے جائے گی جہاں نمبا سیہ رہتا ہے اور نمبا سیہ تیرا مددگار رہو گا، وہ تجھے ایسے لوگ دے گا جو تیرے مددگار ہوں گے۔"

''چیستانہ کون ہے؟''

''تو جلد اس سے مل لے گا لیکن ہوشیار رہنا، وہ بہت چالاک ہے۔''

''اطمینان رکھ سیلان، میرا نام بھی روتھن ہے۔''

''اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ تو نمباسیہ سے پورا پورا تعاون کرے۔ نمباسیہ تمہیں سیمون کے بارے میں جو ہدایات دے گا وہ تمہارے لیے بے حد کارآمد ہوں گی۔''

''مقدس سیلان نے جو کچھ کہا میں نے اسے بغور سنا۔ بے شک نمباسیہ کے بغیر سیمون کے خلاف کچھ کرنا میرے لیے ممکن نہ ہوگا اور میں اس سے بھرپور تعاون کروں گا لیکن مجھے نمباسیہ تک پہنچانے کا معقول بندوبست ضرور کیا جائے۔'' روتھن نے کہا۔

''اس کی تم بالکل فکر مت کرو چیستانہ تمہارے لیے بہترین رہبر ثابت ہوگی۔''

تھوڑی ہی دیر کے بعد سیلان کے پاس تین افراد پہنچ گئے اور انہوں نے اپنی گردنیں خم کر دیں۔

''چیستانہ تیار ہے؟'' سیلان نے سوال کیا۔

''ہاں پتھر کے دیوتا وہ تیار ہے۔''

''تو پھر نوجوان تو اپنے راستے پر جانے کے لیے تیار ہو جا۔ میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔'' سیلان نے بھاری لہجے میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

روتھن مستعدی سے ان تینوں کے ساتھ باہر نکل آیا تھا اور وہ تینوں اسے لیے ہوئے بالآخر اس آبادی کے انتہائی سرے پر پہنچ گئے اور وہاں پہنچنے کے بعد جو راہبر روتھن کے سامنے لایا گیا اسے دیکھ کر روتھن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

چیستانہ وہی لڑکی تھی جسے اس نے ان آبادیوں میں داخل ہونے کے بعد پہلی بار دیکھا تھا۔ یعنی وہ جو بلی کا روپ رکھتی تھی اور روتھن کے لیے ایک حیرت انگیز چیز تھی۔

حسین لڑکی نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا تھا ورنہ دیکھنے میں وہ بہت خوبصورت اور نوجوان تھی تاہم روتھن کو اس قسم کی لڑکیاں متاثر نہیں کرتی تھیں۔ وہ اس وقت بھی اسی حلیے میں تھی اور روتھن دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ایک ایسی ہمسفر کے ساتھ اسے طویل سفر طے کرنا

پڑے گا جو عادتاً انسان نہیں ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا۔ مقصد تو ان آبادیوں تک پہنچنا ہے جہاں پہنچنے کے بعد مزید پیش رفت کی جا سکتی ہے۔

روتھن کے ذہن کے مطابق سیلان جہنم میں جائے، سیمون دریا میں غرق ہو جائے، اسے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ ہاں اگر کوئی الجھن تھی اس کے ذہن میں تو صرف زیرا اس کے سلسلے میں جو ایک بار پھر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

چیستانہ نے زمین پر دونوں پاؤں بلیوں کی طرح مارے۔ روتھن کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ گئی جیسے کہنا چاہتی ہو کہ وہ اس کے ساتھ آئے۔ روتھن ایک گہری سانس لے کر لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ ویسے اسے تعجب تھا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز ساتھ نہیں لی گئی تھی۔ طویل سفر کیا یوں ہی کٹ سکتا ہے۔

لیکن اس کا یہ خیال تھوڑی ہی دیر کے بعد غلط ثابت ہو گیا۔ بستی کی ایک چٹان کے پاس پہنچ کر چیستانہ رک گئی۔ بلی کی طرح غرائی اور اس نے چٹان کی جانب اشارہ کیا۔ تب روتھن کی نگاہیں چٹان کے ایک رخنے کی جانب اٹھ گئیں جہاں بہت سا سامان رکھا ہوا تھا۔ پینے کے لیے پانی کے برتن جو خاصے وزنی تھے، اس کے ساتھ ہی خشک کیے ہوئے پھل اور ایسی ہی دوسری چند چیزیں جنہیں چیستانہ نے کافی مقدار میں اپنے جسم پر لاد لیا اور باقی کی طرف دیکھ کر روتھن کو اشارہ کیا اور روتھن نے اشارہ سمجھتے ہوئے وہ چیزیں خود سنبھال لیں۔

روتھن دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ بظاہر تو بلی ہے لیکن انسانوں کی ساری باتوں کو اچھی طرح سمجھتی ہے یعنی وہ جانتی ہے سامان کا وزن تقسیم کر لینا چاہیے۔ ایک آدمی اتنا وزن نہیں اٹھا سکتا۔ روتھن نے ابھی کسی غلط بات کا مظاہرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا کم از کم اس بہانے سے اس وادی سے تو نکل جایا جائے۔ جس کے بارے میں اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا ہے اور کہاں تک ہے؟ یا یہاں سے مہذب آبادیوں تک پہنچنے کے راستے کون سے ہیں؟ راستے نظر آ جائیں تو اس کے بعد تو ان محترمہ سے باآسانی نمٹ لے گا۔

سفر جاری ہو گیا۔ بلی اس کی رہنمائی کر رہی تھی اور اس نے بڑے سیدھے

راستے منتخب کیے تھے۔ روتھن اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔

یوں سفر کی پہلی منزل، اس دن کی رات، ایسے پہاڑوں میں ہوئی جہاں کوہانی شکل کی چٹانیں جگہ جگہ ابھری ہوئی تھیں اور ان چٹانوں کے درمیان گھاس کے طویل و عریض قطعے نظر آ رہے تھے۔ چیستانہ ہی نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ اب سفر کا وقت ختم ہو گیا ہے اور یہاں قیام کیا جانا چاہیے۔ روتھن نے اپنا سامان بھی چیستانہ کے سامان کے ساتھ کھول کر رکھ دیا۔ لڑکی خاموشی کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں سنبھالنے لگی تھی اور پھر اس نے خشک پھل روتھن کے سامنے دونوں ہاتھ پر رکھ کر پیش کیے اور روتھن نے شکریہ کے ساتھ انہیں قبول کر لیا۔ یہاں روتھن اپنی خاص طبیعت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ لڑکی کے ساتھ اس کا رویہ بے حد نرم اور دوستانہ تھا۔ پھر کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد اس وقت جب رات کی ٹھنڈی ہواؤں نے ماحول میں ایک پُرمسرت اور خوشگوار کیفیت پیدا کر دی تھی، روتھن نے ایک پتھر پر سر رکھ کر لیٹتے ہوئے کہا۔

''آہ کاش! تم انسان ہوتیں تو ہم گفتگو کرتے۔ میں تمہیں ذی آنا کے ان علاقوں کی کہانیاں سناتا جہاں محبت اور زندگی کروٹ بدلتی ہے۔ جہاں پہنچنے کے بعد انسان سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ صرف محبت کرے۔ تم تو یہ بھی نہیں سمجھ سکتیں چیستانہ کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے؟ انسان اگر دنیا میں محبت سے رشتہ قائم نہیں رکھتا تو یقینی طور پر اس دنیا میں رہنے کی آرزو اس کے دل میں ختم ہو جاتی مگر چھوڑ، میں تجھ سے کیا بات کروں؟ کیا سناؤں تمہیں گلفشاریہ کے بارے میں جو پھولوں کی سرزمین ہے اور وہاں اتنے پھول ہیں کہ انسانوں کا ان کے درمیان سے بچ نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔ گلفشاریہ اور اگر میں تمہیں گلفشاریہ کی ماریہ کی کہانی سناؤں تو شاید تم اسے سن کر پاگل ہی ہو جاؤ۔ ماریہ وہاں محبت کا نشان سمجھی جاتی ہے اور تمہیں کیا معلوم ماریہ نے اپنے محبوب کے لیے کیا قربانیاں دی تھیں؟ کہا جاتا ہے کہ وہاں محبت کے پودے اگتے ہیں جن کے پھول تین رنگوں کے ہوتے ہیں۔''

روتھن خاموش ہو گیا چیستانہ اس کے چہرے کی جانب اس طرح متوجہ تھی۔ جیسے تمام باتیں غور سے سن رہی ہو اور انہیں سمجھ بھی رہی ہو لیکن جب روتھن سے نگاہ ملی تو

اس نے اپنے حلق سے بلیوں کی سی چند آوازیں نکالیں اور روتھن کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

چیستانہ بار بار اپنے پیروں کی سرسراہٹوں سے روتھن کو احساس دلاتی رہی کہ وہ جاگ رہی ہے لیکن اس کے بعد روتھن اس کی جانب متوجہ نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس کو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ دوسری صبح جب وہ جاگا تو چیستانہ کھانے پینے کی اشیاء ٹٹول رہی تھی۔

وقت کچھ اور آگے بڑھا اور سورج نے سر ابھار لیا۔ تب روتھن اپنی جگہ سے اٹھا اس نے چھاگل سے پانی لے کر چند چھینٹے اپنے منہ پر مارے اور اس کے بعد پھلوں سے پیٹ بھرنے لگا۔

چیستانہ نے اپنے آپ کو کاموں میں مصروف رکھا تھا۔ وہ روتھن کی جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس نے سامان اپنے شانوں پر لادا اور روتھن کی طرف دیکھنے لگی۔ روتھن نے خود بھی سامان اٹھا لیا اور دوسرے دن کے سفر کا آغاز ہو گیا۔ چیستانہ اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔

سخت موسم، گرد اور دھوپ نے بہت تھکن پیدا کر دی تھی لیکن وہ سفر کر رہے تھے۔ بسا اوقات روتھن نے چیستانہ کے انداز میں بھی تکلیف کے آثار دیکھے تھے لیکن وہ رکی نہیں البتہ شام کو تقریباً اس وقت جب سورج ڈھلنے کے بالکل قریب تھا۔ چیستانہ رک گئی اس کے چہرے سے تھکن نمایاں ہو رہی تھی۔

جس جگہ وہ رکے تھے وہاں روتھن نے پانی کا ایک چشمہ دیکھا اور یہ چشمہ دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے سامان اتار کر پھینکا اور لباس سمیت پانی میں چھلانگ لگا دی۔ چیستانہ مسرت بھری نگاہوں سے روتھن کو پانی میں نہاتا دیکھ رہی تھی۔ روتھن نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''میں چشمے سے باہر نکل آؤں تو اس کے بعد تم بھی اپنے جسم کی گرد اور جلد درست کر لو۔ شاید تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ اگر تم اس مٹی کے غبار سے نکل آؤ تو ذی آنا میں تمہاری پوجا شروع کر دی جائے۔ ذی آنا کے لوگ حسن پرست ہوتے ہیں

اور کسی حسین لڑکی کے لیے زندگی دے دینا ان کے لیے معمولی بات ہوتی ہے میں بھی ذی آنا کا باشندہ ہوں۔ تمہاری عزت و توقیر کرتا ہوں کاش تم انسانوں کی مانند سوچ سکتیں اور محسوس کر سکتیں تو میں تمہیں بتاتا کہ میری نگاہوں میں تمہارا کیا مقام ہے؟ دنیا کے بے شمار ممالک میں تم جیسی حسین لڑکی کا وجود نہ ہوگا۔ پانی میں غسل کر لو اور اس کے بعد ایک نئی صورت کو جنم دو جس کی پوجا ذی آنا میں کی جا سکے۔ ذی آنا کی حسینائیں بھلا تمہارے اس حسن کی برابری کیسے کر سکتی ہیں؟ لیکن افسوس نجانے کیوں تم نے یہ جانوروں والے حلیے بنا لیے ہیں؟'' روتھن کہتا رہا اور چیستانہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

روتھن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں لڑکی کے اندر ابھرنے والے اضطراب کا جائزہ لے رہی تھیں اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ لڑکی درحقیقت وہ نہیں ہے جو خود کو ظاہر کرتی ہے۔ روتھن کو یقین تھا کہ اگر سفر کے لیے دو چار دن اور مل گئے تو وہ اس لڑکی کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

لڑکی مغموم سی ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ روتھن اس کے قریب پہنچا اور اس نے انگلی سے پانی کی جانب اشارہ کیا تو چیستانہ نے ویران سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تمہاری آنکھوں کی ویرانی اس بات کا مظہر ہے کہ تم انسانوں سے دور نہیں ہو اور انسانوں کی مانند رہنا چاہتی ہو۔ اپنے ذہن پر چڑھا ہوا خول اتار دو اور انسان کی جون میں آ جاؤ۔ یقین کرو اس سے تمہیں بے پناہ فائدے حاصل ہوں گے تم ذی آنیوں کی محبت کی کہانیاں نہیں جانتیں۔ ان کے جذبات نہیں سمجھتیں لیکن میں تمہیں ان کی کہانیاں سناؤں گا۔''

لڑکی نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے گھٹنوں میں سر جھکا کر اپنے دونوں ہاتھ چہرے کے گرد باندھ لیے تھے۔ روتھن کھانے پینے کی اشیاء ٹٹولتا رہا اور پھر انہیں ایک جگہ رکھتا ہوا بولا۔

''گلفشاریہ میں محبت کرنے والے اس وقت تک کچھ نہیں کھاتے جب تک ان کا محبوب شکم سیر نہ ہو جائے۔ پھولوں کی سرزمین میں جب چاند آسمان سے کافی نیچے اتر آتا ہے اور وہ اپنے محبوب کے سامنے ہوتے ہیں تو بعض اوقات وہاں قربانیوں کی رسم بھی

ادا کی جاتی ہے۔ جانتی ہو یہ رسم کیا ہوتی ہے؟'' لڑکی نے ایک دم چہرہ اوپر اٹھا دیا تھا۔ روتھن نے آہستہ سے کہا۔

''محبوب اپنے جسم کا خون لڑکی کے رخسار پر لگاتا ہے اور اسے دنیا کی سب سے حسین عورت تسلیم کر لیتا ہے۔ کاش! ذی آنا کے نوجوان تجھے دیکھیں اور اس روپ میں دیکھیں جو تمہارا اصل روپ ہے لیکن افسوس کس نے تمہیں حیوانگی کی جانب مائل کر دیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ تمہاری یہ حیوانیت ختم ہو جائے۔''

چیستانہ کے انداز میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔ وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی چشمے کی جانب بڑھ گئی۔ پھر وہ چشمے میں اتر گئی تھی۔

روتھن کا دل اچھل پڑا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس کی کوشش اتنی جلدی کامیاب ہو جائے گی لیکن وہ لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو پانی میں کلیلیں کرتی پھر رہی تھی اور کافی دیر کے بعد جب وہ غسل کر کے نکلی تو روتھن کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ وہ ایک حسین ترین لڑکی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''ذی آنا کے نوجوان مجھے ذی آنا کی محبت کی کہانیاں سناؤ۔ آہ۔ یہ کہانیاں کتنی دلکش ہوں گی۔''

''اوہ چیستانہ تم .... تم بول رہی ہو۔ تم انسانوں کی مانند ہی ہو۔ ناممکن، ناممکن۔ کیا میری محبت کا پودا اس قدر جلد زمین سے پھوٹ آیا۔ میں کیسے یقین کر لوں کہ تم بول رہی ہو؟ اس انوکھی سرزمین کی دیوی! تمہیں شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ تم کس قدر حسین ہو اور کوئی بھی تمہیں دیکھ کر دیوانہ ہو سکتا ہے۔''

''میں خود دیوانی ہو گئی ہو روتھن! میں خود پاگل ہو گئی ہوں۔'' چیستانہ نے تھکے انداز میں کہا۔

''تمہیں بولتے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دیوی ربابہ اپنے مسکن سے نیچے اتر آئی ہو اور اس نے اس زمین پر چمکدار ستارے بکھیر دیئے ہوں۔ تمہاری آواز کس قدر دلکش ہے چیستانہ! کہیں یہ سب کچھ میرا وہم تو نہیں ہے؟''

"نہیں روتھن! میں تھک گئی ہوں۔ میں ان حالات سے تھک گئی ہوں۔ جو زندگی میں گزار رہی ہوں، تم دیکھ چکے ہو، وہ انسانوں کی زندگی نہیں ہے۔ مجھے جانور بنا دیا گیا ہے اور میں جانور بن کر خوش نہیں ہوں۔" چیستانہ نے جواب دیا۔

"تمہیں کس نے جانور بنا دیا ہے چیستانہ؟" روتھن نے لوہا گرم دیکھ کر ضرب لگائی۔

"یہ ایک طویل کہانی ہے، سناؤں گی میں تمہیں۔ اب تم سے کوئی چیز چھپانا ممکن نہیں ہے۔"

"میں تمہاری پوجا کرتا ہوں چیستانہ۔ تمہیں دنیا کی سب سے حسین لڑکی تصور کرتا ہوں اور تم نہیں جانتیں کہ تمہیں اس انداز میں دیکھ کر میرے دل پر کیا بیتتی تھی؟ میں بہت غم سے سوچتا تھا کہ نجانے تمہارے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہو گیا لیکن تم اتنی جلدی میری خواہشوں کی تکمیل کر دو گی اس کا مجھے گمان بھی نہیں تھا۔"

"میں نے کہا نا میں بھی اب اس زندگی سے اکتا گئی ہوں۔ لاؤ مجھے کھانے کے لیے کچھ دو میں بھوکی ہوں، بری طرح سے تھک گئی ہوں۔"

روتھن نے جلدی جلدی پھل نکالے اور اس کے سامنے رکھ دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک جگہ صاف کر کے چیستانہ کے آرام کے لیے جگہ بنا دی تھی۔ وہ بہت زیادہ والہانہ پن کا اظہار کر رہا تھا تا کہ لڑکی اچھی طرح متاثر ہو جائے۔ وہ بے چاری کیا جانتی تھی کہ اس کا واسطہ ایک انوکھے بچھو سے پڑا ہے۔

چیستانہ نے شکم سیر ہونے کے بعد روتھن کی صاف کی ہوئی جگہ پر آرام کے لیے ڈیرہ ڈال دیا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے روتھن کو دیکھ رہی تھی۔

"کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، سیلان بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں تمہارے سامنے اس طرح ہار جاؤں گی۔"

"نہیں چیستانہ یہ ہار نہیں جیت ہے۔ تم نے ذی آنا کے ایک باشندے کا دل جیت لیا ہے۔ میں .... میں تمہیں ایک دیوی کی مانند سمجھتا ہوں جس کی مقدس پوجا کر کے انسان کو سکون ملتا ہے۔"

"مجھے ذی آنا کی کہانیاں سناؤ، کتنی حسین کہانیاں ہوتی ہیں وہ۔ پھول مجھے بے حد پسند ہیں لیکن جس زندگی میں مجھے لے آیا گیا ہے اس میں تم دیکھو گے کہ کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں جانوروں کی مانند جی کر بہت تھک چکی ہوں اور اب یا تو مر جانا چاہتی ہوں یا پھر انسانوں کی مانند زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔"

"تمہیں ان میلوں کی داستانیں کیا معلوم چیستانہ جہاں حسین رقاصائیں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں اور ہمت کرنے والے ان کے لیے پاگل ہو جاتے ہیں۔ چیستانہ! پھولوں کے درمیان سفید لومڑیوں کے گروہ در گروہ گھومتے نظر آتے ہیں تو یہ کائنات حسین سے حسین تر ہو جاتی ہے۔"

روتھن اسے الٹی سیدھی کہانیاں سناتا رہا لیکن ان کہانیوں کی ترتیب میں محبت کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ایک عورت کا دل جب محبت کے لیے کشادہ ہوتا ہے تو پھر اس میں محبت کی اتنی کہانیاں سما جاتی ہیں کہ انسان کی سوچ سے باہر ہوں۔ وہ عجیب و غریب کہانیاں چیستانہ کو سناتا رہا اور چیستانہ کی آنکھیں نشے میں ڈوب گئیں۔ اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"مجھے پھولوں کی ان وادیوں میں لے چلو روتھن۔" وہ بہت زیادہ نڈھال ہو گئی تھی۔ روتھن اس کی صورت دیکھتا رہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے سرد آہ لے کر کہا۔

"لیکن چیستانہ جو ذمے داری سیلان نے تمہارے سپرد کی ہے وہ پوری نہیں کرو گی۔"

"نہیں، اب بالکل نہیں، اب مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں...... میں ان لوگوں سے غداری کرنے پر مجبور ہوں روتھن۔ اب میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کروں گی کہ تمہارے ساتھ ان پھولوں کی وادیوں میں پہنچ جاؤں۔ میرا انجام کچھ بھی ہو میں وہیں مرنا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر اطمینان رکھو میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا چیستانہ! میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ ذی آنا کے باشندے اپنے قول کے پکے ہوتے ہیں۔ تم مرو گی نہیں یہ میرا

وعدہ ہے۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن مجھے ان لوگوں کے بارے میں کچھ تو بتاؤ؟ مجھے پتہ تو چلے کہ وہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ سیلان کون ہے؟''

''پتھر کا دیوتا! درحقیقت پتھر کا دیوتا نہیں ہے۔'' چیستانہ نے جواب دیا۔

''نہیں ہے۔''

''ہاں۔ وہ ایک خاص طریقے سے اپنے آپ کو پتھر کے خول میں چھپا لیتا ہے اور تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ ذی آنا ہی کا باشندہ ہے۔''

''ذی آنا کا باشندہ ہے؟'' روتھن نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔ اس کا اصل نام جیراس ہے۔ جیراس بہت عرصے پہلے ساحروں کا آلہ کار بن گیا تھا اور اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سرزمین ذی آنا پر ان کی حکومت کرا دے گا۔ ایک طویل سلسلہ ہے روتھن، ایک لمبی کہانی ہے۔''

''تو پھر تم مجھے یہ کہانی سناؤ، میں ان کہانیوں کو سننا چاہتا ہوں۔''

''ان کہانیوں میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس وہ دولت کے رسیا ہیں۔ تمہارے ان پہاڑوں میں معدنیات کے ذخائر بھرے پڑے ہیں اور وہ ان ذخائر کی جانب لالچ بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ بہت سے ہیں۔ انہوں نے خفیہ راستے سے اس جانب کا سفر کیا اور یہاں پہنچ گئے۔ وہ جانتے ہیں کہ سرزمین ذی آنا کے جیالے بندوق کی گولیوں سے زیر نہیں ہوتے لیکن اگر ان میں روحوں کا جال بچھا دیا جائے تو پھر وہ اس جال میں آسانی گرفتار ہو سکتے ہیں۔''

''روحوں کا جال؟''

''ہاں۔ ایسی ناقابل یقین چیزیں جو ذی آنیوں کو متاثر کر سکیں اور وہ ایسی مشینیں لے کر یہاں پہنچے جن کے ذریعے ذی آنا کے باشندوں کو توہمات میں مبتلا کیا جائے۔ ان مشینوں سے وہ موسیقی نشر کرتے ہیں اور اس موسیقی کے وجود کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ تب معصوم لوگ اس موسیقی کی آواز کو سنتے ہوئے آگے بڑھ آتے ہیں اور انہیں اغوا کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح روحوں کی کہانیاں عام ہوئیں اور لوگ ان علاقوں سے ڈرنے لگے جن علاقوں پر وہ تسلط چاہتے تھے۔

''جیراس ان کا آلہ کار بن گیا۔ انہوں نے جیراس کو پیشکش کی کہ اگر وہ ان کی بقاء کے لیے کام کرے اور ان کے مقصد کی تکمیل میں ان کی مدد کرے تو اسے پورے ذی آنا کا حکمران بنا دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جیراس کے سامنے جو تجاویز پیش کیں وہ یہی تھیں کہ جیراس سیمون کو ہلاک کرا دے اور ان اطراف میں مکمل طور پر اپنی حکومت قائم کر لے تو وہ اس سلسلے میں اس کی پوری مدد کر سکتے ہیں اور جیراس ان کا غلام ہو گیا ہے۔ وہ ذی آنا کے باشندوں کے مزاج کو سمجھنے کے بعد انہیں بتاتا ہے اور ان کے ذریعے ذی آنا پر اپنی حکمرانی کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

''لیکن یہ سب کچھ کس لیے ہو رہا ہے؟''

''کہا نا وہ معدنیات کے ذخائر تلاش کر رہے ہیں۔ قیمتی سفید دھات سمجھتے ہو؟''

''قیمتی سفید دھات؟'' روتھن پرخیال انداز میں بولا۔

''ہاں۔ ایک انتہائی قیمتی سفید دھات جو تلدبہ کے پہاڑوں میں چھپی ہوئی ہے اور ان دنوں وہ اسی سفید دھات کو وہاں سے نکال رہے ہیں۔ تلدبہ کی پہاڑیوں میں اس دھات کے بڑے بڑے ذخائر ہیں اور وہ ان ذخائر کو بڑی محنت سے حاصل کر کے ذی آنا سے باہر پہنچا رہے ہیں۔''

''تلدبہ!'' روتھن نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔

''ہاں۔''

''تم میرے بارے میں اپنے دل میں کیا خیال رکھتی ہو چیستانہ؟''

''تم بہت دلکش ہو، تمہاری باتیں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں کہ آدمی جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔''

''تو کیا تم میری ایک خواہش پوری کر سکتی ہو؟''

''کیا؟''

''مجھے تلدبہ لے چلو۔ مجھے دکھاؤ کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں انہیں دیکھوں گا اور اس کے بعد ہم وہاں سے بہت دور کا سفر کریں گے۔ میں تمہیں وادی لے

جاؤں گا جو گلاب کے پھولوں کی وادی ہے۔ جب موسم بہار آتا ہے تو وہاں گلاب کے اتنے پھول کھلتے ہیں کہ انسان ان میں سو جائے۔ ہوائیں اپنے دوش پر بھینی بھینی خوشبو لیے پرواز کرتی ہیں اور ان کے درمیان ننھے منے خوبصورت خرگوش کلیلیں بھرتے پھرتے ہیں۔ ہم وہیں اپنی ایک جھونپڑی بنالیں گے اور تم گلاب کے پھولوں کے درمیان زندگی بسر کرسکو گی۔“

”آہ۔ کتنا روح پرور منظر پیش کیا ہے تم نے۔ میں...... میں گلاب کی اس وادی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔“ چیستانہ کے لہجے سے شوق جھلک رہا تھا۔

”لیکن اس وقت جب تم مجھے وادی تلدبہ دکھادو گی۔“

”یہ تمہاری شرط ہے؟“

”نہیں آرزو اور یہ پہلی آرزو ہے جو میں نے تم سے کی ہے۔“ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”لیکن وہاں خطرات بھی بہت ہیں۔“

”تم ذی آنا کے اس معمولی سے انسان کو دلیر پاؤ گی۔“

”لیکن تم اگر ضد نہ کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔“

”لیکن میں اس سلسلے میں تم ضد کرتا ہوں۔ بس ایک بار ان ذخائر کی زیارت کرادو جو ہمارے علاقے سے لے جائے جارہے ہیں، اس کے بعد میں تم سے کسی اور شے کی فرمائش نہیں کروں گا۔“

چیستانہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ٹھیک ہے اگر تم وہ جگہ دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہیں دکھادوں گی کیونکہ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ بس ہمیں تھوڑا سارخ تبدیل کرنا پڑے گا۔“

”کس طرف؟“

”ہمیں مشرقی سمت سفر کرنا پڑے گا جبکہ ہم اب تک مغربی سمت جاتے رہے ہیں۔“

”نمباسیہ اس وادی میں کیا کررہا ہے؟“

”نمباسیہ کے پاس وہ تمام مشینیں موجود ہیں جو روحیں منتشر کرتی ہیں۔ وہاں ہمارے بھی تین آدمی کام کرتے ہیں اور نمباسیہ ان کی مدد کرتا ہے۔ نمباسیہ کے ذریعے تم سیمون کے خلاف کام کرسکتے ہو جو ابھی تک نہیں ہو پایا۔ شاید تمہارا ایک ساتھی بھی ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ تم دونوں اگر مل جاؤ تو یقینی طور پر وہاں سیمون کو ہلاک کرسکتے ہو لیکن اب ہمیں سیمون کی ہلاکت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ روتھن! ہم اپنی دنیا الگ ہی بسائیں گے۔“

”یقیناً وادی تلدبہ سے ہم سیدھے اپنے گھر کا رخ کریں گے۔ نہ تم نمباسیہ کے پاس جاؤ گی نہ میں سیمون کو ہلاک کروں گا، نہ اپنے کسی ساتھی کی پرواہ کروں گا۔ بس اس کے بعد ہم اپنی الگ دنیا بسائیں گے اور وادی میں ہمارا چھوٹا سا خوبصورت ایک گھر ہوگا جس کے اطراف میں گلاب کے پھولوں کے جھنڈ ہوں گے کیا خیال ہے تمہارا؟“ روتھن نے پوری طرح اپنی لچھے دار باتوں میں اسے جکڑ لیا تھا۔

”آہ۔ کتنا خوبصورت منظر ہوگا۔ صبح کو جب سورج نکلا کرے گا تو میں اس گھر کے دروازے پر آکر کھڑی ہو جایا کروں گی۔ گلابوں کی بھینی بھینی خوشبو فضا میں منتشر ہوگی اور میں ان کے درمیان کسی تتلی کی طرح اڑتی پھروں گی۔“ چیستانہ نے مست لہجے میں کہا اور روتھن زور زور سے گردن ہلانے لگا۔ چیستانہ خوابوں میں گم ہوگئی تھی۔

”روتھن! ہم ایک مخصوص فاصلے تک تو آزادی سے سفر کرسکتے ہیں لیکن اس کے بعد ہمیں ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کے لیے دراڑوں اور سرنگوں میں سفر کرنا ہوگا۔“

”یہ تم پر منحصر ہے۔ میں تو صرف تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔“

چیستانہ مسکرادی تھی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ”جب تم نے پہلی بار مجھے بلی کے روپ میں دیکھا تھا تو میرے ساتھ ایک شرارت کی تھی۔“

”کیا؟“ روتھن نے معصوم بنتے ہوئے کہا۔

”تم کتے کی طرح بھونک کر میری طرف لپکے تھے۔“

”ہاں۔“ روتھن ہنس پڑا۔

"اور میں خوفزدہ ہو کر درخت پر چڑھ گئی تھی۔"

"ہاں۔"

"ہمیں اس کی ہدایت کی گئی تھی۔"

"وہاں جتنے لوگ جانوروں کے روپ میں نظر آتے ہیں کیا وہ سب مصنوعی جانور ہیں؟"

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟ انسان کو جو حیثیت بخشی گئی ہے کیا وہ اس سے مختلف ہو سکتا ہے؟"

"لیکن وہ لوگ تو اس طرح اپنا کام کرتے ہیں کہ اندازہ بھی نہیں ہو پاتا کہ وہ مصنوعی جانور ہیں۔"

"ہاں۔ وہ سب تربیت یافتہ ہیں اور جانتے ہیں کہ کون سا جانور کس انداز میں حرکتیں کرتا ہے۔ وہ سب اس کی نقل کرتے ہیں۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ اگر ذی آنا کا کوئی بھولا بھٹکا اس طرف آ نکلے تو اس انوکھی وادی کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جائے اور اس کے بعد دوبارہ اس طرف کا رخ نہ کرے۔" چیستانہ نے بتایا اور روتھن پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

کافی سفر طے کرنے کے بعد بالآخر وہ ایک بڑی اور چوڑی دراڑ کے پاس پہنچ گئے اور پھر چیستانہ نے کہا۔

"اب ہمیں یہاں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔" روتھن نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی تھی۔ بعد کا سفر انتہائی محتاط انداز میں گزرا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اور ماحول دھندلاہٹوں کا شکار ہو گیا لیکن اس بار انہوں نے یہ سفر ترک نہیں کیا تھا۔

چیستانہ نے کہا تھا کہ اب وہ جگہ زیادہ دور نہیں ہے جہاں وادی تلذبہ ہے اور جہاں پہاڑوں کی گہرائیوں میں وہ لوگ زمین کی کھدائی کر رہے ہیں۔

چیستانہ نے روتھن کو اس تمام صورتحال کے بارے میں بتایا تھا جو وہاں پیش آ سکتی تھی۔ وادی کی گہرائیوں میں، پہاڑوں کے دامن میں، سفید دھات کے ذخائر موجود

تھے اور وہاں لوگ کھدائی کر رہے تھے۔ روتھن بغور سنتا رہا تھا اور بہت کچھ سوچتا رہا تھا۔



رات کی تاریکیاں چاروں طرف پھیل گئیں تھیں اور وہ ایک دراڑ میں اوپر کی جانب سفر کر رہے تھے۔ چیستانہ نے بتایا کہ ان پہاڑیوں کا اختتام اس وادی میں ہوتا ہے جن کے دامن میں وہ کانیں موجود تھیں۔

وہ ان چٹانوں کو طے کرتے رہے اور بالآخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں ان کا اختتام ہوتا تھا۔ نیچے وادی میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ نیچے ہونے والی حرکات وسکنات کا جائزہ لے سکتے تھے۔ نیچے کچھ افراد نظر آ رہے تھے خاص قسم کے سفید سفید خیمے لگے ہوئے تھے جن میں غالباً ان کی رہائش گاہیں تھیں۔

روتھن اوپر کھڑا ان کا جائزہ لیتا رہا اس کے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"ان وادیوں سے باہر جانے کا کوئی راستہ تو ہوگا؟"

"ہاں۔ انہوں نے چٹانوں میں سرنگیں بنا رکھی ہیں۔"

"سرنگیں؟"

"ہاں۔ ان سرنگوں کو دریا تک لے جایا گیا ہے اور ان کی تمام آمدورفت دریا ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔"

روتھن رخسار کھجاتے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔ آسمان پر چاند ابھرتا آ رہا تھا۔ روتھن ایک جگہ منتخب کر کے وہاں بیٹھ گیا تو چیستانہ نے کہا۔ "کیوں، یہاں بہت دیر رکنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"ہاں۔ یہاں کی صورتحال کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

"وہ لوگ اس علاقے کی کڑی نگرانی کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم محافظوں کی نگاہوں میں آ جائیں۔"

"کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن اگر ہو بھی گیا تو ہمیں یہاں سے نکلنے میں دقت نہ ہوگی۔" چیستانہ خاموش ہو گئی۔

پھر جب چاند وادی پر ابھرا تو دفعتہً ہی اس کی روشنی وادی میں اتر گئی اور اس کے بعد جو منظر روتھن کی نگاہوں کے سامنے آیا وہ ناقابل یقین تھا۔ چاند کی روشنی نے سفید دھات کو منور کر دیا تھا۔ دھات کے ذخائر چمک رہے تھے۔

روتھن سحر زدہ سا روشنی کے اس سحر کو دیکھنے لگا۔ وہ لوگ سفید دھات کے پتھر جو خام حیثیت رکھتے تھے، نکال نکال کر ایک جگہ بار کر رہے تھے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد روتھن نے ایک ٹرالی دیکھی جو ایک سرنگ سے باہر آئی تھی۔ انہوں نے وہ پتھر اس ٹرالی پر بار کرنا شروع کر دیئے۔ روتھن نے آہستہ سے چیستانہ سے کہا۔

''کیا ہم اس طرف سے گھوم کر اس جگہ تک نہیں پہنچ سکتے جس کے بارے میں تم نے کہا ہے کہ وہاں دریا ہے؟''

''پہنچ سکتے ہیں۔'' چیستانہ نے جواب دیا۔

''تو ذرا آؤ اس طرف بھی دیکھ لیں۔''

چیستانہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے الجھن کے آثار نظر آئے لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ کہیں روتھن اسے بزدل نہ سمجھے۔

اور اس کے بعد وہ بہت ہی احتیاط سے ایک ایک قدم آگے بڑھانے لگے۔ ان کا رخ اس جانب تھا جہاں یہ وادی کی دیوار ختم ہوتی تھی۔ وہاں تک کا فاصلہ طے کرنے میں انہیں کافی وقت صرف ہوگیا۔

چاند آہستہ آہستہ آگے سفر کر رہا تھا پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں روتھن کو دریا کے پتھروں سے سر پٹخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے اس جگہ پہنچنے کے بعد نشیب میں جھانکا۔ کافی خوفناک گہرائی تھی۔ اس نشیب میں اس نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر روتھن کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ سرنگ سے ٹرالی باہر نکل رہی تھی اور سرنگ کے دہانے کے پاس ایک چھوٹا جہاز لنگر انداز تھا۔ گویا اسی جہاز کے ذریعے یہ دھات یہاں سے باہر لے جائی جا رہی تھی۔

روتھن کو ایک لمحے کے لیے اپنے جسم میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ اس کے ذی آنا کی معدنی دولت ذی آنا سے باہر جا رہی تھی۔ ذی آنا کے باشندے معصوم تھے کہ

ذی آنا میں ملنے والی معدنی دھات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن اب یہ دولت ان بیرونی انسانوں کے قبضے میں بھی نہیں جانی چاہیے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ذی آنا میں بھی تہذیب کا راج ہوگا۔ ذی آنا کے باشندے اس علاقے کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد اس سے ملنے والی دولت سے خود فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جائیں گے۔

بار بار روتھن کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ کاش سرزمین ذی آنا کے لوگ بھی ان تمام جدید وسائل سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جائیں جو بیرونی دنیا کو حاصل ہیں۔ اس کے بعد ذی آنا کی حیثیت ہی بدل جائے گی لیکن اس وقت یہ سب کچھ دیکھ کر اس کے جذبات بھڑک اٹھے تھے۔ کچھ بھی ہو جائے ان لوگوں کو اس کارروائی کو ختم ہونا چاہیے۔

ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ دفعتہً اسے عقب سے کچھ آہٹیں سنائی دیں اور وہ چونک کر پلٹا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ تین افراد جنہوں نے شاید انہیں دیکھ لیا تھا۔ بڑی احتیاط سے ان کی جانب آ رہے تھے۔ روتھن اور چیستانہ نے بھی ان تینوں کو دیکھ لیا۔ وہ تینوں اتنے قریب آ گئے تھے کہ اب ان کی گرفت سے بچنا مشکل تھا اور پھر دفعتہً ہی انہوں نے ان پر چھلانگ لگا دی تھی۔ اس موقع پر روتھن کی برق رفتاری کام آئی تھی۔ چھلانگ لگانے والوں میں سے ایک جیسے ہی اس کے قریب پہنچا روتھن دفعتہً جھکا اور پھر اس نے نجانے کس طرح اس شخص کا لباس پکڑ لیا اور ایک زوردار جھٹکے سے اسے آگے کھینچ کر خود پیچھے ہٹ گیا۔ چونکہ روتھن بالکل کنارے پر کھڑا ہوا تھا، اس لیے وہ شخص خود کو سنبھال نہ سکا اور اس کی ہولناک چیخ فضا میں ایک لکیر سی بناتی ہوئی نیچے کی جانب جانے لگی۔

چیستانہ نے بھی روتھن کی یہ کارروائی دیکھی اور دوسرے لمحے اس نے بھی وہی عمل دہرایا حالانکہ اس پر حملہ آور شخص نے اسے دبوچ لیا تھا لیکن چیستانہ ایک دم نیچے گری اور اس نے دونوں پیروں پر رکھ کر حملہ آور کو دوسری جانب اچھال دیا۔ تیسرے حملہ آور نے عقب سے روتھن کے ہاتھ پکڑ لیے تھے اور اس پر اپنی قوت صرف کر رہا تھا۔ تب روتھن نے آہستہ سے کہا۔

''او جوان، او شیر، میں تیری گرفت میں آ گیا ہوں اب میں کوئی مزاحمت نہیں

کروں گا لیکن آہ۔ میرے بازو تو چھوڑ دے دیکھ تیرے پیروں کے نیچے کیا رینگ رہا ہے؟'' روتھن کے الفاظ نے ایک لمحے کے لیے اس شخص کی توجہ ہٹالی تھی کہ روتھن نے وہی ترکیب اس پر بھی آزماڈالی اور دوسرے لمحے تیسرا آدمی بھی دریا جاپڑا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے لیے یہاں رکنا ممکن نہ رہا تھا۔ ظاہر ہے مرنے والوں کی چیخیں سن لی گئی ہوں گی۔ دوسرے لوگ بھی اس جانب متوجہ ہو سکتے تھے چنانچہ روتھن نے چیستانہ کا ہاتھ پکڑا اور وہ برق رفتاری سے واپسی کے لیے دوڑنے لگے۔ چیستانہ نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

''ذرا سنبھل کر۔ یہاں قدم قدم پر گڑھے موجود ہیں اور اگر ہمارا پاؤں کسی بھی گڑھے میں پڑ گیا تو پھر ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہمیں کہاں لے جائے گا۔''

روتھن نے اس بات کو ذہن میں رکھا اور اس کے بعد کافی محتاط انداز میں دوڑنے لگا۔ وہ اپنے چاروں طرف آوازیں سن رہے تھے۔ پھر وہ بہ مشکل تمام اس دراڑ میں پہنچ گئے جو نیچے کی جانب جاتی تھی۔

دراڑ میں تیز رفتاری سے دوڑ ناممکن نہ تھا۔ کوئی بھی لمحہ ان کے لیے موت کا لمحہ بن سکتا تھا لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ ایک جانب روتھن دوڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اور دوسری طرف چیستانہ بھی اس سلسلے میں کسی سے کم نہیں تھی اور اس کی پھرتی کو روتھن اس وقت دیکھ چکا تھا جب بلی کی حیثیت سے وہ ایک اژدہے سے جنگ کر رہی تھی۔

وادی کے نشیب تک پہنچنے میں انہیں کافی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کے بعد جب سپاٹ اور ہموار زمین ملی تو انہوں نے اپنے جسم کے جوہر دکھانا شروع کر دیئے لیکن یہ جوہر اس وقت ماند پڑ گئے جب انہوں نے گھوڑے ہنہنانے کی آوازیں سنی تھیں۔ گویا ان کا باقاعدہ تعاقب کرنا شروع کر دیا گیا تھا اور یہ تعاقب گھوڑوں پر بیٹھ کر کیا جارہا تھا۔ پھر دوسری مصیبت یہ تھی کہ تیز چاندنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور ماحول اس چاندنی میں نمایاں ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کا دیکھ لیا جانا یقینی ہو گیا تھا تاہم روتھن اور چیستانہ نے ہمت نہ ہاری اور وہ تیز رفتاری سے دوڑتے رہے۔

کافی دور جانے کے بعد روتھن نے پلٹ کر دیکھا تو اسے گھڑ سواروں کا ایک

غول اپنی جانب دوڑتا نظر آیا۔ ظاہر ہے گھوڑوں کے مقابلے میں بھاگنا ان کے لئے ناممکن تھا چنانچہ روتھن عقابی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کوئی ایسی جگہ چاہتا تھا جہاں وہ ان گھڑ سواروں کی نگاہوں سے محفوظ ہو جائیں۔ ایسی جگہ تو نہ ملی لیکن اچانک ہی انہیں ایک اور نشیب نظر آ گیا اور یہ نشیب ایک تنگ ترین دہانے میں داخل ہو رہا تھا۔ روتھن اس دہانے میں داخل ہو گیا۔ اس نے چیستانہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا حالانکہ اسے چیستانہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اس وقت وہی اس کی رہبر تھی جبکہ روتھن ان راستوں سے واپسی کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ اتنا اندازہ اسے ضرور ہو گیا تھا کہ چیستانہ ان لوگوں کی شریک کار ہونے کی وجہ سے اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہے۔ چیستانہ بھی زندگی کے لیے جدوجہد کر رہی تھی اور کسی بھی لمحے اس نے اپنے آپ کو روتھن سے پیچھے نہیں رکھا تھا۔

اس تنگ دہانے میں داخل ہوتے ہی روتھن نے ایک ایسی جگہ منتخب کر لی جو ایک پتھر کی آڑ میں تھی اور یہاں اس نے چیستانہ کو زور سے کھینچ کر ان لوگوں کی نگاہوں سے بچالیا۔

گھڑ سوار بھی برق رفتاری سے اس جانب آ رہے تھے چونکہ یہ جگہ تنگ تھی اس لیے گھڑ سوار یہاں زیادہ تعداد میں نہیں داخل ہو سکتے تھے۔ روتھن نے دو دو گھوڑوں کو قطار میں آگے بڑھتے دیکھا ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا پہلے دو گھوڑے گزر گئے۔ اس کے بعد دوسرے پھر تیسرے اور پھر چوتھے، آٹھ گھوڑے گزر چکے تھے۔ روتھن کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ گھڑ سوار کتنے ہیں لیکن وہ اپنے طور پر کوئی کارروائی اپنے ذہن میں سوچ چکا تھا۔ اس کے بعد مزید دو گھڑ سوار گزرنے لگے اور روتھن نے احتیاط سے ان کے عقب میں جھانکا۔ ان گھڑ سواروں کے پیچھے اور کوئی سوار موجود نہ تھا چنانچہ روتھن تیار ہو گیا۔ گھڑ سوار تنگ دہانے کی وجہ سے ذرا سُست رفتاری سے اندر داخل ہوئے تھے اور وہی لمحہ ان کے لیے موت کا لمحہ بن گیا۔ چیستانہ سمجھنے بھی نہ پائی تھی کہ کیا ہوا لیکن روتھن نے اپنی جگہ سے دونوں گھوڑوں پر چھلانگ لگا دی تھی۔ گھڑ سواروں کے حلق سے ہلکی ہلکی آوازیں نکلیں اور وہ دونوں نیچے گر پڑے۔ روتھن نے انہیں دبوچ لیا تھا۔ چیستانہ نے اس موقع پر اپنے

آپ کو پیچھے نہ رکھا اور اس نے بھی نیچے چھلانگ لگا دی۔ روتھن ایک گھڑسوار کے سینے پر چڑھا اس کی گردن دبا رہا تھا۔ چیستانہ نے دوسرے گھڑسوار کو سنبھال لیا تھا۔ وہ اسے روتھن کی طرح زیر تو غالباً نہیں کر سکتی تھی لیکن پتھر کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ جسے اس نے اٹھا کر پوری قوت سے گھڑسوار کے سر پر دے مارا اور اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے بند کر دی۔ گھڑسوار چند لمحے کے لیے تڑپا اور اس کے بعد سرد ہو گیا۔

دوسری جانب روتھن گھڑسوار کی گردن دبا کر اسے ہلاک کر چکا تھا اور اس کے بعد اس کے لباس کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس نے گھڑسوار کے لباس سے ایک لمبا شکاری چاقو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ پھر اس نے چیستانہ کی طرف دیکھا جو اپنا کام کر چکی تھی۔

''چیستانہ اپنے مقتول کی کلہاڑی اور خنجر اپنے قبضے میں کر لو۔'' چیستانہ نے ایسا ہی کیا۔ دونوں گھوڑے جن کی پشت اب خالی ہو چکی تھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر جا کر رک گئے تھے۔

روتھن برق رفتاری سے ان کی جانب بڑھا۔ چیستانہ نے بھی اس کا تعاقب کیا تھا اور اس کے بعد روتھن ان میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس نے چیستانہ سے کہا کہ وہ دوسرے گھوڑے پر سوار ہو جائے اور اس کے بعد دونوں گھوڑے آگے بڑھنے لگے۔ چیستانہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''لیکن اس طرح تو ہم ان کی نگاہوں میں آ جائیں گے۔''

''نہیں۔ وہ ابھی یہ بات نہیں سوچ پائیں گے کہ ان کے دو ساتھیوں کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ہم ان کے تعاقب میں اس طرح چلیں گے جیسے انہی کے آدمی ہوں اور کوئی بھی مناسب جگہ دیکھ کر اپنا راستہ تبدیل کر دیں گے۔''

''لیکن یہ بہت خطرناک ہے۔''

''ہمارا یہاں رکنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے چیستانہ۔'' روتھن نے کہا اور گھوڑے آگے بڑھنے لگے۔

کافی دور جانے کے بعد یہ دراڑ کھل گئی اور گھوڑے کھلے میدان میں پہنچ گئے

تھے۔ روتھن نے یہ دیکھ کر سکون کی ایک گہری سانس لی کہ آگے جانے والے گھوڑے منتشر ہو کر بہت دور نکل گئے ہیں۔ غالباً وہ ان دونوں کو ان اطراف میں تلاش کر رہے تھے۔ روتھن نے اپنے گھوڑے کو بھی اوپر پہنچا دیا اور چیستانہ اپنا گھوڑا اس کے ساتھ لے آئی۔ اس کے بعد روتھن تیز رفتاری سے آگے چلتا رہا۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں اور پھر اس نے ایک ایسی جگہ پالی جدھر سفر کر کے وہ ان گھڑسواروں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے گھوڑے کی لگامیں موڑ دیں اور چیستانہ کو بھی ساتھ آنے کا اشارہ کر کے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔

''گھوڑے دوڑاؤ چیستانہ۔ ہمیں ان کی گرفت سے دور نکل جانا ہے۔'' چیستانہ نے اپنے گھوڑے کو ہاتھ مارا اور گھوڑا ہوا ہو گیا۔ روتھن کا گھوڑا بھی تیزی سے دوڑ رہا تھا اور ان بقیہ گھوڑوں سے ان کا فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ لوگ کسی سمت کا تعین کیے بغیر دوڑ رہے تھے اور شاید چیستانہ بھی راستہ فراموش کر چکی تھی۔ اس وقت ان کے سامنے جان بچانے کا مسئلہ تھا۔

''کیا ان کے پاس آتشیں ہتھیار نہیں ہیں؟ ہم نے جن دو گھڑسواروں کو نیچے گرایا تھا ان کے پاس سے بھی صرف ایک کلہاڑا اور خنجر برآمد ہوئے۔''

''ہاں۔ انہیں آتشیں ہتھیار استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''وجہ؟'' روتھن نے سوال کیا۔

''وجہ میں نہیں جانتی۔''

گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے گفتگو کرنا مشکل ہو رہا تھا چنانچہ اس کے بعد روتھن خاموش ہو گیا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ گھوڑے عقب میں ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔ غالباً انہیں صورتحال کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا لیکن آسانی سے ان تک پہنچ جانا ممکن نہ تھا۔ روتھن نے اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کر لیا تھا کہ اگر وہ قریب آ بھی جائیں تو ان سے دست بدست جنگ کی جائے۔ یوں یہ گھوڑے آگے پیچھے دوڑتے رہے۔

کافی فاصلے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ اب ان کے اطراف میں گھڑسوار موجود نہیں چنانچہ روتھن نے اپنے گھوڑے کی رفتار سست کر دی۔ گھوڑے بھی

انتہائی تیز دوڑنے کی وجہ سے ہانپنے لگے تھے۔ روتھن نے گھوڑوں کو سست رفتاری سے آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"چیستانہ۔ کیا تم اس راستے کا اندازہ لگا سکتی ہو؟"

"نہیں۔ شاید میں راستہ بھول چکی ہوں اور ویسے بھی ہم کسی سمت کا تعین کر کے نہیں دوڑے تھے۔"

"خیر............ چلتی رہو۔ صبح کی روشنی میں ہم راستے کا اندازہ لگائیں گے۔"

اس کے بعد گھوڑوں کی رفتار سست ہی رکھی گئی تھی اور پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں درختوں کی بھرمار تھی۔

یہ درخت ایک بہت بڑے وسیع علاقے کا احاطہ کیے ہوئے تھے درختوں کے نیچے پہنچنے کے بعد انہیں پانی نظر آیا۔ گھوڑوں ہی نے اس سمت رہنمائی کی تھی۔ ایک چھوٹا سا تالاب نما چشمہ تھا جو آہستگی سے بہتا ہوا کہیں دور نکل جاتا تھا۔ چیستانہ نے ایک دم کہا۔

"ہاں۔ اب ہم نمباسیہ کی وادی کے آس پاس ہیں لیکن ہمیں نمباسیہ کی وادی کا رخ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نمباسیہ کو ہمارے اس فرار کا علم ہو گیا ہو۔ ویسے بھی جس وقت سے ہم نے سفر کا آغاز کیا ہے اس وقت سے اب تک ہمیں نمباسیہ کی وادی میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ہم وہاں نہیں پہنچے تو یقیناً ہمارے بارے میں یہ یقین کر لیا گیا ہو گا کہ ہم نے غداری کی ہے۔"

گھوڑے پانی پیتے رہے۔ روتھن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ رات کا آخری پہر چل رہا تھا اور اب روشنی بے نور ہوتی جا رہی تھی چنانچہ یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہ آئی کہ صبح بالکل قریب ہے۔

روتھن کو سفید دھات کی وہ وادی یاد آ رہی تھی وہ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ کھانے پینے کی اشیاء اب بھی ان کے پاس موجود تھیں اور تھیلے ان کے جسموں سے بندھے ہوئے تھے۔ سخت بھوک لگ رہی تھی۔ روتھن نے چیستانہ سے اس سلسلے میں کہا تو وہ بھی ہنس کر بولی کہ وہ بھی بھوک کی شکار ہے اور رات کی خوراک وقت

سے پہلے ہضم ہو چکی ہے۔ خشک میوے اتنی مقدار میں ان کے پاس اب بھی موجود تھے کہ وہ کئی دن ان سے کام چلا سکتے تھے چنانچہ تھیلوں میں ہاتھ ڈال کر یہ میوے نکالے اور شکم سیری کر لی گئی۔ پھر انہوں نے پانی پیا اور اس کے بعد یہ سوچنے لگے کہ اب یہاں سے کس سمت کا رخ کرنا چاہیے۔

وادی نمباسیہ سے دوسری طرف کافی آگے بڑھنے کے بعد وہ شالہ بستی پہنچ سکتے تھے۔ روتھن نے تجویز پیش کی کہ بستی شالہ تک پہنچ جایا جائے اور پھر اس کے بعد وہاں سے آگے کے بارے میں سوچا جائے گا۔ چیستانہ نے کہا۔

"یہاں سے میں تمہیں با آسانی بستی شالہ لے جا سکتی ہوں لیکن میرا کیا ہو گا؟"

"تم فکر کیوں کرتی ہو۔ میں تمہیں وعدے کے مطابق وادی لے جاؤں گا اور اس کے بعد ہماری زندگی بہت پرسکون گزرے گی۔" چیستانہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔

اس کے بعد انہوں نے شالہ کی طرف سفر کا آغاز کر دیا۔

یہ سفر ایک دن اور ایک رات تک جاری رہا تھا۔

دوسری رات کی چاندنی میں انہیں ایک بار پھر سنبھلنا پڑا۔ دو گھوڑ سوار اچانک ان کے سامنے آ گئے تھے اور اس طرح آئے تھے کہ ان کے لیے چھپنے کی کوئی جگہ بھی نہ تھی۔ چیستانہ تو بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی لیکن روتھن کا چہرہ قابل دید تھا کیونکہ ان میں سے ایک زیراس تھا۔

زیراس کے ساتھ جو شخص گھوڑے پر سوار تھا وہ کینہ توز نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا اور اس کا ہاتھ بندوق پر تھا۔

"کون ہے تو؟" اس نے روتھن کو للکارا۔

"کوئی ذی آنا کا بھگوڑا معلوم ہوتا ہے ہیرک۔ ایک لڑکی ساتھ ہے اس سے تو خود اندازہ لگا سکتا ہے۔" زیراس نے چہکتے ہوئے کہا اور ہیرک نے اس کے لہجے میں خوشی کو محسوس کر لیا۔ اس نے غور سے زیراس کا چہرہ دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"بہت پہلے کی بات ہے کہ میں شراب کے نشے میں ڈوبا رہتا تھا اور میں نے عقل و ہوش کی تمام باتیں ترک کر دی تھیں لیکن وہ ہیرک مر چکا ہے اور اب جو ہیرک زندہ ہے۔ وہ بالکل مختلف ہے اور اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ شخص جو کوئی بھی ہے تیرے لیے اجنبی نہیں ہے۔ تو پھر یہ تیرا وہ ساتھی ہو سکتا ہے جو شالہ میں تجھ سے بچھڑ گیا تھا۔"

"یہ مردود عین اس وقت مجھ سے بچھڑ جاتا ہے جب محسوس کرتا ہے کہ اس پر کوئی افتاد پڑنے والی ہے۔ اب دیکھ ہیرک میں اس کے لیے نجانے کہاں کہاں بھٹکتا رہا ہوں لیکن یہ شخص........." زیراس، چیستانہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ روتھن کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے تھے پھر اس نے اپنی ساتھی لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"چیستانہ۔ یہ جو گھوڑے کی پشت پر اکڑ کر بیٹھا ہے اسے عرف عام میں گدھا کہتے ہیں، عقل کا اس کے قریب سے گزر نہیں ہوا۔ ہاتھ میں کلہاڑا یا بندوق لیے ہر ایک کے پیچھے دوڑ پڑتا ہے لیکن جہاں عقل کا تعلق ہوتا ہے وہاں یہ احمقوں کی طرح کھڑا دوسروں کا منہ دیکھتا رہتا ہے۔ ہاں یہ شخص کچھ سمجھدار معلوم ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ہے اور جس کا نام اس نے ہیرک لیا۔"

"میں تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔ کہاں بھٹکتا پھر رہا ہے؟"

"اگر تو میری رگ رگ سے واقف ہے تو پھر یہ بھی جانتا ہو گا کہ تو صرف کلہاڑا ہلاتا رہ جاتا ہے اور میں بال کی کھال نکال لاتا ہوں چنانچہ اس وقت بھی میں ایسے ہی ایک مقصد سے بستی شالہ جا رہا تھا۔"

پھر انہوں نے ایک جگہ منتخب کر لی تھی اور وہاں بیٹھ گئے تھے۔ روتھن نے کہا۔

"شالہ کی روحیں آج بھی بستی کے دروازے بند کر دیتی ہوں گی لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کے درمیان روتھن جیسا انسان آنے والا ہے۔ ایک غلطی ہوئی تھی ان سے اور اس کا نتیجہ انہوں نے اپنی تباہی کی شکل میں بھگتنے کا انتظام کر لیا۔ فاتح اعظم روتھن اب ان کی سرکوبی کے لیے تمام منصوبوں کی تکمیل کر چکا ہے۔"

زیراس نے چونک کر روتھن کو دیکھا اور روتھن نے سینہ پھلائے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ بستی شالہ کے لوگ پہلے کی مانند آرام کی نیندیں سوئیں گے اور ان کے ہاں روتھن کی پوجا ہو گی۔"

"بکواس ہی کیے جائے گا یا کچھ بتائے گا بھی؟"

"میں ایک ایسی آبادی سے آ رہا ہوں جہاں انسان جانوروں کی شکل میں رہتے ہیں۔ چیستانہ ایک خونخوار بلی ہے لیکن اب یہ میرا ساتھ دے گی۔"

"خوب خوب، مگر تو مارا گیا۔ اب تیری نئی زندگی کا آغاز ہو گا لیکن کوئی بات نہیں ہیرک میرے ساتھ ہے۔"

روتھن نے جھلائے ہوئے انداز میں زیراس کو دیکھا پھر بولا۔ "تو ان دنوں کہاں تیر مارتا پھر رہا ہے؟"

"چھوڑ نوجوان ان باتوں کو، تو جس بستی کا تذکرہ کر رہا ہے اس کی کیا حیثیت ہے اور شالہ میں جا کر تو کیا کرنا چاہتا ہے؟"

جواب میں روتھن نے وہ ساری کہانی سنا دی تھی جس کا تعلق اس پراسرار بستی سے تھا اور اس نے دریا کے کنارے سفید دھات کے پہاڑوں کا تذکرہ بھی کیا تھا جسے سن کر زیراس دنگ رہ گیا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زمین پر رینگنے والے تیری حیثیت ذرا مختلف ہے اپنی منخنی سی شخصیت سے فائدہ اٹھا کر تو ایسے سراغ لگا لیتا ہے۔"

ہیرک نے کہا۔ "یقیناً وہ آبادی گل خارا ہے لیکن کیا بدبخت جیراس وہاں موجود نہیں ہے؟" جیراس کے نام پر چیستانہ چونک پڑی تھی۔

ہیرک نے چیستانہ کو دیکھا اور پھر وہ جیراس کے بارے میں مفصل معلومات حاصل کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"رب عظیم کی قسم، میں اس بستی کے ایک ایک جانور کو بھون ڈالوں گا۔ میں اب انتظار نہیں کر سکتا۔ اٹھو۔ وہ وقت آ گیا ہے جب ہم اپنا انتقام لیں اور جیسا کہ اس شخص نے کہا میں ان پہاڑوں، وادیوں میں دشمن ساحروں کے منصوبے ناکام بنا دوں گا۔" ہیرک بے حد پرجوش ہو گیا تھا اور اس کے جوش کو روکا نہ جا سکا۔

لیکن جب وہ ایک طویل سفر کر کے بستی گل خارا پہنچے تو انہیں احساس ہوا کہ سارے جانور زیر زمین چلے گئے ہیں۔ گل خارا کے بدہیئت درختوں کے درمیان انہیں کوئی انسانی وجود نہیں ملا تھا یہاں تک کہ پتھر کا سیلان بھی اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ وہ کہاں گئے اور اچانک ہی انہوں نے یہ بستی کیوں چھوڑ دی؟ اس کا راز کوئی نہ پا سکا۔ غالباً اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کا مصنوعی روحانی نظام ختم ہو گیا ہے جو انہوں نے پیالہ نما وادی میں قائم کیا تھا یا پھر انہیں ان چاروں افراد کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ جن میں ایک ان کی ساتھی ہی تھی۔

اس پریشانی اور بے بسی میں روتھن نے کہا۔ ''اگر تم سب میری برتری تسلیم کرو تو میں ان لوگوں کو دوبارہ زمین پر لا سکتا ہوں جو پوشیدہ ہو گئے ہیں۔''

ہیرک نے روتھن کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''میں تیرے بارے میں اندازہ لگا چکا ہوں جوان کہ تو زیرک ہے، بتا تیرے ذہن میں کیا ہے؟ میں نے اس منصوبے کی کمان تیرے ہاتھ میں دی اور ہم سب تیری ہدایت کے مطابق عمل کریں گے۔''

روتھن نے مسکراتی نگاہوں سے زیراس کو دیکھا اور پھر وہ ہیرک کو ہدایات دینے لگا اور بلاشبہ روتھن کا منصوبہ اتنا مکمل تھا کہ ہیرک جیسا وحشی بھی کانپ کر رہ گیا تاہم انہوں نے روتھن کی ہدایت پر کام کیا تھا۔ روتھن نے انہیں اپنے مخصوص کردہ راستوں پر کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ وہ بھاگنے والوں کو نشانہ بنائیں۔ سو یہی ہوا۔ روتھن نے اچانک ہی پتھر کے دو ٹکڑوں کو رگڑ کر ان سے چنگاریاں پیدا کیں اور بدنما نظر آنے والے درختوں میں سے ایک کی شاخ روشن کر کے اس پر اچھال دیا۔ درخت نے ایسے آگ پکڑی جیسے بارود آگ پکڑتا ہے شعلے لپکے اور پھر بعد کا منظر دیکھنے کے قابل تھا۔ ایک سے دوسرا درخت آگ پکڑتا جا رہا تھا اور وہ اس طرح بھک بھک کر کے جل رہے تھے جیسے بارود جل رہی ہو۔

ان لوگوں کو خوف سے پیچھے ہٹ جانا پڑا تھا لیکن اس کے بعد جو شور برپا ہوا وہ قابل دید تھا۔ درختوں کے درمیان سے انسانی چیخوں کی آوازیں ابھریں اور بھاگنے والے شعلوں میں گھرے ہوئے درختوں کے تنوں کے اندر سے باہر بھاگنے لگے لیکن

بندوق سے نکلنے والی گولیوں نے ان میں سے بیشتر کو ڈھیر کر دیا۔ آگ کے جنگل میں وہ واپس نہیں جا سکتے تھے۔ باہر موت تیار تھی لیکن ہیرک نے ان سب کو ہلاک نہ کیا بلکہ ان میں سے چند کو ہلاک کرنے کے بعد اس نے پرزور آواز میں اعلان کیا کہ پناہ کے متلاشی زمین پر اوندھے لیٹ سکتے ہیں۔ تب انہوں نے ان سب کو دیکھا جو جانوروں کی نقلیں اتارتے تھے کہ سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے ان کی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ تھی۔ جنگل جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

زیراس نے متحیرانہ انداز میں روتھن کو دیکھا اور بولا۔ ''یہ تدبیر تو نے کیسے سوچی؟''

روتھن مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ یہ تدبیر اسے اس وقت معلوم ہوئی تھی جب اس نے ایک خرگوش کو ہلاک کر کے بھوننے کی کوشش کی تھی اور جو شاخیں اس نے جمع کیں تھیں وہ آگ دیکھتے ہی شعلے کی طرح لپک کر بھسم ہو گئی تھیں۔ یہ شاخیں انہی درختوں کی تھیں اور یہ درخت دنیا کے عجیب و غریب درخت تھے جن کے موٹے موٹے تنے صرف آگ کی جھلک دیکھ کر اس طرح آگ پکڑ لیتے تھے جیسے بارود سلگ اٹھتا ہے اور روتھن کو یہ بات یاد رہی تھی لیکن اس نے یہ سب کچھ زیراس کو نہیں بتایا۔

ڈیڑھ سو افراد باہر آ گئے جن میں سیلان یا جیراس بھی تھا اور یہی ہیرک کا اصل دشمن تھا۔ ہیرک نے اس کی مشکیں کس لیں اور کہا۔ ''سیلان! ان لوگوں کے مقدس دیوتا، تجھے تو میں بستی شمالہ کے چوک میں لے جا کر الٹا لٹکاؤں گا لیکن ان لوگوں کے بارے میں، میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کیا جائے؟''

''ابھی سفید دھات کی وہ وادیاں باقی ہیں جہاں سے ذی آنا کا قیمتی اثاثہ نکال کر لے جایا جا رہا ہے۔''

''اس کے خلاف بھی ہم ہی منصوبہ بندی کریں گے۔ سفید دھات ساحروں کی تحویل میں نہیں جانی چاہیے لیکن اگر اس سلسلے میں ہم بستی شمالہ جا کر سیمون سے مدد لانے کی کوشش کریں تو وقت بہت زیادہ گزر جائے گا اور یہ لوگ فرار ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان کے سلسلے میں صرف ہم ہی لوگوں کو انتظام کرنا پڑے گا۔''

اور یہاں ہیرک نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے ان تمام لوگوں کو اپنا قیدی بنا لیا جن میں سے ستر ساحر تھے اور باقی ذی آنا کے جوان جنہوں نے عجیب عجیب سوانگ رچا رکھے تھے۔ بہرحال ابھی ان کی جانب توجہ دینا ممکن نہیں تھا۔ وادی تلد بہ کی طرف رخ کر کے انہیں اپنا آخری کارنامہ انجام دینا تھا۔

لیکن وادی تلد بہ میں ایک اور ہی دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ جب یہ لوگ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے وہاں پہنچے تو انہوں نے وادی تلد بہ کو خالی پایا۔ سب کچھ جوں کا توں دھرا رہ گیا تھا اور چالاک ساحر وہاں موجود نہیں تھے۔

چالاک ساحروں کو حقیقت حال کا احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے فرار ہی میں عافیت سمجھی تھی۔ اب ان کا کوئی بھی آدمی وادی میں موجود نہیں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد شالہ ہی کا رخ کیا جا سکتا تھا اور شالہ والے یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔

گرفتار کرنے والے صرف ایک عورت اور تین مرد تھے جبکہ گرفتار شدہ لوگوں کی تعداد ناقابل یقین تھی۔ ان سب کو سردار سیمون کے سامنے پیش کیا گیا اور بستی والوں کو بتایا گیا کہ یہی وہ روحیں ہیں جو شالہ کے اطراف میں تباہی پھیلائے ہوئے تھیں۔

سیمون ساری کہانی سن کر ششدر رہ گئی تھی لیکن اس نے دربار عام میں اپنا وعدہ ایفا کرتے ہوئے اپنا تاج زریں زیراس کے سر پر رکھتے ہوئے اعلان کیا کہ میں نے اس جوان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ شالہ کو ان روحوں سے نجات دلا دے تو میں سرداری کا تاج اس کے حوالے کر دوں گی سو میں اپنا وعدہ پورا کرتی ہوں۔

زیراس کا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا اس نے تاج اپنے سر سے اتار کر واپس سیمون کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”اور میں عظیم سردار سیمون کو اس کے وعدے کے ایفا پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے سرداری کا یہ تحفہ واپس کرتا ہوں۔“

ہیرک کو ان تمام باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے شالہ کے چوک میں ایک پھانسی گھر تیار کیا تھا اور اس کا پسندیدہ مشغلہ یہ تھا کہ ایک ایک کر کے وہ جیراس کے ساتھیوں کو پھانسی پر لٹکا رہا تھا اور جیراس کو ان کی موت کا نظارہ کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے جیراس سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب اس کے تمام ساتھی ہلاک

ہو جائیں گے تو آخری پھانسی وہ جیراس کو دے گا اور اس نے اپنا یہ مقصد پورا کر لیا تھا۔ پھر اچانک نجانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔

سیمون نے بڑے احترام سے زیراس اور روتھن کو واپسی کی اجازت دی تھی اور یہ دونوں وہاں سے چل پڑے لیکن ابھی وہ بستی شالہ سے زیادہ دور نہیں آئے تھے کہ عقب سے ایک اور گھڑسوار ان کے پاس پہنچ گیا۔ یہ چیستانہ تھی۔ اس نے روتھن سے کہا۔

”شاید مصروفیت کی وجہ سے تمہارے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ تم مجھے وادی لے جاؤ گے۔“

روتھن نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور زیراس کا قہقہہ پوری گھن گرج سے فضا میں بلند ہو گیا۔

پھر چیستانہ سے نجات حاصل کرنا بھلا کس مائی کے لال کا کام تھا۔ روتھن اور زیراس منافع میں چیستانہ کو لے کر اپنی بستی میں واپس آئے لیکن روتھن کو یہاں آ کر ایک بدترین صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی بہن ایک جادوگر کی جادوگری کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے لیے پیشین گوئی کی گئی تھی کہ ایک اجنبی دنیا کا اجنبی ان علاقوں میں بھٹکتا ہوا آئے گا اور اس وقت یہ اصل حالت میں آئے گی۔

بوڑھا خاموش ہو گیا۔ میرے تو اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس انوکھی داستان نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا اور میرا ذہن اب تک ان واقعات کے سحر میں گرفتار تھا۔ بہرحال خود کو سنبھال کر میں نے پوچھا لیکن معزز شخص اس کے اصل حالت میں آنے کے بعد کیا ہو گا؟

”وہی جو روتھن کے ساتھ ہوا تھا۔“

”یعنی؟“

”وہ اس اجنبی کی ملکیت ہو گی۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔



کہانی نگاری اپنی جگہ، حسین اور پراسرار کرداروں کی تخلیق کا عمل ایک طرف عملی زندگی اس سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ بھلا ایک ایسے پرسحر اور پراسرار وجود کو اپنی ذات سے منسوب کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کہاں میں اور کہاں یہ ناقابل یقین زندگی؟ بہرحال حسن وعشق اور عورت کی دلکشی سے کبھی منکر نہیں رہا ہوں لیکن کبھی یہ سب کچھ بہت مہنگا پڑتا ہے۔

''کیا فیصلہ کیا تم نے؟'' آخر کار بوڑھے شی وش نے مجھ سے سوال کیا۔

''آں...... جو واقعات تم نے بیان کیے ہیں بھلا میں ان سے منحرف کیسے ہو سکتا ہوں؟''

''ہاں یہ ضروری ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

''اب میں کیا کروں؟'' میں نے سوال کیا۔

''انتظار۔''

''کس بات کا؟''

''وقت خود حالات کی ترتیب دے گا۔''

''میں ان علاقوں میں گھوم سکتا ہوں؟''

''تم ایک بااعتبار شخص ہو۔''

''شکریہ..........'' میں نے کہا۔

''جس شے کی ضرورت ہو بتا دینا، فوراً مہیا کر دی جائے گی۔''

اور جو شے مجھے درکار تھی وہ ایک گھوڑا تھا جو مانگنے پر مجھے مل گیا۔ میں

برفزاروں میں آباد اس جہان کی سیر کرنے لگا۔ میں اس علاقے کے نشیب وفراز سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ یہ معلومات آگے چل کر میرے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں۔

دوسری طرف ان لوگوں کے عمل بھی جاری تھے۔ روزانہ مجھے طرح طرح کی جڑی بوٹیوں سے غسل دیا جاتا۔ نہ جانے کس کس ذات کے کھانے کھلائے جاتے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ مجھے فولادی انسان بنانا چاہتے ہیں اور میں سوچتا تھا کہ فولادی انسان بن کر آخر مجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ فولاد لاکھ مضبوط سہی لیکن ہوتا تو بے جان ہی ہے۔ بہرحال یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ سچ بات تو یہ تھی کہ رفتہ رفتہ مجھے بھی یہی محسوس ہونے لگا تھا کہ میرا گوشت پوست کا بنا ہوا یہ جسم آہستہ آہستہ آہنی ہوتا جا رہا ہے۔ میرے رگ وریشے میں ایک عجیب وغریب قوت موجیں مارنے لگی تھی اور اس نئی حاصل کردہ قوت کے زیراثر میرے دل میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات پیدا ہونے لگے تھے۔

ایک روز میں اپنے گھوڑے پر سوار بستی سے کافی دور وزنی پتھروں اور سربلند درختوں میں گھرے ایک حصے میں ٹہل رہا تھا۔ شام ہونے میں کچھ ہی دیر باقی رہ گئی تھی اور سورج تیزی سے مغرب کی طرف بڑھے چلا جا رہا تھا۔ درختوں کے سائے لمبے ہو گئے تھے۔ میں نے گھوڑے کو روکا اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ میری نگاہ زمین میں دھنسے ہوئے ایک بھاری پتھر پر پڑی۔ نہ جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگاتا ہوا اس پتھر کی طرف بڑھ گیا۔

پتھر کے قریب پہنچ کر میں رک گیا۔ میری نگاہیں گویا کسی مقناطیسی قوت کے زیراثر اس میں گڑی جا رہی تھیں۔ نجانے کیوں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ پتھر بزبان خاموشی مجھے للکار رہا ہو، چیلنج کر رہا ہو کہ بڑے فولادی بنے پھرتے ہو۔ ہمت ہے تو آگے بڑھے اور مجھ پر اپنی قوت آزماؤ۔ ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم کتنے پانی میں ہو۔

میں گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ میں نے ایک دفعہ پھر پتھر کا جائزہ لیا اور خود سے سوال کیا کہ آخر میں کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیا سوچ کر میں اس پتھر کے نزدیک آرکا ہوں؟ پھر کسی خیال کے زیراثر میں نے دایاں ہاتھ پتھر پر رکھا اور زور لگانا شروع کیا۔

میرے اندر کوئی پکار رہا تھا کہ رک جاؤ، اس فضول حرکت سے باز آ جاؤ، بھلا یہ چٹان نما پتھر تمہارے ہاتھ کی حقیر سی قوت کو کہاں خاطر میں لائے گا۔ آخر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟

اور پھر مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ زمین میں دھنسا ہوا وہ چٹانی پتھر میرے ہاتھ کی قوت کے زیر اثر تیز آندھی کی زد میں آئے ہوئے درخت کی طرح جھکتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی بنیاد جو نہ جانے کب سے اسی طرح زمین میں دھنسی پڑی تھی، شاید پہلی دفعہ کھلی ہوا کا نظارہ کرنے کو باہر نکلتی چلی آ رہی تھی۔ میں نے دانت بھینچ کر پوری قوت سے دھکا مارا۔ ایک زوردار گڑگڑاہٹ ہوئی اور پتھر الٹ کر ایک پرشور دھماکے کے ساتھ زمین سے جا ٹکرایا۔ اس کے گرنے کے دھمک سے گرد و پیش کا ماحول گویا لرز کر رہ گیا۔

لیکن ابھی مزید حیرتیں میری منتظر تھیں۔ پتھر گرا تو اس کا نچلا حصہ تیزی سے اوپر کو آیا تھا اور اوپر اٹھتے ہوئے میری ٹھوڑی سے ٹکرا گیا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس ہولناک ضرب سے اس کی ٹھوڑی تو کیا کھوپڑی بھی کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی لیکن مجھے چوٹ کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ میری ٹھوڑی کے ٹکڑے ہونا تو ایک طرف، پتھر کا جو حصہ اس سے ٹکرایا تو وہ خود ٹوٹ کر سنگریزوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔

میں سکتے کے سے عالم میں کھڑا اس پتھر کو دیکھتا رہا۔ کئی ٹن وزنی یہ وجود، جسے اس کے مقام سے ہلانے کے لئے عام حالات میں شاید کسی کرین کی ضرورت پڑتی، میری معمولی سی کوشش سے یوں اکھڑ کر جا پڑا تھا جیسے گرنے کے لئے بہانے کی تلاش میں ہو۔ برفزاروں میں آباد اس بستی کے حکماء کی دواؤں میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ مجھ جیسے معمولی انسان کے وجود میں سینکڑوں گھوڑوں کی قوت سما گئی تھی، اور میرا جسم اتنا مضبوط ہو گیا تھا کہ پہلوان کے گرز جیسی وہ ضرب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ اور سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ ایسی سختی کا حامل ہونے کے باوجود میرے جسم کی قدرتی لچک اپنی جگہ ویسے کی ویسے برقرار تھی بلکہ شاید اس میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر پتھر پر گھونسہ مارا۔ میرا ہاتھ اسے توڑتا ہوا اندر تک گھس

کے روپ میں نظر آئی تھی۔ چیستانہ! ہاں یہی نام تھا اس کا۔

بستی واپس پہنچ کر میں نے سیدھا شی وش کے ٹھکانے کا رخ کیا تھا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو چند لوگ اس کے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے درمیان کسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سردار ہارلیس بھی اس کے برابر بیٹھا تھا۔ چند روز پہلے میری اس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ بلند و بالا قامت کا مالک یہ تنومند بوڑھا شی وش کی مانند ہی باوقار تھا۔

میں دوسروں کی طرف دیکھے بغیر سیدھا شی وش کے سامنے جا رکا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”کوئی خاص بات ہے؟“ شی وش نے مجھے استفہامیہ نگاہوں سے گھورا۔

”ہاں۔“

شی وش نے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ سب خود ہی اٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔ صرف شی وش، میں اور ہارلیس وہاں رہ گئے۔

”ہاں بولو، کیا کہنا چاہتے ہو تم؟“ شی وش نے کہا۔

”تم نے مجھے جو کہانی سنائی تھی، اس میں بہت سے پہلو تشنہ طلب رہ گئے ہیں۔ میرے ذہن میں کئی سوالات ابھرے ہیں اور میں ان کے جواب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”بولتے جاؤ۔“

”سب سے پہلی بات یہ کہ روتھن کے ساتھ شالہ سے چیستانہ نامی ایک لڑکی آئی تھی، وہ کہاں ہے؟“

شی وش کی بھنویں سکڑ گئیں۔ ”واقعی یہ بات مجھے تمہیں پہلے بتا دینی چاہئے تھی۔“ اس نے کہا۔ ”بہرحال چیستانہ یہیں ہے لیکن وہ کسی کے سامنے نہیں آتی۔“

”اس کی وجہ؟“

”روتھن کے جسم اور روح کے الگ ہو جانے کے بعد اس نے یہاں کے بڑے معبد میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ جب تک روتھن اپنی اصلی حالت میں

گیا۔ میں نے ہاتھ باہر نکالے بغیر کھول دیا۔ میری انگلیاں پتھر میں یوں گھس گئیں جیسے مکھن میں گرم چھری۔ میں نے ایک جھٹکا دے کر ہاتھ باہر نکالا تو پتھر میں ایک وسیع شگاف نمودار ہو چکا تھا۔ اس کی سنگلاخی میرے ہاتھ کی قوت کے سامنے ایسی حقیر ہو کر رہ گئی تھی کہ اگر اس پتھر میں انسانی جذبات ڈال دیئے جاتے تو شاید وہ شرم سے ڈوب مرتا۔

میرا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ پر ایک نگاہ ڈالی۔ پتھر کے سنگریزوں اور سرخ چٹانی مٹی میں لتھڑا ہوا ہاتھ۔ دیوؤں کی سی قوت کا حامل ہاتھ۔ وہ ہاتھ جس کی ضرب چٹانوں کو اکھیڑ دے اور جس کی گرفت میں فولاد بھی چرمرا جائے۔ میرے جسم میں وہ قوت ٹھاٹھیں مار رہی تھی جو دریاؤں کے رخ بدل دے اور جو پہاڑوں کے دل چیر دے۔ جو کسی کم ظرف کے ہاتھ لگے تو ایک عالم کو تباہ کر کے رکھ دے اور کسی اعلیٰ ظرف کے ہاتھ آئے تو حالات کے مارے ہوؤں کی تقدیر بدل دے۔

خواب کے سے عالم میں، میں گھوڑے پر سوار ہوا اور بستی کی طرف چل پڑا۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ خوفناک قوت مجھے کس مقصد کے تحت دی گئی ہے، میں اس کا استعمال کب اور کہاں کروں گا؟ وہ کون سے دشمن ہیں اور ان کی طاقت کا عالم کیا ہے، کہ جن پر غالب آنے کی خاطر مجھے یہ جناتی روپ دیا گیا ہے؟ میں تو صرف اتنا جانتا تھا کہ میرا مقابلہ چند ساحروں سے ہے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا کہ کیا ساحروں پر غالب آنے کے لئے محض میری جسمانی قوت کافی ہو گی؟ جیسے ہیرے کو ہیرا کاٹتا ہے ویسے ہی سحر کا توڑ بھی سحر سے ہی کیا جا سکتا ہے، اور میری تربیت میں ابھی تک ایسی کوئی چیز داخل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ بستی واپس پہنچ کر شی وش سے اس بارے میں دریافت کروں گا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی کہانی میں بہت سے پہلو تشنہ طلب تھے۔ ابھی تک مجھے یہ علم نہیں ہوا تھا کہ وہ کون سے حالات تھے جن سے گزر کر پرشیانہ اس حالت کو پہنچی اور پھر اسے آزاد کرانے کی جدوجہد میں روتھن اور زیراس کو بھی اسی عذاب کا شکار ہونا پڑا اور میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ شالہ سے روتھن کے ساتھ آنے والی اس لڑکی پر کیا گزری جو پہلی دفعہ روتھن کو ایک خونخوار بلی

واپس نہیں آ جاتا، وہ کسی کے سامنے نہیں آئے گی اور اسی گوشۂ تنہائی میں ان کے لئے دعا کرتی رہے گی۔‘‘

’’روتھن، زیراس اور پرشیانہ کو اس حالت تک کس نے پہنچایا اور کیسے؟‘‘

’’ان کے نام میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ فولاس اور زوالا۔ ابتداء میں وہ بھی ذی آنا کے باشندے تھے۔ پھر وہ ایک طویل عرصے کے لئے غائب ہو گئے اور جب واپس آئے تو ساحرانہ قوتوں کے مالک بن چکے تھے۔ وہ ذی آنا کے وسیع وعریض رقبے پر اپنی سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔ روتھن اور زیراس ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتے تھے کیونکہ زیراس کی جسمانی قوت اور روتھن کی ذہانت کا امتزاج ان کے لئے بے حد خطرناک تھا۔ پہلا وار انہوں نے پرشیانہ پر کیا۔ ظاہر بات ہے کہ اپنی بہن کو مصیبت میں دیکھ کر وہ دونوں غصے میں دیوانے ہو گئے اور اندھا دھند ان کی تلاش میں نکل پڑے۔ اسی چکر میں وہ حفاظتی اقدامات کی طرف سے بھی غافل ہو گئے اور فولاس اور زوالا کو اپنا کام دکھانے کا موقع مل گیا۔‘‘

’’اگر فولاس اور زوالا ساحرانہ قوتوں کے مالک ہیں تو میں ان کے مقابلے میں کیا کر سکوں گا؟ تم لوگوں کی کھلائی ہوئی غذاؤں نے بے شک مجھے جسمانی طور پر حیران کن حد تک طاقتور بنا دیا ہے لیکن سحر کا مقابلہ سحر سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ ان کے سحر کا میرے پاس کیا توڑ ہو گا؟‘‘

’’اس کا جواب تمہیں ابھی نہیں دیا جا سکتا۔‘‘

’’اس کی وجہ؟‘‘

’’وجہ یہ ہے کہ ہم خود اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔‘‘

’’مطلب؟‘‘

’’جہاں سے ہمیں تمہارے آنے کے متعلق بتایا گیا تھا، وہاں سے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ دست قدرت خود ان راستوں پر تمہاری رہنمائی کرے گا، جو تمہیں ان شیطانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانے کی منزل کی جانب لے جائیں گے۔ اب وہ راستے کیا ہیں، وہ نہ ہم جانتے ہیں اور نہ کوئی اور۔ معلوم صرف اسے ہے جس نے تمہیں اس کام

کے لئے منتخب کیا ہے۔"

"اور کس نے منتخب کیا ہے مجھے؟"

"یہ کوئی ایسا معمہ تو نہیں کہ تم سمجھ نہ پاؤ۔" شی وش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بارلیس اب تک کی گفتگو میں خاموش رہا تھا لیکن اب اچانک بول پڑا۔

"میرے بچے، تم خود جانتے ہو کہ ہر انسان کو اس دنیا میں کسی خاص مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس کے مقصد کے تعین کرنے والی ذات کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ اللہ نے مجھے اس کام کے لئے منتخب کیا ہے؟"

"درست۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو میرے انتخاب کے متعلق کیسے پتہ چلا؟"

"خدا نے اس دنیا میں اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے جابجا نشانیاں چھوڑی ہیں۔ وہ نشانیاں جب اپنی خاص ترتیب میں سامنے آتی ہیں تو سب کچھ ظاہر کر دیتی ہیں۔ تم خود سوچو کہ تم کہاں تھے اور کن حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچ گئے۔ کیا تم نے کبھی سوچا تھا کہ تمہیں اس طرح کے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا؟ کیا تمہارے ذہن میں کبھی یہ خیال آیا تھا کہ ایک روز تم ذی آنا نامی ایک برفستان میں بیٹھے، شی وش اور بارلیس نامی دو بوڑھوں سے گفتگو کر رہے ہو گے؟ کیا تمہیں کبھی گمان گزرا تھا کہ تمہیں یہ بشارت دی جائے گی کہ اس زمین سے دو شیطانوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے؟ سوچو گے اور غور کرو گے، تو سب باتیں تمہارے سامنے کھلتی چلی جائیں گی۔ ہزاروں میل کا پرصعوبت سفر طے کر کے تمہارا یہاں پہنچنا بے سبب نہیں تھا۔ یہ سب تمہاری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا۔"

"لیکن پھر بھی اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جس کے متعلق آپ کو بتایا گیا تھا، وہ میں ہی ہوں؟"

"ثبوت ہے ہمارا یقین۔" شی وش نے کہا۔ "اور یہ کہ تمہارے علاوہ کسی اور اجنبی کو ذی آنا پہنچنا نصیب نہیں ہوا۔ تمہارے دونوں ساتھی راستے میں ہی موت کا شکار

ہو گئے لیکن تم بچ گئے۔ کیوں؟ کیا تم ان سے زیادہ سخت جان اور باہمت تھے یا تم کسی ایسے منتر سے واقف تھے جو تمہیں تمام خطرات سے بچا لایا؟ کسی وہم کا شکار نہ ہو ناصر، تم یہاں آئے نہیں، تمہیں لایا گیا ہے۔ اور جس مقصد کے لئے لایا گیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور پورا ہو گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے آپ کو حالات کو دھارے پر چھوڑ دوں اور انتظار کروں کہ معاملات کب کس کروٹ بیٹھتے ہیں؟"

"نہیں ایسا بھی نہیں۔ تمہیں یہاں جو کچھ بتایا جا رہا ہے اور جو کچھ دیا جا رہا ہے، اس سے اپنے آپ کو آراستہ کرو۔ اپنے طور پر اس علاقے کے دساتیر کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اپنی ذہنی استعداد میں اضافہ کرو۔ اتنا میں تمہیں ضرور بتا سکتا ہوں کہ فولاس اور زوالا سے مقابلہ کرنے میں تمہارے جسم سے زیادہ تمہارا ذہن کام آئے گا۔"

"ایک آخری بات! کیا کوئی مجھے یہ بتا سکتا ہے کہ میری اس نئی زندگی کا اگلا موڑ کب سامنے آئے گا؟"

"چلتے رہو۔" بارلیس مسکرا دیا۔ "کبھی نہ کبھی تو سامنے آ ہی جائے گا۔"

میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ دونوں بوڑھے مسکرا رہے تھے۔ عجیب اسرار بھری مسکراہٹیں تھیں ان کی۔ میں کچھ سمجھ نہ پایا اور ذہن میں ہزاروں سوال لئے وہاں سے چلا آیا۔



پرشیانہ اس روز کے بعد میرے پاس نہیں آئی تھی۔ اس کے آنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جو کچھ مجھے اس سے سیکھنا تھا میں سیکھ چکا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد بستی کے حکماء نے مجھے وہ مخصوص کھانے کھلانے اور جڑی بوٹیوں کا غسل دینا بھی بند کر دیا تھا۔

"اب تمہیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔" انہوں نے کہا تھا۔ "تم جسمانی طاقت و مضبوطی کی آخری حدوں کو چھو چکے ہو۔"

میں نے دوبارہ کبھی اپنی جسمانی طاقت کو آزمانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ میں جانتا تھا کہ میں کون ہوں اور کیا کر سکتا ہوں۔ جب میں

اپنے گھوڑے پر سوار بستی کی سیر کے لئے نکلتا تو جہاں جہاں سے میری سواری گزرتی، ذی آنا کے باشندوں کی نگاہیں احترام سے جھک جاتیں، اور میں ان کے درمیان سے یوں گزرتا چلا جاتا جیسے کوئی دیوتا اپنے پجاریوں سے خراجِ عقیدت وصول کرتا ہوا گزر رہا ہو۔

پہلی بار جب میں یہاں پہنچا تھا تو یہ لوگ مجھے کتنے عجیب، کتنے انوکھے دکھائی دیئے تھے لیکن اب میرے لئے ان کی بوالعجبی ختم ہو چکی تھی۔ میں جان گیا تھا کہ انہیں میری ضرورت ہے، اور نہ جانے کس عذاب سے چھٹکارا پانے کے لئے، نہ جانے کتنے عرصے سے وہ میری راہ تک رہے تھے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اس قدر جسمانی قوت اور شخصی اہمیت حاصل کر لینے کے بعد یہ لوگ مجھے حقیر دکھائی دینے لگے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ غرور و تکبر نے اس حد تک میرے دماغ پر قبضہ نہیں جمایا تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ اب میں خود کو ان کے درمیان سربلند، سرافراز محسوس کرتا۔ یہ احساس ہمہ وقت میرے ذہن پر چھایا رہتا کہ میں ان سے الگ ہوں، ان سے ہٹ کر کچھ ہوں، کیونکہ ایک خاص خدمت کو انجام دینے کے لئے میرا انتخاب کیا گیا ہے۔

کبھی کبھی میں اپنے انتخاب کے متعلق شکوک و شبہات کا شکار بھی ہو جاتا تھا۔ میری اب تک کی زندگی عام سے انداز میں گزری تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک میں نے کبھی خود کو دوسروں سے الگ کوئی چیز محسوس نہیں کیا تھا۔ میری ذات بھی دوسروں جیسی ہی تھی۔ اکثر و بیشتر خصوصیات عمومی لیکن بعض خصائل میں دوسروں سے ممتاز اور منفرد۔ میرا سب سے بڑا امتیاز اور انفرادیت تو یہی تھی کہ میں لفظوں سے کھیلنے کا ہنر جانتا تھا۔ میرا ذہن پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں تشکیل دینے اور انہیں سلجھانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ میری کہانیوں نے ایک عرصہ سے میرے قارئین کو گرفت میں لے رکھا تھا اور میرے پڑھنے والوں کے حلقہ میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تھا۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی بہت زیادہ خاص بات مجھ میں نہ تھی۔

پھر نجانے کیوں مجھے اس کام کے لئے منتخب کر لیا گیا؟ بزرگوں سے سنا تھا اور میں

آج تک یہی سمجھتا تھا کہ بڑے لوگوں کے انداز، غیر معمولی کارنامے انجام دینے والوں کے اطوار بچپن سے ہی دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ مجھ میں ایسی کوئی بات تو نہ تھی............... پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ لوگ میرے بارے میں کسی طرح کی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہوں؟ حالات نے ان پر بڑے بڑے ستم توڑے تھے، آلام کے اس بھنور سے نکلنے کی کوئی راہ انہیں نظر نہیں آئی تھی۔ جب آدمی ڈوب رہا ہوتا ہے تو تنکوں کے سہارے بھی تلاش کرنے لگتا ہے، تو پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ میں بھی ایک تنکا ہی تھا اور یہ لوگ اپنے اضطراب میں مجھے طوفانوں سے نکال لے جانے والا ناخدا سمجھ بیٹھے تھے۔

بہرحال، کچھ بھی تھا۔ اب میں محض ایک تنکا نہیں رہا تھا۔ مہذب دنیا سے دور آباد اس بستی کے مکینوں نے میرے گوشت پوست سے بنے جسم کو فولاد بنا دیا تھا اور میرے رگ و پے میں وہ قوت دوڑا دی تھی جس کا تصور بھی میں نے کبھی نہ کیا تھا۔

لیل و نہار کی گردش مسلسل جاری تھی۔ میں ابھی تک اس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب حالات کا دھارا منزل کے اگلے نشان تک میری رہنمائی کرے۔ میں تو یہ بھی نہ جانتا تھا کہ میری منزل ہے کہاں؟ بس ایک موہوم سا نقشہ، ایک مبہم سا خاکہ میرے سامنے تھا اور مجھے اسی کو رہبر مان کر چلنا تھا۔ میرے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ انتظار کروں، تیل دیکھوں اور تیل کی دھار۔

اس روز بھی میں معمول کے مطابق اپنے گھوڑے پر سوار بستی سے کچھ دور نکل آیا تھا۔ سورج نصف النہار پر تھا۔ اس کی روشنی میں برفزار سیماب کی مانند دمک رہے تھے لیکن اس کی تمازت نہ جانے کہاں جا سوئی تھی۔ ادویات و غذائیات کے عمل سے گزرنے کے بعد مجھے سردی سے بچنے کے لئے کبھی بھاری بھرکم کپڑوں کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی، اس کے باوجود، جب سے میں یہاں آیا تھا، سورج کی خوشگوار حدت کو اپنے بدن پر محسوس کرنے کے لئے ترس گیا تھا۔

گھوڑا دلکی چال چلا جا رہا تھا۔ مجھے گرد و پیش کا کوئی دھیان نہ تھا۔ میں اس کی پشت پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھا سر جھکائے اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔

اچانک گھوڑا رک گیا۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے رکنے کی بظاہر کوئی وجہ

میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں، کوئی غیر معمولی چیز نظر نہ آئی۔ لیکن میرا گھوڑا نہ صرف رک گیا تھا بلکہ اس کا جسم بھی ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ گھوڑے اور اس جیسے دوسرے جانور اگر کسی سانپ کو دیکھ لیں تو ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے لیکن ان برفزاروں میں سانپ کی موجودگی کا کیا سوال؟

مجھے زیادہ دیر سوچنے کی مہلت نہ ملی۔ گھوڑا بے طرح سے ہنہنایا اور سرپٹ بھاگ اٹھا۔ مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ اگر میں فوراً ہی باگیں مضبوطی سے نہ تھام لیتا تو شاید قلابازیاں کھاتا ہوا دور جا گرتا۔ گھوڑے کی رفتار میں مجنونانہ تیزی تھی۔ اس کے سم ایسی شدت سے زمین پر پڑ رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کسی بھی لمحے ان سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں گی۔ میں نے لگامیں کھینچیں لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہ آئی۔ اگر میں ذرا اور زور لگاتا تو عین ممکن تھا کہ لگام گھوڑے کی باچھیں چیر کر، اس کے سر کے دو ٹکڑے کرتی ہوئی میرے ہاتھ میں آ جاتی۔

اور یہ گھوڑا شاید اس وقت بھی نہ رکتا۔ نہ جانے اس نے کیا دیکھا تھا، کیا محسوس کیا تھا کہ ایسا خوف اس پر چھا گیا تھا۔ میں لگامیں سمیٹ کر اس کی پشت سے جا لگا اور تن بہ تقدیر ہو گیا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا؟

برفزاروں کا علاقہ گزر گیا اور جنگلاتی خطہ شروع ہو گیا۔ گھوڑے کو بھاگتے ہوئے نجانے کتنی دیر گزر چکی تھی۔ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں رہا تھا۔ بس اتنا جان پایا تھا میں کہ گھوڑا سورج کے مخالف رخ بھاگا تھا اور سورج اس وقت اپنا نصف دائرہ مکمل کر چکا تھا۔ گویا میرا رخ شمال یا شمال مغرب کی سمت تھا۔

ذی آنا کا علاقہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ میرے اردگرد ایستادہ تیزی سے گزرتے درختوں کے سائے لمبے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ گویا سہ پہر ڈھلنے لگی تھی۔ اس برفانی علاقے میں بھی گھوڑے کے جسم سے پسینہ پانی کی دھاروں کی صورت پھوٹ رہا تھا لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ خدا معلوم کیسا آسیب اسے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا کہ ایک پل دم لینے کی مہلت بھی نہیں دے رہا تھا۔

یہ سفر جیسے اچانک شروع ہوا تھا، ویسے ہی اچانک ختم ہو گیا۔ گھوڑے کو دوڑتے

دوڑتے ٹھوکر لگی، اس کی دل دہلا دینے والی ہنہناہٹ میں مجھے ہزاروں چیخیں سنائی دیں۔ اس کا دایاں سم زمین سے ابھرے ہوئے ایک پتھر سے ٹکرا گیا تھا۔ گھوڑا میرے سمیت ہوا میں بلند ہوا اور ترچھے رخ پر اڑتا ہوا ایک درخت سے جا ٹکرایا۔

تصادم کی شدت سے میرا پورا جسم جھنجھنا کر رہ گیا۔ گھوڑے اور درخت پر جو گزری، وہ بتانے کی شاید ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ جب میں دونوں کے الجھے ہوئے جسموں کے ڈھیر سے خود کو چھڑا کر باہر نکلا تو ان میں سے کسی ایک کا وجود بھی سلامت نہیں تھا۔

میں نے ایک تاسف آمیز نگاہ گھوڑے پر ڈالی۔ اس کا بدن ساکت تھا، تڑپنے پھڑکنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا غریب کو۔ پہلے ہی بے زبان تھا اور اب تو بے جان بھی ہو گیا تھا۔ میں کس سے پوچھتا کہ آخر میری سواری کے جانور کو کیا دورہ پڑا تھا کہ آہوئے مرگ دیدہ کی مانند بھاگ اٹھا تھا اور اب اس نے مجھے کہاں لا پھینکا تھا؟

جنگلاتی خطہ شروع ہونے کے بعد گھوڑے نہ جانے کن کن پیچ وخم سے گزرا تھا۔ سمت کا کچھ اندازہ نہیں رہا تھا۔ اب ذی آنا واپسی کی صورت کیسے پیدا ہو گی؟ میرا اس جگہ آنے کا مقصد اور مجھے مہذب دنیا میں واپس پہنچانے کا راستہ ان کے سوا یہاں اور کون جانتا تھا؟ اگر میں ذی آنا واپس نہ پہنچ پاتا تو مرتے دم تک اسی علاقے کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہتا۔

میں نے ایک دفعہ پھر اردگرد کے علاقے پر نگاہ دوڑائی۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، بلند و بالا درخت اور ان کے درمیان مسطحات کا ایک طویل سلسلہ پھیلا نظر آ رہا تھا۔ اس جنگل میں جانور بھی یقیناً تھے، کیونکہ جابجا سرسراہٹوں اور آہٹوں کا شور بھی تھا۔ میں تھوڑی دیر اپنی جگہ کھڑا سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے، پھر یہی فیصلہ کیا کہ حرکت میں برکت ہے اور ایک سمت کا انتخاب کر کے اس طرف چل پڑا۔ اب قدم جہاں لے جائیں۔

چلتے چلتے رات ہو گئی۔ جنگل کے ختم ہونے کے کوئی آثار پیدا نہیں ہوئے تھے۔ مجھے تھکاوٹ تو محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن یہ بھی تھا کہ رات کے وقت چلتے چلے جانا

بھی مناسب نہ تھا۔ اندھیرے میں سمت کا تعین کرنا محال تھا اور عین ممکن تھا کہ میں ان درختوں کے درمیان میں ساری رات ایک ہی دائرے میں گھومتا رہتا اور اپنی طرف سے سمجھتا کہ راستہ طے کرتا چلا جا رہا ہوں۔ چنانچہ ایک جگہ قیام کے لئے منتخب کر کے میں لیٹا اور تھوڑی ہی دیر میں سو گیا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ ایک سرسراہٹ سنائی دی اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ سرسراہٹ کی وجہ تو سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن کچھ فاصلے پر روشنی محسوس ہوئی.......... کسی نے شاید آگ جلا رکھی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ اس جنگل میں کسی انسان کی موجودگی بعید از امکان تھی، لیکن انسان کے علاوہ یہاں آگ جلانے والا اور ہے کون۔ ایک خیال یہ بھی ذہن میں آیا کہ یہ شاید غول بیابانی میں سے ایک ہے جو آگ روشن کیے ہوئے ہے لیکن آگ کی روشنی میں مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ آخر آگ کس نے روشن کی؟ لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کرنے والا تو کوئی انسان ہی ہو سکتا ہے۔ کیا اس جگہ مجھ سے صرف دو گز کے فاصلے پر کوئی انسان موجود ہے، اور موجود ہے تو کون ہو سکتا ہے؟ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟

میں ہچکچاہٹ کے عالم میں اپنی جگہ کھڑا اس روشنی کو دیکھتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اب میں کوئی معمولی انسان نہیں رہا اور مجھ سے بدرجہا کمزور انسانوں نے بڑی بڑی مہمات سر کیں اور انتہائی خوفناک حالات میں بھی اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے۔ آگ میرے سامنے ہے تو اس کا راز جاننے کی کوشش کیوں نہ کروں؟ چنانچہ میں تیز قدموں سے اس جانب چل پڑا۔

آگ کے قریب پہنچنے میں مجھے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کر کے الاؤ روشن کیا گیا تھا لیکن اطراف میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آگ روشن کرنے کی لکڑیاں جس انداز میں جمع کی گئی تھیں ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی انسان کا ہی کارنامہ ہے لیکن وہ انسان کہاں ہے؟ کیا وہ میری گھات میں ہے..........؟

میں چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر آگ کے قریب بیٹھ گیا۔ اب جو کوئی

بھی ہے اور جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے کر لے۔ دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا اور پھر واقعی حیرت ہونے لگی۔ آگ مدھم پڑتی جا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ آگ جلانے والا آگ جلا کر آخر کہاں فرار ہو گیا؟ اور پھر میری نگاہ کچھ فاصلے پر پڑی اور میں اچھل پڑا..........

کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ صاف نظر نہیں آ رہا تھا لیکن تھا کوئی انسان ہی۔ اس سے پہلے بھی میں یہ جگہ دیکھ چکا تھا لیکن وہ یہاں موجود نہیں تھا اور اب اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں حیرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ جب اس کی طرف سے کوئی جنبش نہ ہوئی تو میں خود ہی اپنی جگہ سے اٹھا اور محتاط قدموں سے اس کے قریب گیا۔ ایک بار پھر مجھے ذہنی جھٹکا برداشت کرنا پڑا..........

وہ ایک عورت تھی۔ بلند و بالا قد و قامت کی مالک اور شاید جوان بھی، قریب سے دیکھنے پر اندازہ بخوبی ہو جاتا تھا۔ گھٹنوں میں سر دیئے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ قدموں کی چاپ پر اس نے گردن اٹھائی۔ عجیب پراسرار سا انداز تھا.......... مجھے حیرت سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جانا پڑا..........

چند لمحے وہ مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہ بے حد دلکش تھی، مسکراہٹ میں بھی بڑی دلکشی تھی۔ خدوخال بھی بے حد حسین تھے، چمپئی رنگ، کسی قدر موٹے ہونٹ لیکن انتہائی پرکشش، ستواں ناک اور سب سے حسین چیز جو اس کے چہرے پر تھی، وہ اس کی آنکھیں تھیں۔ گہری سیاہ، دل میں اتر جانے والی حسین آنکھیں۔ میں ایک لمحے کے لیے اس کے سحر میں کھو گیا۔ اس ایک لمحے میں مجھے یاد نہ رہا تھا کہ میں کس صورت حال سے گزر رہا ہوں۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکراتی رہی۔ اس طرح بیٹھنے سے اس کے لمبے اور سیاہ بال زمین پر بکھر گئے تھے۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے اور اس کے بعد میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''تم کون ہو؟''

اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ختم ہو گئی اور وہ اب سادہ سی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ کھولے اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا قد و قامت تھا.......... وہ ریڈ انڈین طرز کی کسی کھال کی پتلون پہنے ہوئے تھی جس میں

لوہے کے کچھ کڑے جھول رہے تھے۔ لمبے لمبے ہاتھ پاؤں، بلند و بالا قد، انتہائی متناسب بدن.......... وہ گھومی اور ایک دوشاخہ درخت کی جانب چل پڑی۔ مجھے اس طرف سے گھوڑے کی کھر کھر کی آواز سنائی دی اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ ویسے بھی ظاہری امر تھا کہ وہ گھوڑے پر ہی یہاں تک آئی ہوگی۔

میں انتظار کرتا رہا۔ وہ چند لمحوں میں واپس آ گئی۔ کچھ چیزیں اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھیں۔ اس نے نیچے بیٹھ کر کسی درخت کے چوڑے پتے زمین پر بچھائے اور پھر ایک کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکال کر ان پتوں پر رکھ دی۔ میں نے غور سے دیکھا تو کسی جانور کی بھنی ہوئی ران تھی۔ میری بھوک پیاس میرے اختیار میں تھی لیکن ایسا اشتہا انگیز مینو سامنے دیکھ کر میری آنتیں خود بخود قل ھو اللہ پڑھنے لگیں۔ اس نے پانی کا ایک برتن بھی میرے سامنے رکھ دیا جو لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ گویا وہ میری ضیافت کرنا چاہتی تھی لیکن بالکل خاموش.......... اس کی زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکلا تھا۔

میں نے اس کی جانب دیکھا تو اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور ران کی جانب اس طرح اشارہ کیا جیسے مجھ سے کہہ رہی ہو کہ دیر نہ کرو.......... میں نے اسے بھی شمولیت کا اشارہ کیا لیکن وہ پھر اپنی جگہ جا کر بیٹھ گئی اور میں دانتوں سے ران کا گوشت ادھیڑنے لگا۔ انتہائی نرم اور خستہ گوشت تھا، بالکل پھیکا۔ نمک وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن بھنا ہوا تھا چنانچہ میں اسے دانتوں سے ادھیڑ کر معدے میں اتارتا رہا۔ وہ مطمئن انداز میں بیٹھی تھی۔ معدے میں کچھ وزن پیدا ہوا اور طبیعت میں بحالی سی آ گئی۔

اب میں اس صورت حال سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے میں نے سسپنس اور ایڈونچر کی نہ جانے کتنی کہانیاں لکھی تھیں، لیکن اب میری زندگی خود ایک ایڈونچر کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ میں اپنی آپ بیتی مہذب دنیا کے کسی شخص کو سناتا تو شاید وہ مجھے دنیا کا سب سے بڑا گپ باز سمجھتا۔

اس نے ابھی تک میری کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ انگریزی نہیں سمجھتی۔

معدے کے وزن نے آنکھوں میں نیند لانی شروع کر دی چنانچہ میں وہیں لیٹ گیا اور خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے بھی اسی طرح گھٹنوں میں منہ دے کر سر چھپا لیا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ میں نے جب بھی اسے دیکھا وہ مجھے اسی طرح بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ جانے کیوں ایک بے چینی کا احساس ہونے لگا لیکن پھر نیند نے تمام احساسات چھین لیے اور میں گہری نیند سو گیا..........

دوسری صبح آنکھ کھلی تو چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ لڑکی کہیں نہیں تھی۔ اس کا گھوڑا بھی غائب تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس درخت کے عقب میں پہنچ گیا جہاں کل رات اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ موٹے کینوس کا ایک تھیلا وہاں موجود تھا جو انتہائی جدید ساخت کا تھا۔ اس میں زپ لگی ہوئی تھی۔ زپ میں مخصوص نمبروں سے کھلنے والا تالا، اسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ اس لڑکی کے پاس اس تھیلے کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟ وضع قطع سے تو وہ بالکل ایسی دکھائی نہیں دیتی تھی کہ اس کے پاس ایسی جدید چیزوں کی توقع کی جا سکے۔

میں نے ٹٹول کر تھیلے کو دیکھا۔ جانے کیا کیا الم غلم، اس میں بھرا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا کروں؟ ایک لمحے کے لیے سوچا کہ تھیلا اٹھا کر کندھے پر ڈالوں اور یہاں سے نکل لوں.......... لیکن ابھی کوئی فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ دوڑتے گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس کے بعد میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ گھوڑے پر واپس آ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ ایک اور گھوڑا، زین اور لگام سے لیس، دوڑاتی ہوئی لا رہی تھی۔ مجھے بے حد حیرت ہوئی۔ وہ نہ جانے یہ گھوڑا کہاں سے پکڑ لائی تھی اور اس کے ارادے کیا تھے۔ کیا وہ مجھے بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی یا اس کے ساتھ کوئی دوسرا ساتھی بھی موجود تھا۔

اس کے شانوں پر کوئی چیز لٹکی ہوئی تھی، قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ شانوں پر لٹکی ہوئی چیز ہرن ہے جسے اس نے شکار کیا تھا۔ اس نے گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے ہرن کو اتار کر نیچے پھینک دیا اور پھر خود بھی گھوڑے سے نیچے اتر آئی۔ اس کے انداز میں اتنی پھرتی اور مستعدی تھی کہ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ انتہائی طاقتور اور پھرتیلی لڑکی ہے۔

اس نے تھیلے کے قریب پہنچ کر اس کا تالا کھولا اور ایک لمبا سا چھرا نکال لیا۔ اس نے چھرا ہرن کی گردن پر پھیر دیا اور ہرن کی گردن سے تازہ تازہ خون بہہ نکلا۔ پھر اس نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور انہیں اٹھا کر درخت کی ایک شاخ پر لٹکا دیا۔ اوپر سے اس نے دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر مروڑا، ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ میں نے اپنے بدن میں ایک پھریری سی محسوس کی تھی۔ اتنی طاقتور لڑکی میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے انگلیوں کی مدد سے ہرن کی کھال اتار پھینکی۔ پھر اس نے ایک کپڑا لیا اور ہرن کے اندرونی بدن کو صاف کر دیا۔

میں نے سوچا حرام خوری مناسب نہیں ہے۔ وہ صبح کے ناشتے کا ہی نہیں غالباً دن بھر کے کھانے کا بندوبست کر رہی تھی چنانچہ تھوڑی سی کاروائی میری بھی ضرور ہونی چاہیے۔ میں نے فوراً خشک لکڑیاں کی تک تکیاں تیار کیں اور ان پر ایک ایسی لکڑی رکھی جو ہرن کو آگ پر گھما سکے۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کر کے میں نے نیچے رکھ دیں۔ یہ لکڑیاں میں درخت کو توڑ کر بھی حاصل کر سکتا تھا لیکن اس کے سامنے خواہ مخواہ طاقت کا مظاہرہ مناسب نہیں تھا۔ میں اپنی ذات اور مخفی قوتوں کو حتی الوسع چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔

وہ مسکراتی نگاہوں سے کئی بار مجھے دیکھ چکی تھی۔ پھر اس نے اپنے تھیلے میں سے ماچس نکال کر میری طرف اچھال دی اور میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ محترمہ تمام انتظامات سے لیس ہیں۔ میں نے لکڑیاں سلگا دیں۔

اس دوران وہ ہرن کو پوری طرح صاف کر چکی تھی۔ پھر اس نے ٹکٹکی پر رکھی ہوئی لکڑی اٹھائی اور ہرن کو اس میں پرو دیا۔ ہرن کافی وزنی تھا لیکن لڑکی نے اس طرح اسے لکڑی میں پرو دیا تھا جیسے وہ بے وزن ہو۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وہ واقعی بہت طاقتور تھی۔

وہ پانی سے ہاتھ دھو کر ایک سمت جا بیٹھی گویا اب اس نے باقی ذمے داری میرے سپرد کر دی۔ میں خاموشی سے ہرن بھوننے لگا۔ خاموشی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ نہ میں اس کی زبان سمجھ سکتا تھا اور نہ وہ میری۔

جب ہرن تیار ہو گیا تو وہ اٹھی۔ چھرا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اسے اپنی

پتلون سے صاف کیا اور اس کا پھل زور سے ہرن کی اگلی ران پر مارا۔ اس کی ضرب میں اتنی قوت تھی کہ ہرن کی ران کی ہڈی تک کٹ گئی تھی۔ اس نے اطمینان سے چھرے کو ہرن کی پسلیوں میں دھنسایا اور اس کی ران ہاتھ میں لیے آگے بڑھ گئی۔ اپنی جگہ بیٹھ کر وہ ران کو دانتوں سے ادھیڑنے لگی۔ یہ گویا اشارہ تھا کہ اب اپنے لیے گوشت حاصل کرنا میرا سر درد ہے۔ میں نے چھرا ہرن کی پسلیوں سے نکال کر اس کی مانند دوسری ران پر نہیں مارا۔ وجہ وہی تھی۔ خواہ مخواہ اس کے سامنے طاقت کا مظاہرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ہرن کے گوشت کو ہڈی تک کاٹ لیا اور پھر چھرے کو اس جگہ سے گزارنے لگا جہاں جوڑ ہوتا ہے۔ میں اس پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں اس کے برابر طاقتور نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے ران علیحدہ کرنے کے لئے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اپنے حصے کی ران لے کر میں اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا اور ہم دونوں پیٹ بھرنے لگے۔ اس کے انداز میں بڑی وحشت تھی۔ ایک ران کھانے کے بعد اس نے دوسری ران اسی انداز میں اٹھائی اور اسے بھی چٹ کر گئی جبکہ میرے لیے ایک ہی ران کافی ثابت ہوئی تھی۔

شکم سیر ہونے کے بعد وہ اٹھ گئی تھی۔ اس کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اب وہ یہاں سے آگے کا سفر کرنا چاہتی ہے۔ میں نے ایک بار پھر اس سے دست بستہ عرض کیا کہ میں ایک غریب انسان ہوں اور اس کی ان عنایتوں کا صلہ نہیں دے سکتا چنانچہ مجھے واپس جانے دیا جائے۔ اس کے منہ سے اب بھی کچھ نہیں نکلا تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”محترمہ! اگر آپ میری زبان نہیں سمجھتیں تو اپنی ہی زبان میں کچھ بکواس فرمایئے۔“

اس نے کینوس کا تھیلا گھما کر کندھوں پر باندھا اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے انگلی سے مجھے دوسرے گھوڑے کی جانب اشارہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ گویا یہ گھوڑا میرے لئے ہی تھا۔ اس کا کوئی دوسرا ساتھی نہ تھا۔

میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی دوسرا گھوڑا سنبھال لیا اور پھر ہمارا سفر شروع ہو گیا............گھوڑے کی پشت پر وہ اس طرح جمی ہوئی تھی جیسے ساری زندگی گھوڑے کی

سواری ہی میں گزار دی ہو۔ دوپہر کو وہی گوشت کھایا گیا جو صبح کو بھونا گیا تھا لیکن یہاں اس نے باقی ماندہ گوشت محفوظ کرنے کی بجائے ایک طرف پھینک دیا۔ میں نے حیران نگاہوں سے اس کی یہ حرکت دیکھی لیکن اس کے انداز میں اعتماد تھا جیسے اس کے بعد اسے تازہ گوشت کے مل جانے کا یقین ہو۔

دوپہر کا سورج ڈھل گیا۔ گرمی نے پورا بدن پسینہ پسینہ کر دیا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی لیکن انتہائی گرم تھی اور جسم کے کھلے ہوئے حصے جھلس کر رہ گئے تھے۔ میری حالت تو ٹھیک ٹھاک تھی البتہ لڑکی کی طرف سے میں اگر پہلے تشویش کا شکار تھا تو وہ بھی اب دور ہو گئی تھی۔ میری نگاہ جب بھی اپنے گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑنے والے دوسرے گھوڑے کی سوار پر پڑتی، میں دل ہی دل میں اس کی قوت برداشت کا معترف ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اس کے چہرے پر تھکن کی ایک شکن بھی نہیں تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے چاروں طرف کے مناظر دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تھوڑی سی جھلاہٹ بھی محسوس ہوئی۔ اس گونگی ہمسفر کا کیا کیا جائے؟ کاش! وہ بولنا جانتی تو کم از کم زبان کو زنگ نہ لگتا، بہت سے عقدے حل ہو جاتے۔ میں نے دانت پیس کر دوسرے گھوڑے کی طرف دیکھا اور اس وقت وہ بھی میری جانب متوجہ ہوگئی۔ کم بخت کے چہرے پر نگاہ پڑتی تو ایک لمحے کے لیے ذہن بھٹک جاتا۔ بڑی ساحرانہ قوت تھی اس کی نگاہوں اور مسکراہٹ میں، آدمی اس میں کھو کر رہ جاتا تھا۔

شام گہری ہوگئی۔ ایک جگہ قیام کے لیے منتخب کر لی گئی اس علاقے کے بارے میں ظاہر ہے اس سے زیادہ معلومات کس کو ہو سکتی تھیں؟ جس جگہ اس نے قیام کیا تھا وہاں جنگلات تو تھے لیکن نہ ہونے کے برابر البتہ جانور یہاں بھی بھٹک رہے تھے۔ میں نے گھاس کا ایک قطعہ منتخب کیا اور وہاں لمبا لمبا لیٹ گیا۔ ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا چکرا رہا تھا۔ میں اسے سکون دینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ لڑکی پر یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ میں بہت تھک گیا ہوں۔

کافی دیر اس طرح گزر گئی۔ ذہن کو کچھ سکون محسوس ہوا تو میں نے کہنیوں کے بل ٹک کر اس کی تلاش میں نگاہیں میں دوڑائیں اور اسے دبے قدموں ایک جانب

دوڑتے ہوئے دیکھا۔

ایک اور منظر میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ خمیدہ لکڑی کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا جو سنسناتا ہوا اس کے ہاتھ سے نکلا اور سامنے دوڑنے والے ہرن کے ایک بچے کی ٹانگوں میں لگا وہ بری طرح اچھل کر نیچے گرا جبکہ لکڑی کا وہ ٹکڑا واپس اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ میرے ذہن نے فوراً ہی نعرہ لگایا۔ ''بومرینگ۔'' آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کا قدیم ہتھیار! یقینی طور پر وہ بومرینگ ہی تھا۔ جس انداز میں اس نے ہرن کے بچے کو گرایا تھا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے استعمال میں ماہر ہے۔ میں سوچنے لگا، کیا اس کا تعلق آسٹریلیا کے قدیم قبائل سے ہے، اور اگر ایسا ہے تو پھر وہ اس جگہ کیا کر رہی ہے؟

ہرن کے بچے کو اٹھا کر وہ میری طرف آنے لگی۔ اب ظاہر تھا کہ مجھے سگھڑ گھریلو خواتین کی طرح اس شکار کو بھوننے کا انتظام کرنا تھا۔ ذمے داری ایک بار قبول کر لی تھی تو اب اسے نبھانا ہی چاہیے تھا تاکہ تعاون کا اظہار ہوتا رہے اور یہ ہولناک حسینہ مجھ سے بدظن نہ ہونے پائے چنانچہ میں نے اور اس نے وہی کچھ کیا جو صبح کر چکے تھے۔ شکم سیر ہونے کے بعد بدن پر عجیب سا بوجھل پن سوار ہو گیا اور میں وہیں لیٹ گیا۔ پھر جانے کب آنکھ لگ گئی...........

دوبارہ ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹا تو رات کا ہی وقت تھا لیکن پورے دنوں کی چاندنی نے پورے جنگل کو منور کر رکھا تھا۔ میں نے گردن موڑ کر دیکھا وہ میرے قریب ہی بےسدھ پڑی ہوئی تھی۔ کچھ دیر میں اسے نظروں میں سموتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بدن میں عجیب سی چپچپاہٹ تھی، پسینے اور گرمی نے بیڑا غرق کر دیا تھا۔ خیال آیا کہ کاش! پانی ہوتا تو نہا لیتا۔ دماغ میں جانے کیا سمائی کہ ایک طرف چل پڑا۔ درندوں کا خوف دامن گیر اسے ہوتا جو ان سے مقابلہ کرنے کی قوت کا مالک نہ ہوتا۔ اوپر والے کی مہربانی سے اب میرے بدن میں ایسی قوت دوڑ رہی تھی کہ شیر تو کیا ہاتھی کو بھی بائیں ہاتھ سے سنبھال سکتا تھا۔

دل میں اچانک اٹھنے والی ہڑک پر حرکت میں آنے کا صلہ مجھے مل گیا۔ میں

اچانک ہی ایک جھیل کے کنارے پر پہنچا تھا جو درختوں نے پوشیدہ کر رکھی تھی۔ کچھ دیر ادھر ادھر کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اوپری لباس سے آزادی حاصل کر کے میں نے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔

پانی اتنا شفاف تھا کہ چاندنی میں اس کی تہہ تک نظر آتی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا لیکن مجھے کوئی آبی جانور نظر نہ آیا۔ میں اطمینان سے نہاتا رہا اور قدرت کی صناعیوں کی داد دیتا رہا۔ پھر ان صناعیوں میں ایک اور صناعی کا اضافہ ہو گیا............ میری نگاہیں اتفاقیہ طور پر ہی اس طرف اٹھ گئی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے تو دل دھک سے رہ گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آبی جانور آ گیا ہو لیکن چاندنی میں، میں نے اسے دیکھا تو میرے پورے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ میں اس کی آمد کو محسوس نہ کر سکا اور نہ ہی مجھے یہ اندازہ ہو سکا تھا کہ کب وہ پانی میں داخل ہوئی۔ مجھے وہ کوئی جل پری ہی لگی تھی۔ میں ساکت ہو کر اس کو دیکھنے لگا جو کسی جل پری کی مانند پانی میں کلیلیں کر رہی تھی۔ اس کے لمبے سیاہ بال قیامت بنے ہوئے تھے۔ جب بھی وہ کروٹ بدل کر پانی کی تہہ میں ترچھی تیرتی، مجھے محسوس ہوتا جیسے کسی نے کمان سے تیر چھوڑا ہو۔ تیرنے کا انداز بھی میرے لیے بالکل اجنبی اور انوکھا تھا۔ وہ میرے اطراف ہی میں چکرا رہی تھی اور میں شدت حیرت سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ میرے پورے بدن میں چیونٹیاں چلنے لگی تھیں اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ آسمان پر چاند کے بجائے سورج دوبارہ نکل آیا ہو۔

میری آنکھوں میں جلن پیدا ہونے لگی۔ میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس پر نگاہیں ہی نہ ٹک پا رہی تھیں۔ پھر اچانک یہ احساس ہوا کہ جس طرح میں اسے دیکھ سکتا ہوں اسی طرح وہ بھی مجھے دیکھ سکتی ہے اور جانے کیوں مشرق میرے ذہن میں آ رچا۔ میں نے فوراً کنارے کی جانب تیرنا شروع کر دیا لیکن آفت کی وہ پرکالہ بار بار میرے سامنے آ جاتی جیسے میرا راستہ روکنا چاہتی ہو لیکن ساتھ یہ بھی چاہتی ہو کہ جانے والا خود رکے مگر ان تلوں میں تیل تھا ہی کب۔

کنارے پر آ کر میں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر اسے دیکھتا رہا اور وہ چاندنی کا ہیولا بنی جھیل گردی کرتی رہی۔ بلاشبہ یہ میری زندگی کا اتنا حسین منظر تھا کہ

میں نے کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ ایک طرح سے جائز نہیں ہے۔ ذہن پر خواہ مخواہ اخلاقیات کے لبادے آ پڑے اور میں وہاں سے پلٹ آیا۔ یہ الگ بات تھی کہ دل کو قرار نہ تھا۔ آنکھیں بند کیں تو وہ پوری جھیل سمیت آنکھوں میں اتر آئی۔ ایک لمحے کے لیے میں نے دل میں سوچا کہ شاید وہ میرے اس رویئے سے بددل ہو گئی ہو۔ وہ تو اپنے طور پر میرا ساتھ قبول کر چکی تھی لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور زمین پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی۔ وہ آ گئی تھی............ میں نے آنکھوں میں درز پیدا کر کے اسے دیکھا اور اس دن مجھے پتہ چلا کہ بھیگا حسن کتنا دلفریب اور توبہ شکن ہوتا ہے۔ اس نے میری طرف نہیں دیکھا اور کچھ فاصلے پر جا کر اپنے مخصوص انداز یعنی گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔ میں نے پوری آنکھیں کھول دیں۔ پتہ نہیں اس کے ذہن میں کیا کیا خیالات گردش کر رہے تھے؟ لیکن میں اپنے خیالات کا اظہار اس پر قطعی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر میں یوں ہی لیٹا رہا۔ پھر نیند کی دیوی آنکھوں میں پیوست ہو گئی اور میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح وہ پرسکون تھی۔ ناشتہ رات کے بھنے گوشت کا ہی تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس نے نیا شکار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے اسے دیکھا اور رات کا منظر میری نگاہوں کے سامنے آ گیا لیکن میں نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔ وہ بھی اپنے چہرے سے کسی خاص کیفیت کا شکار نظر نہ آ رہی تھی۔ اس کے انداز میں بیزاری تھی نہ روکھا پن، جیسے جو کچھ ہوا ہو وہ اس کے لیے بالکل تعجب خیز نہ ہو۔ میں نے اگر اس کی نسوانیت کو قبول نہیں کیا تھا تو اس نے اس پر ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنا تھیلا معمول کے مطابق کندھوں پر باندھا۔ میں جانتا تھا کہ اب گھوڑوں کے سفر کا آغاز ہو جائے گا چنانچہ میں نے بھی تیاریاں کیں اور بالآخر اس کے گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد خود بھی سوار ہو گیا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں؟ میں نے دل میں یہ فیصلہ

ضرور کیا تھا کہ اگر مجھے کسی دوسرے انسان کا وجود نظر آ گیا تو یقینی طور پر ان خاتون کو بھی ان کی قسمت پر چھوڑنے کی کوشش کروں گا۔ ظاہر ہے زبان ہی نہیں ہے اس کے پاس جو مجھے یہ پتہ چل سکے کہ آخر وہ کون سے جہنم میں جا رہی ہے۔ اس دن کا سفر بھی دوسرے دن کے سفر سے مختلف نہیں تھا۔ دوپہر کو ہم ایک پتھریلے میدان سے گزرے جس میں پیلے رنگ کی باریک باریک ریت بچھی نظر آ رہی تھی۔ اس کے انتہائی سرے پر ہمیں کچھ کھنڈرات نظر آئے۔

میں حیرت زدہ نگاہوں سے ان کھنڈرات کو دیکھنے لگا۔ اس دور دراز علاقے میں یہ کھنڈرات کیا حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں تو اس جدید ترین دور میں بھی باقاعدہ عمارات یا مکانات بنانے کا رواج نہیں تھا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر خود ہی برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھلا مجھے ان کھنڈرات کے بارے میں کیا بتا سکتی تھی؟

میرا رخ بھی ان کھنڈرات کی جانب تھا۔ گھوڑوں کو سفر میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی لیکن وہ بھی پسینے میں تر تھے۔ جب کچھ اور آگے بڑھے تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ کھنڈرات نہیں بلکہ پہاڑیاں ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے جن میں ہواؤں نے سوراخ کر کے انہیں عجیب و غریب شکلیں دے دی تھیں۔ دروازے غلام گردشیں، چھتیں، سائبان سب کے سب ہوا کی تراش کا کمال پیش کر رہے تھے۔ بہت عجیب اور پراسرار جگہ تھی۔ الگ الگ بنے ہوئے ان کھنڈرات کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ غول بیابانی کیا چیز ہوتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم ان کھنڈرات کے قریب پہنچ گئے ایک درمیانے راستے میں پہنچے تو ایسی عمدہ ٹھنڈک محسوس ہوئی جیسے ایئر کنڈیشنڈ عمارت میں آ گئے ہوں۔ اس نے گھوڑا روک دیا اور میں بھی فوراً گھوڑے کو روک کر نیچے کود پڑا وہ بھی شاید یہاں قیام کرنے پر آمادہ نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ دونوں گھوڑوں کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور ان کی لگامیں ایک پتھر سے الجھا دی گئیں۔ میں نے ایک صاف و ہموار جگہ دیکھی اور پھر وہیں دراز ہو گیا۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بھی اس آرام سے

متفق ہو اور پھر خود بھی بے سدھ ہو کر ایک طرف لیٹ گئی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ ہمیں اسی طرح لیٹے لیٹے گزر گیا۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ایک پتھر کے نوک دار ٹکڑے سے پہاڑ کی سل پر کچھ لکیریں کاڑھنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان لکیروں کا کاڑھنا بے مقصد نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی تھا جسے وہ بار بار دیکھتی جا رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے کھنکارا تو وہ میری جانب متوجہ ہو گئی۔ اس کی حسین آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے پھر چمک لہرائی۔ دوسرے لمحے اس نے اپنا ہاتھ میری جانب اٹھایا اور قریب آنے کا اشارہ کرنے لگی۔

''خیریت............؟'' میں نے بیزاری سے پوچھا۔

اس نے زور زور سے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے کاغذ کا ایک نیلے رنگ کا ٹکڑا میرے سامنے کر دیا۔ اس پر غالباً واٹر کلر سے کچھ تصویریں بنائی گئیں تھیں۔ لکیریں، نشانات اور ایسی ہی دوسری چیزیں............ کاغذ کا یہ ٹکڑا غالباً بڑی احتیاط سے رکھا گیا تھا۔

لڑکی نے پتھر کے نوکیلے ٹکڑے سے ان کھنڈرات کی طرف اشارہ کیا اور کاغذ کو نوک سے کھٹکھٹانے لگی۔ مقصد یہ تھا کہ کیا کاغذ پر بنے ہوئے نقشے میں یہ کھنڈرات نمایاں نظر نہیں آتے؟ اس کی نگاہیں سوالیہ انداز میں میری جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ طوعاً و کرہاً میں نے اس کے مشغلے میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ میں نے اس کی بنائی لکیروں کو دیکھا اور مجھے احساس ہوا کہ جن راستوں سے ہم گزرتے آئے ہیں، ان کی نشاندہی ان لکیروں میں کی گئی ہے۔ میرے دل میں ایک تجسس اور دلچسپی سی جاگ اٹھی۔ میں نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو ہاتھ میں لیا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ درمیان سے پھٹا ہوا تھا۔ اس کی لمبائی بتاتی تھی کہ کم از کم اتنا ہی لمبا ٹکڑا اس میں اور شامل ہو گا لیکن اب وہ آدھا تھا۔ وہ غالباً مجھ سے اپنے بنائے ہوئے نقشے کی تصدیق چاہتی تھی چنانچہ میں نے گردن ہلا کر آہستہ سے کہا۔

''بالکل............ تم نے اس کی نقل بالکل ٹھیک کی ہے۔'' میں انگلی سے کھنڈرات کے نشانات کھٹکھٹانے لگا اس کی آنکھوں میں اطمینان کے آثار نظر آئے۔

"باقی آدھا ٹکڑا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا لیکن وہ سپاٹ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔

"تم اپنے مطلب کی تمام باتیں سمجھ لیتی ہو جو میں کہتا ہوں وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے کاغذ کا ٹکڑا لے کر احتیاط سے تہ کیا اور اسے اپنے لباس میں رکھ لیا۔

پھر وہ پتھر کا نوکیلا ٹکڑا لے کر کچھ اور لکیریں کاڑھنے لگی جو ان کھنڈرات سے آگے کی تھیں لیکن پھر میں نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا۔ وہ ناگن کی طرح پلٹی اور میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک سوالیہ نشان سا تھا لیکن میں اس کا سوال نہیں سمجھ سکا تھا۔

پھر اس نے اوندھے لیٹ کر زمین سے کان لگا دیئے۔ غالباً کوئی نئی افتاد پڑی تھی اس پر.......... میں اسے دیکھتا رہا۔ زمین پر کان لگانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پھر وہ برق رفتاری سے پلٹی اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے پیروں سے جلدی جلدی وہ نقشہ مٹا دیا۔

میں اس کی بوکھلاہٹ کی وجہ نہیں سمجھ سکا تھا لیکن باہر سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ تب صورتحال کافی حد تک میری سمجھ میں آ گئی۔ اس نے پھرتی سے اپنا تھیلا اٹھایا اور کندھے پر لادنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی کی آمد سے خوفزدہ ہو کر یہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے اس طرف بڑھنے لگی جدھر گھوڑے کھڑے تھے۔ ابھی ہم گھوڑوں کے قریب پہنچے ہی تھے کہ فائر کی آواز سنائی دی اور گولی اس جگہ سے صرف چند گز کے فاصلے پر پتھر کی ایک چٹان سے ٹکرائی جہاں ہم دونوں موجود تھے۔ میرے منہ سے ایک آواز نکل گئی۔ اب دیر کرنا مصیبت کو آواز دینا تھا۔ کوئی آ گیا تھا چنانچہ ہم نے گھوڑوں کو دوڑا کر دوسری طرف چھوڑ دیا..........

اب مسلسل گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پہاڑی کھنڈرات کے دوسری جانب کافی دور تک وہی پیلے رنگ کا میدان چلا گیا تھا اور اس کے بعد چھدرے چھدرے درختوں کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ گویا لڑکی کی یہی کوشش تھی کہ وہ درختوں میں پہنچ جائے لیکن یہ کون لوگ تھے اور لڑکی ان سے خوفزدہ کیوں تھی؟ یہ نیا سوال ذہن

میں پیدا ہوتا تھا۔ اب تک صرف وہی منظر عام پر رہی تھی لیکن اب کچھ اور لوگ بھی اس میں ملوث ہو گئے تھے۔ اگر اتفاقیہ طور پر ہم دونوں کو کسی نے یہاں دیکھ لیا تھا تو پھر گولیاں چلانے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ یہ سوالات صرف میرے ذہن ہی میں پیدا ہوئے تھے اور یقیناً ذہن ہی میں مر جانے والے تھے کیونکہ ان کا جواب مجھے کہاں سے ملتا؟ ویسے بھی یہ سوال و جواب کا وقت نہیں تھا کیونکہ عقب سے جس انداز میں گولیاں برسائی جا رہی تھیں اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ بمشکل تمام ان لوگوں نے ہمیں...... کم از کم اس لڑکی کو...... پایا ہے اور اب اس کی جان لے لینا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میری زندگی کو بھی خطرہ لاحق تھا یا نہیں، اس سے میں واقف نہیں تھا۔ میرا جسم بے شک فولادی تھا لیکن یہ فولادی جسم گولیوں کو روکنے میں کامیاب ہوتا ہے، یا نہیں، یہ بات میں نہیں جانتا تھا اور یہ وقت ایسا کوئی تجربہ کرنے کے لئے قطعی موزوں نہیں تھا۔ اس وقت صرف ایک ہی کوشش زیادہ سودمند تھی اور وہ یہ کہ یہاں سے نکل بھاگا جائے۔

کئی گولیاں سنسناتی ہوئی ہمارے پاس سے گزر گئی تھیں۔ لڑکی کے گھوڑے نے اچانک ہی ایک زوردار ٹھوکر کھائی۔ ایک گولی اس کی ران میں لگی تھی۔ گھوڑا ہنہنا کر الٹ گیا اور منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ میں نے گھوڑے کی لگامیں کھینچیں۔ میرا خیال تھا کہ لڑکی گئی کام سے لیکن میں نے حیرت انگیز طور پر اسے زمین پر چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہاتھوں کے بل زمین پر گری اور الٹی قلابازیاں کھا کر کھڑی ہوگئی لیکن دوسری قلابازی اس نے پھر کھائی اور اس کے نتیجے میں وہ میرے گھوڑے پر پہنچ گئی۔ اس نے گھوڑے کی لگامیں اپنے ہاتھوں میں پکڑ لی تھیں اور میرے بازوؤں کے نیچے سے ہاتھ نکال کر گھوڑے کو دوڑا رہی تھی۔ اتنی برق رفتاری کا مظاہرہ بلاشبہ ناقابل یقین تھا لیکن صورتحال اس وقت یہی تھی کہ ایک لمحے کی تاخیر نہ کی جائے..........

ہم نے ایک بار بھی پلٹ کر ان لوگوں کو نہ دیکھا جو ہم پر گولیاں برسا رہے تھے۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کتنے فاصلے پر اور کتنی تعداد میں ہیں.......... بالآخر ہم چھدرے درختوں کی آڑ میں آ گئے لیکن یہ درخت ہمارے لیے جائے پناہ نہیں تھے۔ ان میں ہمیں بہت زیادہ تحفظ نہیں مل سکتا تھا۔ گھوڑا بدستور دوڑتا جا رہا تھا۔ اب عقب سے

گولیاں نہیں برسائی جا رہی تھیں۔ غالباً ہم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے لیکن لڑکی نے گھوڑے کی رفتار کم نہیں کی۔ کافی فاصلے پر پہنچنے کے بعد جنگل گھنا ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن لڑکی پناہ لینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس نے بائیں سمت کا رخ کیا حتیٰ کہ ہم ایک ایسے مقام پر جا نکلے جو کسی قدر محفوظ محسوس ہوتا تھا۔ یہاں بھی جنگل ہی تھا لیکن درخت ایک دوسرے سے تقریباً جڑے ہوئے تھے ہم ان درختوں کے درمیان پہنچ گئے۔

جنگل میں کافی دور تک نکلنے کے بعد ایک جگہ نسبتاً صاف ستھری نظر آئی جہاں پہنچ کر اس نے گھوڑا روک لیا اور پھرتی سے نیچے اتر گئی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس لڑکی سے دور چلا جاؤں لیکن پھر وہی سوچ دامن گیر ہو گئی کہ میں اس ہولناک جنگل میں جاؤں گا کہاں؟ کسی ٹھکانے کی جگہ تک پہنچنے کے لئے اس لڑکی کا ساتھ بہت ضروری تھا۔

چنانچہ میں بھی مجبوراً گھوڑے سے اتر آیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اور اس کے کان مسلسل کھڑے تھے جیسے وہ دور دور کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ گھوڑے کو ایک طرف چھوڑ دیا گیا اور ہم لوگ ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

''اے خاتون مصیبت جہاں! اب کیا ارادہ ہے؟ کیا ان جنگلوں ہی میں ہماری زندگی بسر ہو جائے گی؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر اس نے میرے بازو کو تھپتھپایا اور ایک سمت بڑھ گئی۔ پتہ نہیں کم بخت نے کیا دیکھ لیا تھا۔ وہ تقریباً پندرہ گز تک مجھے اسی طرح ساتھ لیے آگے بڑھتی رہی۔ اب میں نے بھی وہ چٹانیں دیکھ لیں جو عجیب وغریب تھیں۔ گھاس سے ڈھکی ہوئی دو چٹانیں جن کے نیچے سوراخ نظر آ رہے تھے۔ غالباً یہ غاروں کا کوئی علاقہ تھا۔ ہم ایک غار کے سامنے رک گئے۔ لڑکی نے ایک لمحے کے لیے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس نے ایک غار کے دہانے کے قریب پہنچ کر اندر قدم رکھ دیا لیکن دوسرے لمحے ایک وحشت ناک قہقہہ سنائی دیا اور لڑکی چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔

اندر سے کوئی ہنستا ہوا نکلا اور میرے شانوں کو چھوتا ہوا ایک لمبی زقند لگا کر

سامنے کی سمت بھاگ گیا۔ میں حیرت سے منہ کھولے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بھاگتے ہوئے جانور کی پشت نہ دیکھتے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ کوئی انسان ہے جس نے قہقہہ لگایا اور فرار ہو گیا۔ عجیب وغریب جانور تھا، کنگرو کی طرح اچھلتا ہوا بھاگ رہا تھا لیکن اس کا قہقہہ انسانی قہقہے سے کتنا مشابہہ تھا۔ لڑکی نے ایک گہری سانس لی اور پھر اس غار میں داخل ہو گئی۔

چند لمحوں بعد وہ مایوسی سے باہر نکل آئی۔ غار اتنا کشادہ نہیں تھا کہ ہم دونوں اس میں پناہ لے سکتے تاہم اتنا ضرور تھا کہ ہم اس میں چھپ کر بیٹھ سکتے تھے۔ لڑکی نے باہر نکل کر چند لمبی لمبی جھاڑیاں کاٹیں اور انہیں غار کے دہانے پر اس طرح ڈال دیا کہ وہ اسی کا حصہ معلوم ہوں۔ جگہ کیسی بھی تھی لیکن محفوظ تھی اور ہمیں اس میں دشمنوں سے پوشیدہ رہنے میں مدد ملتی۔ گھوڑے کی موجودگی البتہ باعث تشویش تھی اور اس سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ لوگ گھوڑے کو دیکھنے کے بعد ہمیں آس پاس ہی تلاش کریں گے۔ بہتر تھا کہ گھوڑے کو کہیں ادھر ادھر کر دیا جائے۔

میں نے اس سے کچھ کہنا چاہا لیکن جھنجھلا کر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھتی تو اس سے کچھ کہتا! جو کچھ کرنا تھا خود ہی آگے بڑھ کر لینا چاہا لیکن اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے روک لیا۔ وہ میرا ارادہ سمجھی تھی یا نہیں، یہ میں نہیں جانتا البتہ اتنا ضروری سمجھ گیا تھا کہ وہ اس وقت میرے غار سے باہر نکلنے کے حق میں نہیں ہے۔

کافی دیر گزر گئی اور اس کے بعد غالباً شام جھکنے لگی۔ سورج اپنا سفر طے کر چکا تھا، جھکتی ہوئی شام تیزی سے یہاں کے ماحول پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ ویسے بھی گھنے جنگل تھے اور سورج یہاں بہت کم اپنی حشر سامانیوں کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ کوئی سرسراہٹ سی ابھری تو میں نے چونک کر گردن باہر نکالی۔ لڑکی نے فوراً ہی مجھے پیچھے کھینچ لیا لیکن اتنی دیر میں، میں باہر کا جائزہ لے چکا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک سیاہ سی چیز نظر آئی جو آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ ذرا دیر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی انسان ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمنوں نے ہماری سمت کا صحیح اندازہ لگا لیا تھا اور یہاں تک پہنچ گئے۔

میں دم سادھے بیٹھا رہا۔ قدموں کی آوازیں آہستہ آہستہ آگے بڑھتی محسوس ہوئیں۔ وہ کئی تھے لیکن ہمیں نظر نہیں آرہے تھے۔ ہم سانس روکے بیٹھے رہے۔ لڑکی کی طرف سے بھی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی جس سے احساس ہوتا تھا کہ وہ بھی پوری طرح محتاط ہے۔ آہٹیں کچھ دیر تک سرسراتی رہیں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ لڑکی اپنی جگہ سے باہر نکل آئی اور اس نے میرا کالر پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔

''اب کیا مصیبت نازل ہوگئی تم پر؟'' میں نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا لیکن اس نے اتنی زور سے مجھے کھینچا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نہ اٹھا تو کالر پھاڑ ڈالے گی۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ عجیب مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ یہ جگہ تو میرے خیال میں کافی محفوظ تھی۔ اس نے مجھے کھڑا کیا اور اس کے بعد ایک طرف گھسیٹنے لگی گویا وہ یہ جگہ چھوڑ دینا چاہتی تھی۔

ابتدا میں تو میری سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن بعد میں میں نے جب غور کیا تو میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ ایک بہترین اقدام تھا وہ لوگ جس راستے پر تلاش کر کے یہاں تک پہنچے تھے لڑکی اسی راستے پر جا رہی تھی۔ اس سے یہ فائدہ ہو سکتا تھا کہ اب وہ لوگ ہمیں اس سمت تلاش نہیں کریں گے۔ ممکن ہے وہ ان چٹانوں کو بھی تلاش کر لیں جن کے درمیان سوراخ بنے ہوئے تھے۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ لڑکی اتنی بے وقوف نہیں ہے جتنی میں سمجھ رہا تھا۔

ہم دیر تک سفر کرتے رہے۔ پھر ہمیں کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی جس راستے پر ہم جا رہے تھے وہاں جنگل زیادہ گھنا اور خوفناک ہوتا چلا گیا تھا۔ بعض جگہ زمین پر دلدل بھی محسوس ہو رہی تھی جو گھاس میں چھپی ہوئی تھی لہٰذا سفر میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی۔ لڑکی ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی کافی پرسکون تھی۔ خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بار پھر ہم نے ایک جھنڈ میں پناہ لی۔ درختوں کے درمیان قد آدم گھاس اگی ہوئی تھی۔ میرے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے اور میں دور دور تک کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اطراف میں کوئی آواز نہیں تھی۔ لڑکی یہاں کافی دیر رکی۔ آہستہ آہستہ چاند نکل آیا تھا اور چاندنی درختوں سے چھن چھن کر پہنچ رہی تھی جس سے بعض حصے اچھے

خاصے روشن ہو گئے تھے۔ درخت یہاں بھی گھنے اور آپس میں جڑے ہوئے تھے اور زمین کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ انسانی قدموں سے نا آشنا ہے۔

کچھ فاصلے پر ہمیں جانوروں کی خشک ہڈیاں بکھری نظر آ رہی تھی۔ کئی منٹ یہاں گزارے اور اس کے بعد پھر یہاں سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ درختوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر پتھریلا میدان آ رہا تھا۔ لڑکی مقامی جغرافیے سے خوب اچھی طرح واقف تھی اور ایسے راستوں پر جا رہی تھی جو مشکل نہیں تھے یہاں تک کہ آہستہ آہستہ رات ختم ہو گئی۔

ہم تھوڑی دیر رک جاتے اور اس کے بعد پھر سفر کرنے لگتے۔ غالباً لڑکی راتوں رات ان لوگوں سے اتنی دور نکل جانا چاہتی تھی کہ دن کی روشنی میں وہ ہمیں تلاش نہ کر سکیں۔ جب سورج نکلا تو ہم ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں درخت بہت کم تھے اور چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان پہاڑیاں بکثرت موجود تھیں۔ ٹیلے بالکل سنسان اور خاموش تھے۔ اطراف میں جانور وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ لڑکی یہاں دھوکا کھا گئی۔ اگر غذا کا مسئلہ پیش آ گیا تو کیا ہوگا؟ یہاں تو اس کے شکار کرنے کے لیے جانور بھی موجود نہیں تھے۔ دوسرے ہی لمحے مجھے ایک دم احساس ہوا کہ بلاشبہ یہاں ہمارے شکار کرنے کے جانور نہیں تھے لیکن ہمارے شکاری موجود تھے.........

ایک ٹیلے کے عقب سے پانچ چھ افراد نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں اور چہروں پر ایسے تاثرات نظر آ رہے تھے جیسے وہ چھپے ہوئے ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ آن کی آن میں وہ ہمارے چاروں طرف بکھر گئے۔ لڑکی پینترے بدل رہی تھی اس کی نگاہیں ان لوگوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے ان سے ہار نہ مانی ہو۔ وہ چیختے دھاڑتے ہوئے ہماری جانب لپکے اور ان کا انداز ایسا ہی تھا جیسے ہمیں دانتوں سے چیر کر رکھ دیں گے۔

میں نے کوئی مزاحمت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان لوگوں سے واقف ہی نہیں تھا۔ خدا جانے وہ کون تھے اور میرے لئے ان سے الجھنا آگے چل کر کیا نتائج لے کر

آتا۔ اس لڑکی کے ساتھ ان کا کیا جھگڑا تھا، وہ اسے محض گرفتار کرنا چاہتے تھے یا مارنا چاہتے تھے، اس کی موت یا گرفتاری سے ان کے کیا مفادات وابستہ تھے، میں جب کچھ جانتا ہی نہیں تھا تو خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کیوں پیدا کرتا۔

میں تو آسانی سے ان کی گرفت میں آ گیا لیکن لڑکی اچانک ہی زمین پر ہاتھ رکھ کر اچھلی اور اس کی دونوں ٹانگیں دو افراد کے منہ پر پڑیں۔ ان کے حلق سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ لڑکی نے چھلانگ لگائی اور ناقابل یقین برق رفتاری سے ایک ٹیلے پر چڑھ گئی۔

میں دو آدمیوں کی گرفت میں تھا لیکن میری آنکھیں لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔ آن کی آن میں وہ ٹیلے کی بلندی پر نظر آئی اور اس کے بعد دوسری طرف کود گئی۔

''لینا..........'' ان میں سے ایک دہاڑا اور پھر سب اس طرف دوڑ پڑے جو مجھے پکڑے ہوئے تھے۔ وہ مجھے بھی گھسیٹتے ہوئے اسی جانب جا رہے تھے۔ میں نے بلندی پر پہنچ کر دیکھا۔ لڑکی ٹیلوں کے دامن میں بھاگ رہی تھی۔ دو افراد پوری قوت سے اس کے پیچھے دوڑ پڑے لیکن وہ چھلاوا بنی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھ کہاں آتی!

تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر جا کر وہ رکی اور ہماری طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا جیسے الوداع کہہ رہی ہو۔ ایک بار پھر اس نے آگے چھلانگ لگا دی۔ اس کے پیچھے بھاگنے والے افراد پوری قوت سے بھاگ رہے تھے لیکن وہ کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ان کے قدم ٹھٹھک گئے اور پھر میں نے ان کے چہروں پر دہشت نمایاں دیکھی۔

وہ اچانک ہی دونوں ہاتھ بلند کر کے کھڑے ہو گئے اور پھر زور زور سے چیخنے لگے۔ میرے ساتھ موجود افراد حیران رہ گئے۔ ان دونوں نے بے اختیار مجھے چھوڑ دیا۔ میں بھی حیرت سے ان چیخنے والوں کو دیکھ رہا تھا جبکہ لڑکی دوڑتی ہوئی کافی دور نکل گئی تھی۔ اگر پیچھے والے افراد چاہتے تو اسے رائفلوں کا نشانہ بنا لیتے لیکن وہ ابھی ان چیخنے والوں کی طرف متوجہ تھے جو اپنی جگہ کھڑے چیخ رہے تھے۔

پھر میں نے ایک اور دہشت ناک منظر دیکھا۔ چیخنے والوں کے قد آہستہ آہستہ چھوٹے ہونے لگے..........فوراً ہی صورتحال سمجھ میں آ گئی۔ جس جگہ وہ کھڑے تھے،

وہاں دلدل تھی اور وہ دلدل میں بیس گز دور نکل گئے تھے۔ اب ان کے قدم دلدل میں دھنستے جا رہے تھے..........

خوف و دہشت سے میرے بدن میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میں ان لوگوں کے چھوٹے ہوتے ہوئے قد دیکھ رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر مدد کے لیے اپنے ساتھیوں کو پکار رہے تھے اور کنارے پر کھڑے آدمی بری طرح ناچ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی کس طرح مدد کریں۔

دلدل میں ڈوبنے والوں سے بہت آگے، کافی آگے وہ چھلاوہ لڑکی دوڑی چلی جا رہی تھی۔ یہ بات ناقابل یقین تھی کہ اس کے پاؤں ایک لمحے کے لیے بھی دلدل پر نہیں ٹک رہے تھے۔ بس یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے پاؤں دلدل کو چھوتے ہیں اور اس کے بعد وہ آگے چھلانگ لگا دیتی ہے بالآخر دلدلی علاقہ ختم ہو گیا۔

میں اگر چاہتا تو ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے فرار ہو سکتا تھا لیکن میں نے بھی مصلحت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ لڑکی تو نکل ہی گئی تھی اب اگر میں یہاں سے بھاگ جاتا تو بلاوجہ ان کا مجرم قرار پاتا اور پھر بھاگ کر جاتا بھی کہاں؟ اب تک لڑکی میری رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی آئی تھی، اب یہ کام ان سے لیا جا سکتا تھا۔ اگر میں ان پر ثابت کر دیتا کہ میں ان کا دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہوں تو وہ یقیناً میری مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔

اور ان پر خیر خواہی ثابت کرنے کی ایک ترکیب فوراً ہی میرے ذہن میں آ گئی۔ میں نے چیخ کر کہا۔ ''تمہارے پاس رسہ نہیں ہے اگر ہو سکے تو رسے کا انتظام کرو۔ ابھی ان لوگوں کے دلدل میں غرق ہونے میں وقت ہے۔''

میری بات غالباً ان کی سمجھ میں آ گئی۔ ان میں سے ایک آدمی نے برق رفتاری سے چھلانگ لگائی اور ایک جانب دوڑ گیا۔ ایک ڈیڑھ منٹ میں وہ واپس بھی آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں نائیلون کا ایک رسہ تھا جسے اس نے راستے ہی میں کھول لیا تھا۔

''مجھے دو..........'' میں نے کہا اور اس کے ہاتھ سے رسہ لینے کی کوشش کی لیکن جو شخص میری نگرانی کر رہا تھا اس نے مجھے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور رائفل کی نال

میرے سینے سے لگا دی۔ باقی لوگ اپنے ساتھیوں کی مدد میں مصروف ہو گئے۔ رسہ گھما کر پھینکا جاتا لیکن ہوا کے باعث ہر بار وہ ان سے کچھ فاصلے پر چلا جاتا۔

"کیا تم لوگ ان کو موت کے حوالے کرنے پر تیار ہو بے وقوف لوگو! رسہ مجھے دو۔" میں نے اس مرتبہ قدرے سختی سے کہا۔

اس بار پتہ نہیں کیوں ان میں کچھ نرمی پیدا ہو گئی۔ ایک نے رسہ میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے اپنے سامنے کھڑے شخص سے رائفل چھین لی۔ باقی دونوں نے چونک کر مجھے دیکھا اور رائفلیں میری جانب سیدھی کر دیں لیکن میں نے ان پر توجہ دینے کی بجائے جلدی سے رسے کا سرا رائفل میں مضبوطی سے باندھا اور اسے گوپھن کے انداز میں پوری قوت سے گھمانے لگا۔ اسی طرح تیزی سے گردش دیتے ہوئے میں نے رائفل سے بندھی ہوئی رسی ڈوبنے والوں کی جانب اچھال دی۔ زیادہ قوت استعمال نہیں کی تھی میں نے، ورنہ عین ممکن تھا کہ رسی میں بندھی ہوئی رائفل اتنے فاصلے پر جا کر گرتی کہ نظر بھی نہ آتی۔

رائفل ان کے قریب جا گری۔ انہوں نے پھرتی سے رسہ پکڑ کر اپنے بدن کے گرد کس لیا۔ میری اس کوشش سے رائفل بردار غالباً مطمئن ہو گئے تھے۔

اس رسے کی مدد سے انہیں کھینچا جانے لگا۔ میں اکیلا بھی ان دونوں کو کھینچنے کے لئے کافی تھا لیکن یہ کام میں نے ان کے ساتھیوں کو کرنے دیا۔ جس طرح اب تک میں نے اپنی ذات کو لڑکی سے مخفی رکھا تھا، اسی طرح ان سے بھی رکھنا چاہتا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو دلدل کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش میں وہ لوگ پسینہ پسینہ ہوئے جا رہے ہیں۔ اگر مجھے شک گزرتا تو یقیناً یہ کام خود سنبھال لیتا۔ بہر حال میں دیکھ رہا تھا کہ وہ لوگ اپنی جانب سے پوری کوشش کر رہے ہیں۔

بالآخر ان کی کوششیں رنگ لانے لگیں۔ دلدل سے ان دونوں کے بدن اکھڑنے لگے یہاں تک کہ وہ دلدل میں ایک لمبی لکیر بناتے ہوئے دور تک آ گئے۔ وہ لوگ بری طرح پسینہ پسینہ تو ہو گئے لیکن انہیں بچانے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ وہ دلدل سے نکلے تو میں بھاگ کر ان تک پہنچا۔

"پانی ہے؟" میں نے سوال کیا اور ایک شخص نے حیرت زدہ انداز میں پانی کی چھاگل میری طرف بڑھا دی۔ میں نے دونوں کو پانی پلایا اور ان کے شانے پر تھپکیاں دینے لگا۔

بدبودار دلدل سے ان کے بدن لتھڑ گئے تھے۔ انہیں صاف کرنا اتنا آسان نہیں تھا تاہم میں کوشش کرنے لگا کہ ان کے لتھڑے ہوئے بدن صاف کر دوں۔ وہ سب متحیرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں تو ان کے دشمنوں میں سے تھا۔ وہ لوگ مجھے گرفتار کرنے کی کوششوں میں رات بھر مصروف رہے تھے اور میں ان کے ساتھ یہ دوستانہ سلوک کر رہا تھا۔ وہ یقیناً حیران ہوں گے لیکن وہ میرے رویئے کے پس پردہ محرکات سے ناواقف تھے، اس لئے ان کی حیرت بجا تھی۔ کافی دیر تک میں ان لوگوں پر مصروف رہا اور آخر کار انہیں اس گندگی سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں کوئی تالاب وغیرہ نہیں ہے؟"

"آؤ.........." ان میں سے ایک نے کہا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو سہارا دے کر وہ اس طرف چل پڑے جدھر سے میں نے انہیں برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ میں نہ صرف ان کے ساتھ جا رہا تھا بلکہ ان سے زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا تب میں نے کافی فاصلے پر ٹیلوں کی آڑ میں دو گاڑیاں کھڑی دیکھیں۔ یہ لینڈ روورز تھیں۔ گاڑیوں میں کافی سامان موجود تھا۔ آس پاس اور کوئی شخص نہیں تھا۔ غالباً یہی چھ افراد یہاں موجود تھے۔

میں گاڑیوں کے قریب پہنچ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ لوگ اپنے ساتھیوں کے لیے لباس کا بندوبست کرنے لگے۔ دو آدمی مسلسل مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے لیکن اب مجھے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ چند لمحوں بعد ایک آدمی نے مجھے ایک پیالی میں کافی پیش کی۔ کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو میری ناک سے ٹکرائی تو میں نے جلدی سے پیالی تھام کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے شروع کر دیئے۔ میرے نگران بھی ہاتھوں میں کافی کے مگ لیے میرے قریب بیٹھ گئے۔

"تم نے ہمیں پاگل کر کے رکھ دیا ہے۔" ایک نے شکوے کے سے انداز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم یہ بات کیوں سوچ رہے ہو؟" میں نے کافی کا ایک بڑا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اس کے ساتھ نہیں تھے؟"

"تھا............"

"اور رات کو جب وہ ہمارا گھوڑا لے بھاگی اور ہم اسے تلاش کر رہے تھے تو اس وقت کیا تم نے اسے تحفظ نہیں دیا؟"

گھوڑے کا عقدہ تو حل ہو گیا تھا۔ وہ اس لڑکی نے یقیناً ان کی کمین گاہ سے ہی چرایا ہوگا۔ مجھے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے اس نے یہ خطرہ مول لیا تھا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں میرے متعلق کیا منصوبے پرورش پا رہے تھے۔ بہرحال، میں نے سوچ کر ذہن کو تھکانے کے بجائے موجودہ صورت حال سے نپٹنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"دوستو! میرے بارے میں سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے اسے تحفظ نہیں دیا بلکہ وہ مسلسل مجھے اپنا قیدی بنائے ہوئے تھی تو کیا تم اس بات پر یقین کرو گے؟"

"ہاں............ اس شیطان کی خالہ کے متعلق ہر بات پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ خدا کی پناہ! انسان تو کہا ہی نہیں جا سکتا اسے۔ کیا شے ہے............؟ کس کس طرح اس نے ہم لوگوں کو ڈاج دیا ہے؟"

"میں تو اب بھی سوچتا ہوں تو ششدر رہ جاتا ہوں۔ دلدل پر دوڑنے کا یہ فن کیا بالکل انوکھا نہیں تھا؟"

"اس کم بخت نے اسے چھلاوہ بنا دیا تھا اور یقینی طور پر اس نے اس کے ساتھ کچھ اس قسم کی کاروائیاں کی ہوں گی کہ وہ مافوق الفطرت بن گئی ہے۔"

میں یہ باتیں سن رہا تھا لیکن میں ابھی ان سے کوئی سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا تاوقتیکہ وہ مجھ پر مکمل طور پر اعتماد نہ کر لیں۔ وہ اس لڑکی کے متعلق بات کر رہے

تھے، گفتگو میں بار بار صیغہ غائب میں کسی شخص کی طرف اشارہ کیا جا رہا تھا۔ ان کی باتوں سے مجھے صرف اتنا اندازہ ہوا کہ جس شخص کا وہ ذکر کر رہے ہیں، وہ اس لڑکی کا استاد یا گرو ٹائپ کی کوئی چیز ہے۔

پھر ان کی توجہ دوبارہ میری جانب مبذول ہوگئی۔ دوسرے آدمی نے جس کا نام ابلیس لیا جا رہا تھا، مجھ سے پوچھا۔ "کیا تم اس کے قبضے سے فرار کی فکر میں تھے؟"

"یہ بات بھی نہیں تھی۔ دراصل میری مجبوری مجھے اس کے ساتھ لگائے لگائے پھر رہی تھی۔ میں اس علاقے سے بالکل ناواقف ہوں۔ پھر اس کے قبضے میں پہنچنے کے بعد سے اب تک اس کوشش میں مصروف رہا کہ یا تو کوئی بستی نظر آ جائے یا چند افراد تاکہ میں اس سے جان چھڑا کر ان کا سہارا لے سکوں۔ تنہا ان ویرانوں میں بھٹکنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں ان علاقوں سے بالکل ناواقف ہوں۔"

اسی وقت باقی چاروں میں سے ایک شخص ہمارے قریب آ گیا۔ "ابلیس واپس چلو اب یہاں رکنا بے مقصد ہے۔ یہ دلدل دور تک چلی گئی ہے اور اسے عبور کر کے دوسری طرف جانا بے سود ہے۔ ہمیں فوراً ہی چیف کو اس کے نکل جانے کی اطلاع دینی چاہیے۔"

دونوں کھڑے ہو گئے۔ کافی کے مگ اٹھا کر لینڈ روورز کے عقبی حصے میں رکھے گئے اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"دوست! معاف کرنا۔ تمہارے لیے یہ کاروائی یقیناً تکلیف دہ ہوگی لیکن ہمارے لیے ضروری ہے۔ براہ کرم! اپنے ہاتھ بلند کر لو تاکہ تمہاری تلاشی لے لی جائے۔"

میں نے پورے خلوص سے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ "میرے پاس کچھ نہیں ہے جو تمہارے لیے تکلیف دہ ہو۔"

تاہم انہوں نے میری تلاشی لی اور مجھے بڑے دوستانہ انداز میں لینڈ روورز میں بٹھا دیا گیا۔ دلدل سے بچنے والے بھی ساتھ تھے۔ وہ آگے روانہ ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"گدھا............" میں نے جواب دیا اور وہ میرے نام کا تلفظ ادا کرنے کی

کوشش کرنے لگے۔تھوڑی ردوقدح کے بعد مجھے گادا کا نام دیا گیا۔جانے کون سے ملک کے باشندے تھے کہ میرے بتائے ہوئے فرضی نام کا تلفظ ان سے صحیح طور پر نہیں ہو رہا تھا۔بہر حال وہ میرا بہت بہت شکریہ ادا کر رہے تھے۔میں نے ان سے آہستہ سے کہا۔
”حالانکہ پچھلی رات اگر آپ لوگ مجھے پالیتے تو یقیناً میرا حشر اس لڑکی جیسا ہی کیا جاتا لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں دل سے اس کے ساتھ نہیں تھا۔“

پھر راستے میں ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔سفر تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔پتھریلی زمین پر ان کی رفتار کچھ ہلکی ہی تھی۔ہم ایک ایسے خطے میں پہنچ گئے جہاں درختوں کی بہتات تھی اور زمین پر مخمل جیسے سبزے کا فرش بچھا ہوا تھا۔تھوڑے فاصلے پر ایک آبشار پہاڑوں کی بلندیوں سے گزر رہا تھا اور نیچے ایک ندی بناتا ہوا دور تک نکل جاتا تھا۔

اسی سبزہ زار پر میں نے سفید خیموں کا ایک گاؤں آباد دیکھا۔خیموں کی تعداد پچیس یا تیس کے درمیان ہوگی جنہیں ایک دائرے کی شکل میں لگایا گیا تھا۔درمیان میں خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی جس کے ایک گوشے میں بڑی نفاست سے فولڈنگ میزیں اور کرسیاں جمائی گئی تھیں۔

مجھے لانے والے خیموں کے درمیان آ گئے اور پھر ایک طرف بنے ہوئے خیمے کے ایک دروازے میں مجھے داخل کر دیا گیا۔

”مسٹر گادا“ میرے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔”آپ سے درخواست ہے کہ اس وقت تک اس خیمے میں رہیں جب تک آپ سے دوبارہ رابطہ قائم نہ کیا جائے۔خیمے سے باہر نکلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے بدعہدی کی۔اس طرح آپ کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔“

میں نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ چلے گئے۔میں اطمینان سے خیمے کا جائزہ لینے لگا۔وہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔میں نے جوتے اتارے اور منہ ہاتھ دھو کر پلنگ پر دراز ہو گیا اور اس چھلاوے کے بارے میں سوچنے لگا جو واقعی میری زندگی میں سب سے زیادہ عجیب کردار ثابت ہوا تھا۔اس سے جدا ہونے کے بعد احساس ہوا کہ میں دنیا

کی حسین ترین شے جدا ہو گیا ہوں۔اس کا سراپا میری نگاہوں میں تھا۔خاص طور پر وہ منظر جب وہ چاندنی میں جھیل کے اندر مچھلی کی مانند تیر رہی تھی۔اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات اس بات کے مظہر تھے کہ وہ میری طرف سے کسی پہل کی منتظر ہے لیکن اب اپنی اس شرافت کو کیا کرتا جو ہمیشہ ہی میرے ساتھ رہی تھی۔بہر حال یہ طے تھا کہ اسے بھلانا مشکل تھا۔

رات کو میرے کانوں میں موسیقی کی مدہم آوازیں ابھریں۔غالباً وائلن بجایا جا رہا تھا۔اس کے بعد بینجو بھی سنائی دیا۔میں حیرانی سے منہ کھول کر رہ گیا۔ان لوگوں نے جنگل میں منگل بنا ڈالا تھا۔زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک شخص اندر داخل ہوا۔اس نے دو موی شمعیں خیمے میں رکھ دیں۔

”آپ اگر باہر آنا چاہیں تو آ سکتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔انداز بڑا مہذب اور شریفانہ تھا۔مجھے بھلا خیمے میں پڑے رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اجازت مل گئی تھی چنانچہ میں باہر نکل آیا۔

باہر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔وہ چیزیں جو پہلے ایک گوشے میں سمٹی ہوئی تھیں اب جگہ جگہ بچھا دی گئی تھیں۔ان پر موم بتیاں ایک خاص انداز میں روشن تھیں۔بہت سی میزوں پر لوگ شراب کے برتن سجائے بیٹھے تھے۔تھوڑے فاصلے پر ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا جس کے پیچھے چند افراد کام کر رہے تھے۔بوتلیں ایک طرف نفاست سے ایک ٹرالی میں سجی ہوئی تھیں۔اس طلسمی منظر میں کھو کر میں اتنا حیران ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔

میں کچھ دیر تو احمقوں کی طرح ایک طرف کھڑا رہا۔پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک قریبی میز پر جا بیٹھا۔میرے سامنے کسی نے کوئی چیز لا کر نہیں رکھی تھی البتہ میں نے دیکھا کہ جس شخص کو کسی شے کی ضرورت ہوتی وہ اپنے طور پر ہی اٹھا لیتا۔گویا سیلف سروس کا رواج تھا۔لیکن ظاہر ہے شراب سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور فی الحال شراب ہی پی جا رہی تھی۔چنانچہ میں خاموشی سے بیٹھا ان لوگوں کو دیکھتا رہا۔

پھر ایک شخص میرے قریب آیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔میں نے چونک کر

اسے دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔

''میرا نام فالکن ہے اور میں ان دونوں میں سے ایک ہوں جن کی جان بچانے میں آپ نے انتہائی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''اوہ............ مسٹر فالکن! میں آپ کو نئی زندگی کی مبارکباد دیتا ہوں۔''

''شکریہ............ کیا آپ ڈرنک نہیں کرتے؟''

''نہیں............'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کے لیے کچھ اور لاؤں؟''

''کافی مل جائے تو............''

''ہاں............ کیوں نہیں۔ ہر چیز مل سکتی ہے، ایک منٹ، میں ابھی حاضر ہوا۔'' فالکن ممنونیت کے جذبات کا شکار تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے لیے شراب کی بوتل، گلاس اور آئس بکس اور میرے لیے کافی کا ایک کاغذی کپ لے آیا۔

''یہ ماحول آپ کو کیسا لگا؟'' اس نے کپ مجھے تھماتے ہوئے پوچھا۔

''ناقابل یقین۔''

''ہمارے مالکان دراصل شاہی خاندان کے افراد ہیں اور شہنشاہیت کی خوبو کبھی نہیں جاتی خواہ وہ کسی بھی جگہ ہوں۔ میں آپ کو ان کے بارے میں تفصیلات بتاؤں گا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ انہوں نے اپنے لیے اس زمین پر ہی جنت بنا ڈالی ہے۔''

''افسوس! میں ان سے ناواقف ہوں۔''

''آپ ابھی انہیں دیکھ سکیں گے ویسے آپ کے بارے میں انہیں تفصیلات فراہم کر دی گئی ہے۔''

''گڈ............ لیکن کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''میں آپ کو تھوڑی بہت تفصیلات تو بتا سکتا ہوں لیکن بہتر یہ ہو گا کہ پہلے چیف سے آپ کا تعارف ہو جائے پھر ہمارے درمیان دوستانہ تعلقات میں آسانی ہو گی۔''

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ مالکان کے سلسلے میں میرے ذہن میں تجسس ضرور جاگا تھا لیکن میں خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے ایک خیمے سے دو افراد کو برآمد ہوتے دیکھا۔ میزوں کے درمیان پھیلی ہوئی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آوازیں ایک لخت معدوم ہو گئیں۔ میں گہری نگاہوں سے آنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان کی عمریں اٹھائیس یا انتیس سال ہوں گی، دونوں کی شکلیں حیرت انگیز طور پر یکساں تھیں۔ بالوں کا سٹائل، آنکھیں، ناک، چہرہ حتیٰ کہ لباس بھی بالکل ایک جیسا تھا۔ ان کے آنے سے ایک تیز خوشبو فضا میں پھیل گئی جو یقیناً کسی اعلیٰ درجے کے سینٹ کی تھی۔

دونوں ایک میز پر آ کر بیٹھ گئے اور ان کے سامنے شراب کے برتن سجا دیئے گئے، بھنبھناہٹیں پھر جاری ہو گئیں۔ غالباً ان لوگوں کی اجازت تھی کہ تفریح کے اوقات میں ان کی موجودگی کی پرواہ نہ کی جائے۔ وہ اپنے طور پر شراب نوشی میں مصروف ہو گئے۔

فالکن میری میز سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ میں خاموش بیٹھا اس ماحول کو دیکھتا رہا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ یہاں لڑکیاں بھی کافی تعداد میں تھیں۔ آٹھ یا نو تو میں گن چکا تھا جبکہ مردوں کی تعداد پچیس تیس کے درمیان ہو گی۔ واقعی اتنا بڑا گروہ لے کر ان ہولناک علاقوں میں داخل ہونا معمولی بات نہیں تھی اور پھر ظاہر ہے ساز و سامان کی منتقلی بھی ایک مسئلہ تھی۔ پتہ نہیں اس کے لیے ان لوگوں نے کیا انتظامات کیے تھے............ کیونکہ بیشتر علاقے ایسے تھے جدھر گاڑیوں کا گزرنا ممکن نہ تھا تاہم اس مسئلے پر سر کھپانے کی مجھے کیا ضرورت تھی۔ مجھ سے زیادہ حیرت انگیز تو ان تمام لوگوں میں سے کوئی نہیں تھا اور یہ بات میں اپنی زبان سے کہہ کر شرمندہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

موسیقی کی دھنیں تبدیل ہونے لگیں۔ میزوں کو ایک خاص ترتیب سے سمیٹ لیا گیا اور درمیان میں دائرہ سا بن گیا۔ میں نے موسیقی کی ان بدلتی دھنوں کا مطلب بھی سمجھ لیا۔ غالباً رقص کا پروگرام تھا............ اور ایسا ہی ہوا۔ جوڑے ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے رقص کرنے لگے۔ بڑی مفاہمت کا ماحول تھا۔ خواتین ہر شخص کی پذیرائی کر رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پارٹنر بدل جاتے تھے گویا کوئی کسی کی ملکیت نہیں تھا۔

مالکان نے واقعی ایک بہترین گروہ آرگنائز کیا تھا اور اس کے لیے جو تیاریاں کی گئی تھیں، وہ بھی قابل داد تھیں۔

میری جانب کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ ہاں اتنا میں جانتا تھا کہ اگر میں اٹھ کر کسی سے رقص کی درخواست کروں تو اسے مسترد نہیں کیا جائے گا۔

میری نگاہ ایک بوڑھے شخص پر پڑی۔ وہ بھی کچھ ایسی ہی شخصیت کا مالک تھا کہ ایک نگاہ دیکھ کر اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چوڑے چکلے بدن کا مالک، براق کی طرح سفید بال، چہرہ جاندار اور جھریوں سے پاک تھا۔ بدن کی ساخت بتاتی تھی کہ جوانی کے زمانے میں کڑی مشقت سے گزرتا رہا ہے۔ اس کی چوڑی کلائیاں بھی سفید بالوں سے بھری ہوئی تھیں۔ بوڑھے کے سامنے ایک دبلی پتلی سی لڑکی بیٹھی تھی جس کی آنکھوں کے نیچے ہلکے سے حلقے پڑے ہوئے تھے، ہونٹ بھی خشک تھے۔ یوں لگتا تھا کہ یا تو وہ بیمار ہو یا بہت کمزور۔ اس نے اپنے سامنے سبز رنگ کے کسی سیال کا گلاس رکھا ہوا تھا جو یقینی طور پر شراب نہیں تھی جبکہ بوڑھے کے سامنے بھی کافی کے برتن سجے ہوئے تھے۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ رقص کے کئی راؤنڈ ہوئے اور اس کے بعد موسیقی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پھر کاؤنٹر پر کھانے پینے کی اشیاء سجائی جانے لگیں۔ یہ اشیاء ٹریز میں رکھی جا رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں بھی سیلف سروس ہو گی۔ بہت سی نفیس چیزیں مجھے کاؤنٹر پر نظر آئیں۔ کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک ہلکی سی گھنٹی کی آواز ابھری تھی، گویا یہ کھانے کے لیے اجازت کا وقت تھا۔

دونوں بھائی بھی اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک ایک ٹرے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اپنی جگہ واپس آ گئے۔ اب میرا بھی خاموش بیٹھے رہنا حماقت ہی ہوتا۔ چنانچہ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک ٹرے اپنے سامنے لا کر رکھ لی۔

مجھے اب یہ ماحول پسند آنے لگا تھا۔ ان کے ساتھ اگر کوئی لمبی شمولیت ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ ویسے بھی میں نے اپنا رویہ جس طرح کا رکھا ہوا تھا اس سے امکان تھا کہ یہاں میری پذیرائی ہو گی۔ ان کے انداز سے بھی پتہ چلتا تھا کہ جتنے گھنٹے مجھے خیمے میں قید رہنے کی ہدایت کی گئی تھی، اتنے گھنٹے گزارنے کے بعد ان لوگوں نے میرے لیے

مکمل آزادی فراہم کر دی تھی۔

کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔ اپنی اپنی ٹرے سب نے خود ہی کاؤنٹر پر واپس رکھ دی۔ چند افراد کاموں میں مصروف تھے۔ یہاں ذمے داری شاید تقسیم کر دی گئی تھیں۔ چیزوں کی صفائی ہو گئی اور اس کے بعد پھر موسیقی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک شخص میرے پاس پہنچا۔

''مسٹر گادا! آپ ہمارے مالکان سے ملاقات کرنا پسند کریں گے؟''

''کیوں.......... کیا وہ مجھ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد میں ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں نے انتہائی مہذب انداز میں کھڑے ہو کر مجھ سے مصافحہ کیا اور احترام سے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''آپ کیا پینا پسند کریں گے مسٹر گادا؟'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''نہیں شکریہ۔ میرا خیال ہے میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا۔''

''گڈ.......... آپ کی ہمارے درمیان شمولیت بڑی عجیب وغریب حالات میں ہوئی ہے اور ہم ان حالات کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہیں گے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ ہمارے پاس پہنچنے کے بعد آپ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔ بلکہ میں حیرت انگیز طور پر اس ماحول سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ واقعی آپ لوگوں نے کمال کر دکھایا ہے۔''

''شکریہ مسٹر گادا! ویسے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا تعلق کہاں سے ہے۔''

''میں ایک ایشیائی باشندہ ہوں۔''

''ہمارا بھی یہی خیال تھا، ویسے آپ کا مشغلہ کیا ہے؟''

''سیاحت۔'' میں نے جواب دیا۔

''کہاں کہاں کی سیاحت کر چکے ہیں آپ؟'' اس نے پوچھا اور میں اسے تفصیلات بتانے لگا لیکن اپنی کہانی کو میں نے ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ بس اتنی ہی تفصیل

بتائی تھی کہ میں ایک آوارہ گرد انسان ہوں اور مختلف ممالک کی سیر کرتا رہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی خاص وسائل نہیں ہیں اور اپنے طور پر مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے گھومتا پھر رہا ہوں۔ اسی طرح میں اس علاقے میں پہنچ گیا۔

”آپ کافی نفیس انسان معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے ہماری مشکل خود بخود حل کر دی اور لازم ہے کہ یہ تصور آپ کے ذہن میں ہوگا کہ ہم اس کے بارے میں آپ سے سوالات کریں گے۔“

”ہاں۔ میں جانتا ہوں۔“

”اس کی وجہ؟“ ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

”وجہ صاف ظاہر ہے۔ آپ کے ساتھی اس لڑکی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسے گھیرا لیکن وہ ان کے قبضے سے صاف نکل گئی۔ ظاہر ہے اگر آپ کو اس سے دلچسپی نہ ہوتی تو آپ میری جانب بھی متوجہ نہ ہوتے۔ مجھ سے یقیناً آپ اس کے بارے میں سوال کرتے چنانچہ آپ کے سوالات کرنے سے قبل ہی میں نے اپنے اور اس کے درمیان کی تمام تفصیلات آپ کو بتا دیں۔“

”ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ بلاشبہ انسانوں پر اعتبار کرنا چاہیے اور اس وقت تک کسی کے سلسلے میں بے اعتمادی کا شبہ نہیں کرنا چاہیے جب تک اس کی طرف سے بے اعتمادی کا مظاہرہ نہ ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کے بہترین رویے کا میں دل سے قائل ہوں۔“

”دراصل ہم آپ کو سو فیصد لڑکی کا ساتھی سمجھتے لیکن ہمارے ساتھیوں نے ہمیں تمام مکمل رپورٹ دے دی ہے اور درحقیقت آپ کا یہ احسان بھی ہے کہ آپ نے ہمارے دو ساتھیوں کی زندگی بچائی اور ہم سے مکمل تعاون کیا۔ اس وقت اگر آپ کسی قسم کے عدم تعاون پر آمادہ ہوتے تو ان دو افراد کی زندگی بچانا ناممکن تھا۔ آپ یہ بات جانتے ہیں کہ زندگی کتنی قیمتی شے ہوتی ہے؟ زندگی ایک بار ملتی ہے بار بار نہیں ملتی۔“

”وہ میرا فرض تھا اور ظاہر ہے ان لوگوں سے براہ راست میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ لڑکی کا مسئلہ بھی میرے ذہن میں واضح نہیں تھا۔ اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا کہ لڑکی

مظلوم ہے اور آپ لوگوں کی وجہ سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے تو پھر شاید میرا رویہ آپ کے ساتھ یہ نہ ہوتا۔ تاہم وہ انفرادی طور پر بھی بہت کچھ تھی اور اس کے اندر خود اعتمادی کے سوا کچھ نہیں پایا جاتا تھا۔ بلکہ میں تو اس کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے بعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ میں تو اس کا محکوم ہوں اور وہ صرف ازراہ کرم مجھے اپنے ساتھ لیے پھر رہی ہے۔“

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ ”ہمیں براہ کرم اس کی شخصیت کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائیے۔“

”کس سلسلے میں؟“

”اس کی ذہنی اور جسمانی حرکات کے سلسلے میں۔“

”میں سمجھتا ہوں وہ مجھے متاثر کرنا چاہتی تھی۔“ میں نے جواب دیا۔

”چلیے ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے یہ الفاظ کافی ہیں۔ اچھا، کوئی ایسی خاص بات آپ نے اس کے ساتھ رہ کر محسوس کی جس پر آپ کو تعجب ہوا ہو؟“

”جن کھنڈرات میں آپ کے آدمی اس کی تلاش میں پہنچے تھے وہاں میں اور وہ الگ الگ لیٹ گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ لیٹی رہی پھر وہ اٹھی اور پتھر کے نوکیلے ٹکڑے سے ایک نقش بنانے لگی۔ اس میں ان کھنڈرات کی نشاندہی بھی کی گئی تھی جن میں ہم اس وقت موجود تھے۔ لڑکی کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا تھا جس پر ویسے ہی نقوش بنے ہوئے تھے یعنی جن راستوں سے گزر کر ہم لوگ وہاں تک پہنچے تھے، وہی راستے اس کاغذ کے ٹکڑے پر بنے ہوئے تھے۔“

ان کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے عجیب سے تاثرات نظر آئے وہ گہری اور چمکدار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ”پھر کیا ہوا؟“

”بس جب اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی تو جلدی سے نقشہ زمین پر سے مٹا دیا۔“

”کیا آپ کے خیال میں اس نقشے کے تھوڑے بہت آثار اس جگہ باقی ہوں

گئے؟"

"میں نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے پتھر پر نوکیلے پتھر سے بنائے ہوئے نقش تازہ ہوں۔"

"اوہ.........کاغذ کا وہ ٹکڑا آپ نے دیکھا؟"

"جی ہاں۔"

"کیسا تھا وہ؟" ان میں سے ایک نے پوچھا اور میں انہیں کاغذ کے اس ٹکڑے کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔ وہ مجھے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ کافی دیر بعد دونوں ہی نے بیک وقت کہا۔

"بلاشبہ مسٹر! ہم نے آپ کے ایک ایک لفظ پر یقین کیا ہے۔ ہم سو فیصد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ کہا اس میں ایک لفظ بھی غلط نہ ہوگا۔ ہم آپ کو یہ بھی پیشکش کرتے ہیں کہ آپ اگر چاہیں تو کچھ عرصے ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کی دلچسپی کے اور بھی سامان پیدا ہو جائیں لیکن اگر آپ یہاں نہ رہنا چاہیں تو ہم آپ کو وہ تمام لوازمات مہیا کر سکتے ہیں جن کی آپ کو واپسی کے سفر میں ضرورت پڑے گی۔ مثلاً واپسی کے راستوں کے نقشے، گھوڑا اور ایسا سامان جو راستے میں آپ کے کام آ سکے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں آپ جلدی نہ کریں۔ چند روز ہمارے ساتھ گزاریں اس کے بعد یہ فیصلہ کریں کہ آپ کو کہیں جانا ہے یا مزید کچھ عرصہ ہمارے ساتھ گزارنا ہے۔"

میں نے خاموشی سے گردن ہلائی اور اس کے بعد وہ دونوں اٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"افسوس! آپ نے جو اس نقشے کے بارے میں بتایا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے کچھ نشانات کا ملنا شاید ممکن نہیں۔ وہ نقشہ ہمارے لیے ازحد ضروری ہے۔ نقشہ کیا ہے اور کیسا ہے، اس کے بارے میں آپ کو دوسری ملاقات میں تفصیل بتا دی جائے گی۔ آپ ان لوگوں کے درمیان اطمینان سے رہیں۔ کسی شخص کو آپ سے کوئی تعرض نہیں ہوگا۔ میں ہدایات دے دوں گا کہ آپ کو ایک معزز ساتھی کی حیثیت سے رکھا

جائے۔ یہاں کے تمام اصولوں سے بھی آگاہ کر دیا جائے گا۔" انہوں نے مجھ سے ہاتھ ملائے اور ایک جیسی چال چلتے ہوئے وہاں سے ہٹ کر ایک خیمے میں داخل ہو گئے۔

دوسری صبح میں انسانی آواز سن کر ہی جاگا تھا۔ لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ پانی کا ذخیرہ کہاں ہے۔ چنانچہ میں آبشار سے بہنے والی ندی کے کنارے پہنچ گیا لیکن پانی برف کی طرح سرد تھا۔ غالباً برف پگھل پگھل کر نیچے آ رہی تھی۔ ماحول بھی اسی وجہ سے سرد تھا۔ میں نہانا چاہتا تھا، اس لئے کپڑے اتار کر پانی میں گھس گیا۔ پگھلی ہوئی برف کا یہ پانی یقیناً بہت سرد رہا ہوگا لیکن میرے فولادی جسم پر یہ سردی بے اثر ہو گئی تھی۔ اگر اس وقت کوئی اور وہاں موجود ہوتا تو کبھی نہانے کی کوشش نہ کرتا۔ ان میں سے کسی نے بھی نمونیہ ہو جانے کے ڈر سے اس پانی میں کودنے کی کوشش نہ کی ہوگی اور اگر وہ مجھے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیتے تو یقیناً میرے بارے الٹی سیدھی باتیں سوچنے لگتے اور ایسا ہونا قطعاً میرے مفاد میں نہ تھا۔ میں خود کو ایک عام شخص کی حیثیت سے ہی ان کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔

نہانے کے بعد باہر نکل کر میں کافی دیر تک چشمے کے کنارے ہی بیٹھا رہا۔ جب جسم کا پانی اچھی طرح نچڑ گیا تو میں نے کپڑے پہن کر منہ ہاتھ از سر نو دھوئے، تاکہ دیکھنے والے کو یہی محسوس ہو کہ میں صرف منہ ہاتھ دھو کر ہی واپس آیا ہوں۔

واپس پہنچا تو دیکھا کہ کاؤنٹر پر معمول کے مطابق ناشتے کی ٹریز لگا دی گئی ہیں۔ میں نے اپنی ٹرے اٹھائی اور اپنے خیمے میں چلا آیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے سوچا کہ کم از کم کیمپ کے بارے میں مکمل معلومات تو حاصل کروں چنانچہ میں خیموں کی اس چھوٹی سی آبادی سے باہر نکل آیا۔ مجھ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ عقبی حصے میں، میں نے درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے کچھ گاڑیاں کھڑی دیکھیں۔ ان میں دو بڑے بڑے ٹرک، تین لینڈ روورز اور باقی دوسری چھوٹی گاڑیاں تھیں سب کی سب نئی تھیں۔ ٹرکوں پر کینوس سے ہر قسم کی پردہ داری کر دی گئی تھی۔ ان میں کیا تھا، یہ کسی اور کو معلوم ہو تو ہو لیکن مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا اور میں نے کسی سے پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں خواہ مخواہ کے تجسس کا اظہار کر کے شبہات کو دعوت

دینا نہیں چاہتا تھا۔



ڈبل باس کا کارخانہ عجائب دیکھتا ہوا میں واپس اپنے خیمے میں آ گیا۔ دوپہر کو دو بجے کے قریب کھانا خیمے میں ہی ملا۔ کھانے سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو دیکھا کہ دو جیپیں کسی لمبے سفر سے آئی تھیں مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سے؟ بہرحال ابھی یہاں شناسائی بھی نہیں تھی۔ ہاں شام کو چار بجے فالکن سے ملاقات ہو گئی۔

"ہیلو مسٹر گادا۔"

"ہیلو فالکن۔"

"بور ہو رہے ہوں گے؟"

"ہاں شاید بور ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔"

"آپ نے کیا فیصلہ کیا............ واپس جائیں گے یا ہمارے ساتھ رہیں گے؟"

"میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔"

"ایک بات کا اطمینان رکھیں۔ ڈبل باس آپ کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے۔" فالکن نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔

شام کا ماحول پچھلے دن کے مطابق تھا۔ تمام لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہو چکے تھے اور اب احاطے میں اپنے اپنے مشاغل کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ سورج چھپ گیا اور وہاں موسیقی کی آوازیں ابھرنے لگیں گویا ان کا شغل شروع ہو گیا۔ میں نے بھی لباس تبدیل کیا جو مجھے یہاں مہیا کر دیا گیا تھا اور باہر نکل کر ان لوگوں کی تفریحات کا جائزہ لینے لگا۔ یہ بات غور کرنے کی تھی کہ ڈبل باس اور ان کا یہ گروہ صرف سیاحت کے لیے ہی یہاں نہیں آیا تھا بلکہ اس کے پس پردہ کچھ اور بھی تھا۔ کیونکہ جس طرح ڈبل باس نے نقشے کے بارے میں گفتگو کی تھی وہ کچھ اور ہی ظاہر کرتا تھا۔ وہ پراسرار لڑکی ان لوگوں کے لیے انتہائی دلچسپی کا باعث تھی اور میرے لیے بھی کیونکہ لڑکی کا کردار ان سب میں، سب سے زیادہ عجیب و غریب تھا۔ نقشہ کیا حیثیت رکھتا ہے اور اس کا آدھا ٹکڑا لڑکی کے

پاس کیوں تھا؟ یہ سب باتیں ذہن میں گڈمڈ ہوتیں تو دماغ اڑنے لگتا تھا۔ میں نے وہی طریقہ اختیار کیا یعنی جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دو۔ تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔ پھر اونٹ جس کروٹ بیٹھے گا، دیکھا جائے گا۔ بوڑھے شی وش اور ہارلیس نے کہا تھا کہ دست قدرت خود میری رہنمائی کرے گا۔ شاید ان کی بات درست ہی تھی۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میرا گھوڑا مجھے یوں لے کر بھاگے گا اور پھر حالات کے دوش پر اڑتا میں یہاں تک پہنچ جاؤں گا۔ یہ عقدہ میں ابھی تک حل نہ کر سکا تھا کہ آخر میرا گھوڑا یوں بدک کر وہاں سے کیوں بھاگا۔ کون سی ایسی چیز تھی جو اسے اس طرح خوفزدہ کرنے کا باعث بنی؟

اسی وقت ایک شخص میرے پاس پہنچ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "ڈبل باس آپ کو طلب کر رہے ہیں مسٹر گادا!"

میں نے اس طرف دیکھا جہاں وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے مشروبِ مستی کے برتن سجے ہوئے تھے۔ میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں نے معمول کے مطابق ایک ہی آواز اور ایک ہی انداز میں میرا خیر مقدم کرتے ہوئے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی تھی۔ پھر ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر گادا! یقینی طور پر اتنا وقت گزر جانے کے بعد آپ نے ہمارے ساتھ قیام کرنے کا یا جانے کا فیصلہ کر لیا ہوگا۔ ہماری پیشکش ابھی تک برقرار ہے اور یہ پورے خلوص پر مبنی ہے۔ ہم بغیر کسی لالچ کے آپ کو واپسی کے لیے وسائل فراہم کر سکتے ہیں۔"

"لیکن میں آپ کی رائے پوچھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر سن لیجیے۔ ہم دونوں بھائی کسی بھی طور پر آپ کو اس طرح واپس بھیجنے کے حق میں نہیں ہیں۔ تاہم آپ پر کوئی پابندی اور دباؤ بھی عائد نہیں کیا جا سکتا۔ بس! ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے آپ کی ضرورت ہے۔"

"اور اگر میں آپ سے آپ کا مقصد پوچھوں تو؟"

"آپ کو اس کا حق ہے۔" ڈبل باس میں سے ایک نے کہا۔

"تو پھر پہلی بات تو میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ آپ کی آمد کا مقصد کیا ہے؟"

”شاید آپ نے ہمارے بارے میں یہاں معلومات حاصل کی ہوں۔ ہمارا تعلق شاہی خاندان سے ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ ہمارے وسائل اب بھی لامحدود ہیں لیکن ہماری دلچسپی اور مشاغل ذرا مختلف ہیں۔ ہمارے پاس اس نقشے کا آدھا ٹکڑا موجود ہے جس کا بقیہ آدھا آپ نے اس لڑکی کے پاس دیکھا تھا۔ اس نقشے میں ایک عظیم الشان خزانے کا راز چھپا ہوا ہے اور ہم وہ خزانہ حاصل کرنے کے لیے ہی اس علاقے میں داخل ہوئے ہیں۔ یقینی طور پر آپ کے ذہن میں اس خزانے کے متعلق سوالات بھی ابھر رہے ہوں گے لیکن بہتر ہے ابھی اس کے بارے میں کوئی سوال نہ کریں۔ اس لڑکی کا مسئلہ بھی آپ کے ذہن میں الجھ رہا ہوگا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ دوسری پارٹی وہ لڑکی ہے جو اس خزانے کے بارے میں تفصیلات جاننا چاہتی ہے اور ہم اس کے ہاتھوں کافی نقصان اٹھا چکے ہیں۔ خزانے کے نقشے کا آدھا ٹکڑا اس نے اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں کی بنیاد پر ہم سے حاصل کیا ہے۔ اس نقشے کے متعلق ایک کہانی ہے جسے ہم نے اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھا ہے اور کوئی ہمیں وہ کہانی سنانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ مسٹر گادا! تمام تفصیلات آپ کو بتا دی گئی ہیں۔ ہمیں اس پر ذرہ برابر اعتراض نہیں ہوگا اگر آپ بھی اس خزانے کے حصے داروں میں شامل ہو جائیں اور اگر خزانہ دستیاب ہو جائے تو اس میں سے اپنا حصہ لے کر دنیا کے کسی بھی گوشے میں آباد ہو جائیں۔ خزانے کے بارے میں تفصیلات بھی آپ کو آہستہ آہستہ بتا دی جائیں گی کہ وہ کتنی بڑی مالیت کا ہے؟ اس کے علاوہ، ہمیں آپ کی ضرورت یوں بھی درپیش ہے کہ اس لڑکی نے حیرت انگیز طور پر آپ کو اپنا ساتھی منتخب کرنے کی کوشش کی تھی جبکہ اس سے قبل ایسی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ ان وجوہات کا جائزہ بھی لینا پڑے گا جن حالات میں آپ اس سے جدا ہوئے ہیں اور جو کہانی ہمارے علم میں آئی ہے، اس سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کبھی آپ دوبارہ اس لڑکی تک پہنچ سکے تو وہ معمول کے مطابق آپ کی پذیرائی کرے گی اور اگر آپ ہمارے ساتھی ہوں گے تو پھر ہماری مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے مسٹر گادا کہ آپ اچانک ہمارے لیے ایک کارآمد ساتھی بن گئے ہیں لیکن اس کے باوجود شاید آپ اسے ہماری نسلی برتری یا خاندانی برتری سمجھیں کہ ہم کسی بھی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں

کرتے۔ ہم نے اپنی ضرورت کا اظہار کر دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ کے لیے پھر وہی بات دہرائی جاتی ہے کہ اگر آپ اپنے طور پر پسند نہیں کریں گے تو ہم آپ کی واپسی کا بندوبست کر دیں گے۔“

بڑی صاف ستھری اور عمدہ گفتگو تھی اور پہلی مرتبہ مجھے برے لوگوں کی اچھی بات پسند آئی تھی۔ میں تو پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ اکیلا یہاں سے واپسی کا تصور بھی نہ کروں گا۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

”آپ کے انداز میں بڑی اپنائیت جھلکتی ہے اور نجانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کا ساتھ دوں۔ مجھے بھی دوسرے لوگوں کی مانند، میری ذمہ داریاں سمجھا دی جائیں۔ میں یہاں عام لوگوں کی طرح تمام کام کروں گا اور جہاں تک اس لڑکی کا تعلق ہے تو میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں تو خود بھی اس سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھا۔ ایسی خوفناک لڑکی کے ساتھ بھلا کوئی انسان کس طرح رہ سکتا ہے۔“

”ہم آپ کو اپنے اس گروہ میں خوش آمدید کہتے ہیں مسٹر گادا! جہاں تک آپ کے مشغلے کا تعلق ہے تو ابھی چند روز آپ مہمان کی حیثیت سے گزاریں۔ اس کے بعد کوئی ذمے داری آپ کے سپرد کر دی جائے گی۔ ویسے یہاں کوئی شخص کسی ذمے داری کے اپنے سپرد ہونے کا انتظار نہیں کرتا کیونکہ ہم کسی کو کسی کی مرضی کے خلاف احکامات نہیں دیتے۔ ہاں مشورے کے طور پر ہر طرح کی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ یعنی کوئی ایسا کام جو آپ کی پسند کے مطابق نہ ہو لیکن ہم یہ محسوس کریں کہ آپ سے وہ کام لینا ضروری ہے تو آپ کو اس سلسلے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کے بعد وہ ذمے داری آپ کے سپرد کر دی جائے گی۔“

”بہت بہت شکریہ آپ لوگوں نے جس طرح یہ گفتگو کی ہے اس نے میرے اندر نہ صرف اعتماد بلکہ دوستی کا تصور بھی پیدا کر دیا ہے۔ میں اس دوستی کی دل سے قدر کرتا ہوں اور جو کام دل سے کیے جاتے ہیں ان میں اپنے جذبات بھی شامل ہوتے ہیں۔“

”یہاں کا ماحول انتہائی دوستانہ ہے اور ہر شخص آپ کا دوست ہے۔ ہر طرح کی آزادی آپ کو حاصل ہے۔ خواہ آپ کے دوست مرد ہوں یا خواتین، آپ پر کسی قسم کا

اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ ہاں ایک اطلاع آپ کو ضرور دی جائے گی، وہ یہ کہ آپ کے بیان کے مطابق ہم نے ان کھنڈرات یا پہاڑی چٹانوں میں وہ نقش تلاش کرانے کی کوشش کی تھی جو لڑکی نے پتھر کے ٹکڑے سے ترتیب دیا تھا۔ وہاں ایسے نقوش مل گئے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں نقش بنائے گئے تھے لیکن جس طرح اس لڑکی نے اسے مٹا دیا، اس سے ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ چند افراد کو وہاں بھیجا گیا تھا۔ وہ اس جگہ کی تصویریں بنا کر لائے ہیں لیکن بے سود، ان سے ہمیں کوئی کارآمد بات نہیں معلوم ہو سکی۔ بہرحال، آپ کی باتوں کی سچائی ضرور ثابت ہو گئی، اور اس کے بعد ہی ہم نے آپ کو اس مہم میں شامل ہونے کی دعوت دی۔“

میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور ان کا شکریہ ادا کر کے واپس اپنی میز پر جا بیٹھا۔ موسیقی دھنیں تبدیل کر رہی تھی اور لوگ بالکل اسی انداز میں بیٹھے ہوئے تھے جیسے کسی اعلیٰ درجے کے اوپن ایئر ہوٹل میں تفریحات میں مشغول ہوں۔ میں اب پہلے سے زیادہ اطمینان محسوس کر رہا تھا کیونکہ ذہن سے بہت سے تفکرات مٹ چکے تھے اور میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار کر لیا تھا کہ تقدیر کے لکھے ہوئے وہ لمحات پورے کروں جو میرے لیے مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ پھر میری نگاہ ایک میز کی جانب اٹھ گئی اس میز پر میں نے اس برفانی بوڑھے کو دیکھا تھا۔ برفانی بوڑھا میرے ذہن میں اس لیے ابھرتا تھا کیونکہ وہ واقعی برف کی طرح سفید تھا۔ بوڑھے کے ساتھ وہی لڑکی موجود تھی جس کے چہرے پر زندگی ذرا کم ہی نظر آتی تھی۔ سوکھا سوکھا سا انداز ...... حالانکہ وہ اتنی دبلی پتلی بھی نہیں تھی بس متناسب تھی۔ نقوش میں ایک سپاٹ کیفیت جیسے وہ ہر تاثر سے بے نیاز ہو۔ مجموعی طور پر اس کی صورت دیکھ کر آج یہ اندازہ ہوا کہ اگر وہ اپنے آپ کو سنوارے تو بلاشبہ حسین کہلائے لیکن اس کا لٹا پٹا سا انداز اور خاموشی کی کیفیت اس کی جاذبیت اس سے چھین لیتی تھی۔ پتہ نہیں بوڑھے کی کون ہے؟ پچھلے دن کی طرح میں نے اسے آج بھی خاموش اور اداس بیٹھے ہوئے محسوس کیا۔ نجانے کیوں میرے ذہن میں ان دونوں کے لیے ایک بے کلی سی پیدا ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ فالکن سے اس لڑکی اور اس شخص کے بارے میں پوچھوں گا ضرور لیکن اس وقت فالکن

اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میں دلچسپی سے ان تمام مناظر میں کھویا رہا۔

پھر دفعتہً ہی کوئی مجھ پر نازل ہو گیا۔ شراب کے برتنوں کی ایک چھوٹی سی ٹرے میری میز پر آ ٹکی اور کرسی گھسیٹ کر ایک خوبصورت سی لڑکی میرے پاس آ بیٹھی۔ اس سارے ماحول میں اب تک اگر کوئی اجنبی بات تھی تو وہ یہی تھی کہ کوئی لڑکی مجھ تک نہیں پہنچی تھی۔ ساری کہانی ہی بیکار ہوئی جا رہی تھی۔ بھلا منظر میں کوئی خوبصورت لڑکی شامل نہ ہو اور خاص طور سے کہانی کے مرکزی کردار کے ساتھ، تو کہانی میں جاذبیت کہاں رہتی ہے؟ چنانچہ میرے مرکزی کردار میں ابھی تک کوئی لڑکی شامل نہیں ہوئی تھی اور شاید میں بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا چنانچہ معزز قارئین! لڑکی آ گئی۔ میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دی اور اس کی دلکش آواز ابھری۔

”اس بے تکلفی کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن اگر کچھ لوگ خود کو ضرورت سے زیادہ ہی لئے دیئے رکھیں تو کہاں تک ان کے ساتھ رعایت برتی جا سکتی ہے۔“

”شاید...........“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرا نام ریلزے ہے۔“ اس نے کہا۔ اس وقت عقب سے ایک آواز ابھری۔

”ریلزے۔“ ایک دراز قامت آدمی اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

”ہیلو۔“ اس نے پلٹ کر سوالیہ نگاہوں سے اس شخص کی طرف دیکھا۔

”میں تمہارے ساتھ رقص کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں تمہارے ساتھ رقص کرنا نہیں چاہتی۔“ اس نے اس شخص کے سے انداز میں جواب دیا اور وہ جھینپ سا گیا۔

”مم.......... میرا مطلب ہے..........“

”مطلبی لوگوں سے مجھے سخت چڑ ہے۔ پلیز! میں باتیں کر رہی ہوں اور اپنی گفتگو میں تمہاری مداخلت کو میں نے ناپسند کیا ہے۔“ وہ شخص اپنا سا منہ لیے وہاں سے واپس چلا گیا تھا۔ لڑکی کی تیز طرار گفتگو نے میرے دل میں اس کے لیے دلچسپی پیدا کر دی۔ وہ پھر میری طرف دیکھنے لگی اور اس نے مجھ سے کہا۔

”اگر کوئی اپنے نئے دوست کے لیے کسی پرانے دوست کو مسترد کرے تو نئے

دوست پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی پذیرائی کرے۔ میں نے تمہارے لیے اسے مسترد کر کے اپنی طرف سے پہل کا ثبوت دیا ہے۔ کیا تم اب بھی خاموشی اختیار کرو گے؟"

وہ اتنی بے تکلفی سے گفتگو کر رہی تھی کہ مجھے اس کا گمان نہیں تھا تاہم اب میں لڑکیوں کی دنیا کا احمق آدمی نہیں تھا، بہت کچھ سیکھ چکا تھا اُس دنیا میں چنانچہ میں نے اسی انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری پذیرائی کرتا ہوں ریلزے۔"

"اور میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟"

"گدھا۔" میں نے جواب دیا۔

"دیکھو! میری یہاں آمد بلامقصد نہیں ہے۔ میں کل بھی تمہیں دیکھتی رہی تھی لیکن کل تمہارا یہاں پہلا دن تھا اور تمہیں غالباً کہیں اور سے پکڑ کر لایا گیا تھا چنانچہ میں ہمت نہ کر سکی لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد یہ تصور ضرور میرے ذہن میں ابھرا تھا کہ اگر موقع ملا تو تم سے شناسائی ضرور حاصل کروں گی۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں! میں یہی چاہتی تھی کہ تم وجہ پوچھو۔"

"تو میں پوچھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم ایشیائی ہو؟"

"ہاں.........سو فیصد۔"

"تو پھر میرے بارے میں بھی سنو، میں نصف ایشیائی ہوں۔"

"کس طرح؟"

"میری ماں یورپین تھی اور میرا باپ ایشیا کا باشندہ تھا۔ اس کا نام فیصل تھا اور اس کا تعلق انڈیا سے تھا۔ میرا پورا نام ریلزے فیصل ہے۔ اس لحاظ سے میرے بدن میں ایشیائی خون دوڑ رہا ہے اور مجھے ایشیائیوں سے خاص محبت اور رغبت ہے۔ جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ تم اب ہمارے ساتھی ہو تو میں نے تم سے دوستی کا فیصلہ کر لیا گو یہ دوستی ابھی

زبردستی ہے یعنی میں تمہارے پاس آئی ہوں لیکن ظاہر ہے مجھے ہی تمہارے پاس آنا چاہیے تھا۔"

"تھینک یو ریلزے! میں بھی تم سے متاثر ہوں کیونکہ تم آدھی ایشیائی ہو۔"

"کیا صرف اس بناء پر مجھ سے متاثر ہونا مناسب ہے؟"

"اس تاثر کو برقرار رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"فرض کرو ایسا نہ ہو سکا تو؟"

"یہ آنے والے وقت پر منحصر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میرے ساتھ رقص کرو گے؟"

"کیونکہ تم ایشیائی ہو۔ میرا مطلب ہے نصف ایشیائی چنانچہ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ٹھیک ہے۔"

"اوہ! بے حد شکریہ مجھے ضدی لوگ پسند نہیں آتے۔ کیونکہ میں خود ضدی نہیں ہوں اگر تم کبھی مجھ سے کوئی بات منوانا چاہو گے تو میں ذرا بھی ضد نہیں کروں گی۔" اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ دل ہی دل میں، میں نے سوچا تھا کہ محترمہ ریلزے! آپ جو کچھ فرما رہی ہیں اس کا مفہوم میں سمجھ رہا ہوں......... پھر ہم بھی رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آ شامل ہوئے اور اس کے بعد ہم دیر تک رقص کرتے رہے۔ کسی نے ہماری جانب توجہ نہیں دی تھی لیکن تیسرے راؤنڈ میں جب میں اور ریلزے رقص کے لیے اٹھنے والے تھے، ایک لحیم شحیم آدمی ریلزے کے قریب پہنچ گیا۔

"ہیلو ریلزے! آؤ رقص کریں۔"

ریلزے نے ٹیڑھا منہ کر کے اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

"نو.........سوری میک مین! میں اپنے پارٹنر کے ساتھ ہوں۔"

"کیا لائف پارٹنر کے ساتھ؟"

"اگرچہ تم نے یہ جملہ بدتمیزی کے انداز میں کہا ہے۔ تب بھی میں نے اس کا برا نہیں مانا۔ کیا سمجھے؟" ریلزے نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور میک مین ہنسنے لگا۔

میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ بے حد قوی' ہیکل اور پہلوان ٹائپ کا آدمی تھا۔ شانے چوڑے' کمر پتلی' ویٹ لفٹر سا لگتا تھا۔ دل ہی دل میں، میں نے سوچا کہ کہیں یہ حضرت میرے رقیب نہ بن جائیں۔ ہڈی پسلی توڑنے میں بزعم خود مہارت رکھتے ہوں گے۔ مجھ سے الجھ کر میرا تو کیا بگاڑ پائیں گے لیکن خواہ مخواہ مجھے اپنا وہ روپ دکھانا پڑے گا جو میں ابھی تک بڑی کامیابی سے پوشیدہ رکھے ہوئے تھا۔ یہ بلاوجہ کا عشق کہیں مصیبت میں نہ پھنسا دے۔

وہ ہونٹ چباتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ ریلزے نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

"خود کو کچھ سمجھنے والے مجھے ہمیشہ سے ناپسند ہیں۔"

رقص کے بعد ریلزے نے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھایا اور پھر جب تمام لوگ وہاں سے اٹھے تو وہ میرے ساتھ ہی میرے خیمے میں آ گئی۔ میرے انداز میں اب کچھ بوکھلاہٹ سی پیدا ہو گئی تھی.......... ریلزے اب ایک سمت بیٹھ گئی اور پھر اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"نیند آ رہی ہے تو میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی لیکن ہماری دوستی کا آغاز ہو گیا ہے اور ہمارے درمیان ایشیا کا رشتہ ہے۔ کیا سمجھے؟"

"یقیناً.........." میں نے احمقانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو میں جاؤں؟" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ.......... تم نے مجھے بہترین کمپنی دی ہے۔" میں نے جان چھڑاتے ہوئے کہا اور ریلزے ایک پراسراری مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں نے گہری سانس لی تھی کیونکہ وہ قوی ہیکل میک مین مجھے یاد آ رہا تھا۔ اگر گروہ میں میرا ایک دشمن پیدا ہو جائے تو بہرطور یہ میرے لیے سودمند نہیں تھا لیکن میڈم ریلزے سود و زیاں سے آگے کی چیز معلوم ہوتی تھیں۔



دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہوا تھا کہ میڈم ریلزے اندر آ گئی۔ اسے دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی۔ ریلزے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مسٹر گادا! آؤ باہر چلیں۔ تم تو خیمے ہی میں قید رہتے ہو۔"

"یہاں کی زندگی سے مجھے کوئی واقفیت نہیں ہے اس لیے میں اپنے آپ کو محدود رکھتا ہوں۔"

"اونو.......... ڈبل باس اپنے ساتھیوں پر کوئی بھی پابندی نہیں لگاتے اگر تمہیں اچھے باس کی تلاش ہو تو ان سے اچھے لوگ تمہیں روئے زمین پر نہیں ملیں گے۔" میں نے گردن ہلائی پھر ریلزے کے ساتھ کیمپ کے حصار سے باہر آ گیا۔

اطراف میں وہی لاتعداد مناظر بکھرے ہوئے تھے جن سے میں یہاں آنے کے بعد اچھی طرح روشناس ہو چکا تھا۔ ہم ان کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے آبشار کے کنارے آ بیٹھے اور ریلزے مجھے برق پاش نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

"ڈیئر گادا! دوران سیاحت تمہاری ملاقات تو بہت سے ایسے لوگوں سے ہوئی ہو گی جنہوں نے تمہیں متاثر کیا ہو گا۔ میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"بہت اچھی.......... بہت عمدہ۔" میں نے بادل نخواستہ جواب دیا۔

"کیا تم مستقل ہمارے ساتھ رہنے پر رضامند ہو گئے ہو؟"

"فی الحال تو ارادہ ایسا ہی ہے۔"

"اوہ ڈیئر، اگر ڈبل باس سے تمہاری ملاقات ہوئی ہے تو تمہیں تفصیلات بھی معلوم ہو گئی ہوں گی۔ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔"

اچانک میری نگاہ میک مین پر پڑی جو ایک درخت کے نیچے کھڑا ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے گھورنے کا انداز بے حد خطرناک تھا۔ اسی وقت اس نے درخت کی ایک موٹی شاخ پر ہاتھ رکھا اور پھر بازوؤں کی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاخ کو درمیان سے توڑ دیا۔ یہ میرے لیے ایک چیلنج تھا۔ ریلزے نے بھی اس کی آہٹ محسوس کر لی تھی۔ پھر اس کا سریلا قہقہہ گونج اٹھا اور اس نے کافی زور سے کہا۔

"میک مین ایک لکڑہارا ہے۔"

میک غصے سے پاؤں پٹختا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس کے بعد میں نے ریلزے سے ایک جملہ بھی نہ کہا جبکہ اس نے بہت ساری باتیں مجھ سے کر ڈالی تھیں۔ میں بلاوجہ اس کی پذیرائی کر کے گلے میں کوئی طوق نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو، اس کیمپ کے کسی بھی فرد سے الجھنا میرے لئے کسی طور مناسب نہ تھا۔

پھر ہم نے کیمپ میں کچھ سرگرمیاں دیکھیں اور ریلزے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوہو.......... شاید ڈبل باس کی جانب سے آگے بڑھنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ آؤ چلیں۔"

ہمارا اندازہ درست نکلا۔ لوگ خیمے اکھاڑنے میں مصروف تھے۔ میں نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا۔ ریلزے مسلسل میرے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ میک کے علاوہ ابھی کسی اور نے ہم دونوں کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔ نہایت برق رفتاری سے کام کیا گیا تھا اور اس کے بعد تمام لوگ ٹرکوں اور جیپوں میں سوار ہو گئے۔ ریلزے نے یہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ جس لینڈ روور میں ہم سوار تھے اسی میں ریلزے بھی تھی لیکن دوسرے کئی افراد بھی تھے۔ البتہ میک نہیں تھا۔ ریلزے نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"اب سے پہلے وہ میرے ساتھ سفر کرتا تھا۔"

"میک مین؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے کہا اور میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک یہ خاموشی طاری رہی۔ باہر کے مناظر ہماری نگاہوں سے روپوش تھے۔ میں نے دوسرے لوگوں پر توجہ دی۔ تین نوجوان اور پانچ لڑکیاں مزید ہمارے ساتھ لینڈ روور میں سوار تھے

مگر سب کے سب خاموش بیٹھے تھے۔ صرف ریلزے ہی تھی جو بار بار میرے کان میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔ دفعتہً مجھے خیال آیا اور میں نے ریلزے سے پوچھا۔

"ریلزے! ایک بات بتاؤ۔ ہمارے درمیان ایک شخص موجود ہے جس کے بال برف کی طرح سفید ہیں۔ میری مراد اس سفید بوڑھے سے ہے جس کے ساتھ ایک دبلی پتلی سی لڑکی رہتی ہے۔"

"مسٹر الکانڈر۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"شاید اس کا نام الکانڈر ہو۔ تمہارے گروہ میں ایک ہی شخص ہے جس کی داڑھی مونچھیں، بھوئیں اور سر کے بال سفید ہیں۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ وہ مسٹر الکانڈر ہیں اور اس کے ساتھ لیشی ہے۔"

"لیشی۔"

"ڈبل باس اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ویسے بھی مسٹر الکانڈر نفیس انسان ہیں۔ نرم خو، خوش مزاج اور بزرگانہ شفقت کے مالک۔"

"ہاں.......... بس! مجھے ان کی شخصیت میں ایسی ہی کچھ کیفیت نظر آئی تھی جس کی وجہ سے میں نے ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔"

"ان سے ملاقات کرنا چاہو تو جب جی چاہے پہل کر دینا۔" ریلزے نے کہا۔

"وہ بہت خوش اخلاق آدمی ہیں۔ یقیناً تمہاری پذیرائی کریں گے۔"

"ضرور!" میں نے مختصراً کہا۔

ریلزے خاموش ہو گئی۔ ہمارا سفر شام تک جاری رہا۔ جس جگہ ڈبل باس نے قیام کیا تھا وہ اونچے نیچے بھورے ٹیلوں سے بھری ہوئی تھی۔ درمیان میں کہیں کہیں تھوڑی بہت جگہ موجود تھی لیکن اس رات خیمے نہیں لگائے گئے بلکہ پہلے کی مانند گاڑیوں کا ایک دائرہ بنا کر ان کے درمیان رہنے کے لیے جگہ صاف کر لی گئی۔ رات کا کھانا بھی سفری قسم کا تھا اور آج رات یہاں رقص و سرور کی محفل بھی نہ جمی۔ یہ تھا ڈبل باس کے سفر کرنے کا انداز۔ یہاں کے مختلف علاقوں کی کیفیت میں اب اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ یہاں جگہ جگہ خطرناک دلدلیں، خوفناک جنگل اور وحشی قبیلوں کی بھرمار تھی۔ ڈبل باس ہر سلسلے میں

ہوشیار نظر آتے تھے۔ ویسے میں ان کی تنظیم کا دل سے قائل ہوتا جا رہا تھا۔ بلاشبہ وہ جو کوئی بھی تھے بہترین ذہانت کے مالک تھے اور اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے کر رہے تھے۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ اس گروہ میں جتنے افراد شامل تھے وہ سب ہی جانتے تھے کہ ان کا یہ سفر کس حیثیت کا حامل ہے اور سب کے سب اپنے طور پر اس سے دلچسپی رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ خواتین بھی خزانے کی تلاش میں دوڑی دوڑی چلی جا رہی تھیں۔ یہ ایک دلچسپ مرحلہ تھا اور بہرطور اب تک مجھے ایسے واقعات سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یوں تو زندگی میں بے شمار کردار آئے تھے اور ہر کردار اپنی جگہ ایک الگ حیثیت کا مالک تھا لیکن ڈبل باس مجھے بھی کافی پسند آئے تھے۔

سفر کا دوسرا دن بھی پہلے دن کی مانند تھا البتہ چونکہ راستے دشوار گزار تھے، اس لیے یہ سفر تکلیف دہ رہا۔ خاص طور سے پہلے ایسے راستوں کا تعین کیا جاتا تھا جہاں سفر کیا جائے۔ دوسری رات کا قیام بھی تقریباً ایسا ہی تھا البتہ میری دلچسپی کے لیے ریلزے موجود تھی۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ لڑکی بہت آگے کی چیز ہے اور اس کے ساتھ ربط بڑھانا مشکل نہیں ہے لیکن کیا کرتا، میک درمیان میں موجود تھا۔ وہ بہانے بہانے سے میرے گرد چکرا رہا تھا۔ ریلزے بھی اس سے الجھتی نہیں تھی بلکہ اس کی موجودگی میں مجھ پر زیادہ التفات کا اظہار کر کے وہ غالباً میک مین کو جلانا چاہتی تھی اور میں میک مین کے چہرے پر طیش کے آثار دیکھ کر پریشان ہونے لگتا تھا۔

تیسرے دن کا سفر دھوپ اور گرمی کی وجہ سے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ پتہ نہیں ڈبل باس کون سی لائن پر آگے بڑھ رہے تھے؟ یہ معلومات حاصل کرنا میرا کام نہیں تھا۔ ابھی تک میں نے اپنے کام سے کام رکھا تھا۔ سفر کیسا بھی گزرا ہو لیکن اس رات ہم ایک نخلستان میں پہنچے۔ ناریل اور کھجوروں کے جھنڈ بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان پانی موجود تھا۔ ڈبل باس نے یہاں خیمہ زنی کا اعلان کر دیا اور مجھے ان کے سفر کے انداز کا احساس ہوا۔ وہ ایسی جگہ قیام کرتے تھے جہاں زندگی کی سہولتیں موجود ہوں یعنی پانی، درخت وغیرہ وغیرہ۔ یہاں راتوں رات خیمہ زنی کر لی گئی اور بالکل اسی انداز میں خیموں کا یہ شہر آباد ہو گیا۔ ریلزے نے مجھے بتایا کہ ڈبل باس اب یہاں دو تین دن تک قیام کریں گے

کیونکہ اب تک جو مسلسل سفر کیا ہے اس نے سب کو تھکا مارا ہے۔ چنانچہ ایک طویل قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ سب تازہ دم ہو کر سفر کا ازسرنو آغاز کر سکیں۔ میں نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ اس رات کوئی تفریحی پروگرام نہیں بنایا گیا لیکن دوسرے دن پکنک کا سا سماں تھا۔ رائفلیں نکل آئی تھیں اور بہت سے لوگوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ ٹولیاں شکار کے لیے نکل گئیں۔ غالباً گوشت جمع کرنے اور اضافی خوراک حاصل کرنے کا یہی طریقہ تھا۔ ریلزے نے مجھ سے شکار کے بارے میں پوچھا تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں تو خود شکار ہوں اور عموماً شکاری مجھے شکار کرتے رہے ہیں۔ میں کسی معصوم جانور کو شکار کر کے کیا کروں گا؟"

ریلزے ہنسنے لگی پھر بولی۔ "میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ تم درحقیقت شکار کے انداز کے شکاری ہو اور یقینی طور پر دھوکے سے شکار کرتے ہو۔"

"تم نے اس کا اندازہ کیسے لگایا؟"

"اپنے آپ کو دیکھ کر کیونکہ میں تمہاری شکار ہو گئی ہوں اور تم مستقل مجھے تڑپا رہے ہو۔"

میں نے گہری نگاہوں سے ریلزے کو دیکھا اور اس کا چہرہ دیکھ کر میرے دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ دل ہی دل میں، میں نے کہا کہ محترمہ! میں ایک باکردار آدمی ہوں۔ خواہ مخواہ مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش نہ کیجیے، ورنہ منہ کی کھائیے گا۔

وہ میرے ذہن میں ابھرنے والی سوچوں کو پڑھنے پر قادر ہوتی تو شاید برا مناجاتی لیکن فی الحال تو وہ میرے سر پر سوار تھی۔ میں ریلزے کے ساتھ بہت دیر تک رہا۔ پھر کسی طرح اس سے جان چھوٹ گئی اور میں اپنے طور پر آگے بڑھ گیا۔

شکاری جنگلوں میں پھیلے شکار کھیل رہے تھے۔ بعض ہرن اور نیل گائے اٹھائے واپس آ گئے تھے اور دوسرا گروہ ان جانوروں کی کھال اتارنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک درخت سے ٹک کر اطراف کے مناظر دیکھنے لگا۔ اس سفر کے دوران میں نے کئی بار گینڈوں کے غول دیکھے تھے۔ ایک دو بار شیر کی دھاڑ بھی سنائی

دی تھی لیکن وہ سامنے نہیں آیا تھا۔ ہوسکتا ہے یہاں بھی ایسے وحشی جانور موجود ہوں۔ اس احساس کے تحت میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں اور دفعتہً ہی مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

مجھ سے کوئی سو گز کے فاصلے پر میک کھڑا تھا............ چوڑے چکلے بدن کا یہ آدمی ہاتھ میں رائفل لیے میرا نشانہ لے رہا تھا۔ رائفل کی نال میری ہی جانب اٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھ دوربین سے لگی ہوئی تھی۔ میرے دیوتا کوچ کر گئے۔ ایک لمحے کے لئے میں اپنے فولادی بدن کو بھول گیا۔ مجھے اپنے بدن کے مختلف حصوں میں لاتعداد سوراخ خون اگلتے نظر آنے لگے تھے۔ میں نے وہاں سے ہٹنے کی کوشش کی لیکن پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے۔ میک مین رائفل کے ٹریگر پر ہاتھ رکھے ہوئے میرا نشانہ لیے رہا اور پھر چند لمحات کے بعد رائفل کی نال نیچی کر لی۔ میری طرف دیکھ کر دانت نکوسے اور گردن جھکا کر ایک طرف بڑھ گیا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔ یہ مذاق تھا کہ اپنے غصے کا مظاہرہ؟ یا پھر ایک وارننگ............ بلاشبہ میک مین اگر اس وقت چاہتا تو مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس کے پاس بڑا عمدہ بہانہ بھی موجود تھا۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ اس نے ایک شکار پر گولی چلائی تھی جو غلطی سے میرے جا لگی۔ اس بات پر اس سے باز پرس بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ میرا کام تمام ہوتا یا نہ ہوتا یہ بعد کی بات تھی لیکن پتہ نہیں کیوں اس کم بخت نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

اس بات کا مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ میک مین مجھ سے سخت نفرت کرنے لگا ہے اور کسی بھی وقت میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں جان بوجھ کر کسی ایسی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا تھا چنانچہ یہی فیصلہ کیا کہ آہستہ آہستہ جس طرح ممکن ہو سکا ریلزے سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کروں گا اور اس کا آغاز میں نے دوسرے ہی دن سے کر دیا۔

شام کو معمول کے مطابق باہر محفل جمی، وہی بزم، وہی انداز، موسیقی کی ہلکی ہلکی دھنیں اور ڈبل باس کی تفریحات............ میں نے ریلزے کو خیمے کے درمیان آتے دیکھا۔
عین اسی وقت مسٹر الکانڈر بھی باہر آ کر ایک میز پر بیٹھے تھے اور اتفاق سے میں ان کے

قریب تھا۔ میری ان کی آنکھیں چار ہوئیں تو میں نے مسکراتے ہوئے انہیں ہیلو کہا۔ مسٹر الکانڈر بھی مسکرانے لگے اور پھر شفیق لہجے میں بولے۔ "آیئے۔ کچھ دیر میرے ساتھ بیٹھیے۔"

انہوں نے پیشکش کی اور میں جلدی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ریلزے کے قدم رک گئے تھے۔ وہ چند لمحات کھڑی مجھے دیکھتی رہی اور اس کے بعد پاؤں پٹختی ہوئے آگے بڑھ گئی۔ میں نے اس کی طرف بالکل دھیان نہیں دیا تھا۔
مسٹر الکانڈر کی ساتھی لڑکی کو آج پہلی بار میں اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ کچھ عجیب سے خدوخال کی مالک تھی۔ اس میں بے پناہ دلکشی تھی لیکن نجانے کیوں اس کے چہرے پر ایک اجنبی اجنبی سا انداز پایا جاتا تھا۔ میں بیٹھ گیا تو مسٹر الکانڈر بولے۔
"کئی دن سے آپ ہمارے ساتھی ہیں لیکن نجانے کیوں آپ نے ہم دونوں سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔"
"اوہ............ نہیں مسٹر الکانڈر! اس میں میری کوشش کا دخل نہیں ہے۔ بس! یوں سمجھئے جرأت نہیں کر سکا۔"
"نہیں بھئی۔ انسانوں کو ایک دوسرے سے مل لینا چاہیے۔ اگر آپ ایک آدھ دن اور ہم سے دور رہتے تو پھر میں خود ہی آگے بڑھتا۔ دراصل لیشی کی نگہداشت کے سلسلے میں میرا تمام وقت صرف ہو جاتا ہے۔ میں آپ کو اس سے ملاؤں۔ یہ میری بیٹی لیشی ہے اور میرا نام الکانڈر ہے۔ آپ کے بارے میں مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا نام گادا ہے اور آپ ایشیائی ہیں۔"
"مسٹر الکانڈر! آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی اور حقیقت یہی ہے کہ میں آپ کی شخصیت سے متاثر ہوں۔"
"ارے بھئی واہ! یعنی مجھ سے ملاقات کیے بغیر ہی آپ میری شخصیت سے متاثر ہو گئے۔"
"جی ہاں۔ کچھ شخصیتیں براہ راست ذہن کو متاثر کرتی ہیں اور آپ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ میں نے مس ریلزے سے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کی

تھیں۔"

"اوہ.........اچھا' تعجب ہے۔ میں نے تو اپنی شخصیت میں کوئی ایسی بات نہیں پائی۔" انہوں نے کہا۔

میں ہنسنے لگا تھا۔ مسٹر الکانڈر پھر بولے۔ "اب جبکہ آپ نے یہ قدم اٹھالیا ہے تو ہمارے درمیان اجنبیت نہیں رہنی چاہیے۔ آپ کا تعلق کون سے ملک سے ہے؟"

میں نے مسٹر الکانڈر کو اپنے بارے میں مختصر تفصیلات بتا ڈالیں۔ بلاشبہ ان کا انداز گفتگو بہت اچھا تھا اور اس میں اپنائیت جھلکتی تھی۔ وہ کہنے لگے۔ "مسٹر گادا! جیسا کہ میرے علم میں ہے کہ آپ اتفاقاً بلکہ حادثتاً اس گروہ میں آ شامل ہوئے ہیں۔ میں نے تو یہ بھی سنا تھا کہ آپ مونٹینا کے ساتھ رہ چکے ہیں۔"

"مونٹینا؟" میں نے سوالیہ انداز میں مسٹر الکانڈر کو دیکھا۔

"ہاں! ایک لڑکی جوان سب کے لیے عذاب بنی ہوئی ہے۔"

"اوہ.........اس کا نام پہلی بار میرے علم میں آیا ہے۔ پہلے مجھے اس نام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔"

"ہوسکتا ہے انہوں نے اس کا نام آپ کو کچھ اور بتایا ہو لیکن درحقیقت اس کا نام مونٹینا ہی ہے۔ کیا واقعی آپ اس لڑکی کے ساتھ رہ چکے ہیں؟"

"جی! مجھے اس عذاب میں پھنسانے والی وہی شخصیت ہے لیکن مسٹر الکانڈر، میں نے محسوس کیا ہے کہ لوگ اس کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ ایسا کیوں؟"

"میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں۔ یا تو آپ نے اس سلسلے میں صحیح طور پر تفتیش نہیں کی ہوگی اور اس کے بارے میں جاننا نہیں چاہا ہوگا یا پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی خاص وجہ ہو اس کی۔" مسٹر الکانڈر نے کہا۔

"نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ ڈبل باس سے دو ملاقاتوں میں، میں تمام تفصیلات نہیں معلوم کرسکا اور اس کے بعد اس کا موقع بھی نہیں ملا۔"

'اس کا نام مونٹینا ہے اور وہ مونٹی قبیلے کی لڑکی ہے۔ یہ پورا گروہ یعنی ڈبل باس اسی

قبیلے کی تلاش میں نکلے ہیں۔"

"کیا میں اس قبیلے کی تلاش کا مقصد جان سکتا ہوں؟"

"مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس لڑکی تک رسائی حاصل کی جائے۔ جس خزانے کی تلاش ڈبل باس کو ہے، اس کے نقشے کا آدھا حصہ اسی لڑکی کے پاس ہے۔"

"لیکن اب تک کے حالات سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ لڑکی اپنے قبیلے سے الگ ہو کر ہمارے آس پاس ہی کہیں چکراتی پھر رہی ہے۔ پھر اس قبیلے تک پہنچ کر ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوگا جب وہ ہمیں وہاں ملے گی ہی نہیں؟"

"آپ کا اعتراض بلاشبہ درست ہے لیکن میں اس کا کوئی مناسب جواب دینے سے قاصر ہوں۔ اس سفر کا آغاز ڈبل باس نے ہی کیا تھا اور وہی اس سلسلے میں آپ کی معلومات میں کوئی معقول اضافہ کرسکتے ہیں۔ ہم لوگ تو بس ایک پرانے رشتے کی ڈور سے بندھے ہوئے ان کے ساتھ چلے جارہے ہیں۔"

"پرانا رشتہ؟"

"جی ہاں۔ دراصل جنہیں یہ سب لوگ ڈبل باس کہتے ہیں، میرے لئے یہ میرے بچوں کی مانند ہیں۔ میں بچپن سے ہی ان کا اتالیق رہا ہوں۔ اتنے عرصے کا ساتھ ہے اور ان سے ایسی انسیت پیدا ہوگئی ہے کہ میں انہیں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے جب انہوں نے اس سفر پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا کہ ممکن ہے کسی موڑ پر انہیں میری ضرورت پڑ جائے۔ لیشی کو تنہا چھوڑنا چونکہ ممکن نہ تھا، اس لئے اسے بھی ساتھ لے لیا۔"

"میری بدقسمتی ہے مسٹر الکانڈر کہ اس سے پہلے میں آپ سے ملاقات نہیں کرسکا۔ آپ کے ذریعے میری معلومات میں کافی اضافہ ہوا ہے۔"

"یہ وہ عام معلومات ہیں جو آپ کسی بھی شخص سے حاصل کرسکتے ہیں۔"

"ہاں۔ مجھے تھوڑی بہت تفصیلات معلوم ہوچکی ہیں.........مس لیشی بالکل خاموش ہیں، کیا یہ کچھ بیمار ہیں؟" میں نے مسٹر الکانڈر کی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ ہاں.........لیشی ذہنی طور پر معذور ہے اور خاموش رہتی ہے۔ طویل عرصے

سے یہ کچھ نہیں بولی۔ دیکھتی ہے، عمل کرتی ہے لیکن کچھ بولتی نہیں۔''

میں نے ہمدردانہ نگاہوں سے لیشی کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھی دوسری جانب دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس کا یہ انداز بھی بے حد پرکشش لگا۔ مسٹر الکانڈر کے ساتھ بیٹھ کر میں نے کافی پی اور مسٹر الکانڈر بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ ریلزے سے برداشت نہ ہوسکا تو وہ خود اٹھ کر میرے پاس آ گئی۔

''رقص شروع ہو چکا ہے۔ کیا آج تم میرا ساتھ نہ دو گے؟'' اس نے کچھ اس انداز میں میرا بازو پکڑا کہ مجھے اٹھنا ہی پڑا۔ میں اس کے ساتھ رقص کرنے میں مصروف ہو گیا۔ عجیب وغریب لڑکی تھی کسی طرح جان ہی نہیں چھوڑتی تھی۔ میں اس سے اتنا منحرف نہ ہوتا اگر میک مین درمیان میں موجود نہ ہوتا۔ وہ کم بخت ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ اس وقت بھی رقص کے دوران وہ خاموش بیٹھا ہم دونوں کو گھور رہا تھا اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ میرے قدم ڈگمگا گئے اور ریلزے چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''کیوں.........کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں.........رقص کرتی رہو۔'' میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ میرے حواس اب برقرار نہیں رہے تھے۔ رقص میں مجھے ذرا بھی لطف نہیں آ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔

''اوہ.........یہ کیا کر رہے ہو؟'' دفعتہً ریلزے کسمسائی اور میں چونک پڑا۔

''کیا بات ہے؟''

''بار بار میرا پاؤں کچل رہے ہو۔''

''سوری۔''

''تم کچھ الجھے ہوئے ہو؟''

''ہاں شاید۔''

''کیا اس کی وجہ وہ لڑکی ہے؟''

''کون؟'' میں چونک کر بولا۔

''لیشی کی بات کر رہی ہوں۔'' ریلزے کے لہجے میں جلن ابھر آئی اور میں نے

ایک گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔

''جی نہیں محترمہ! اس کی وجہ وہ لڑکی نہیں بلکہ وہ دیوزاد ہے جو آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے کئی بار ہڑپ کر چکا ہے۔''

''تم اس کی طرف غور ہی نہ کیا کرو۔''

''میں صرف اپنی طرف غور کرتا ہوں اور میں.........آپ خود میرا جائزہ لے سکتی ہیں۔''

''وہ دنیا کا سب سے بزدل انسان ہے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''بزدل انسان سب سے خطرناک ہوتا ہے یہ میرا عمر بھر کا تجربہ ہے۔'' میں نے کہا اور ریلزے خاموش ہو گئی۔ میں گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر کسی نے میرا شانہ ہلا کر مجھے جھنجھوڑ دیا اور میں چونک پڑا۔

میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ میرے سامنے لیشی کھڑی تھی۔ بوڑھے الکانڈر کی بیٹی لیشی، جسے شروع سے لے کر اب تک میں نے بولتے چالتے تو کیا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بھی نہ دیکھا تھا، جس کے متعلق اس کے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ذہنی طور پر معذور ہے اور کسی بات میں اپنے طور پر حصہ نہیں لیتی، بس دیکھتی ہے، سن لیتی ہے اور کچھ کہا جائے تو عمل کر لیتی ہے۔ وہی لیشی، میرے سامنے کھڑی تھی۔

ریلزے کا منہ بھی حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ اسی لڑکی کے سلسلے میں شک وحسد کا شکار ہو رہی تھی۔ شاید اس کا خیال تھا کہ میں اسے پسند کرنے لگا ہوں، لیکن یہ توقع تو اسے بھی نہ رہی ہوگی کہ لیشی یوں اٹھ کر میرے سامنے آ کھڑی ہوگی۔

میں نے بمشکل تمام اپنی حیرت پر قابو پایا اور کہا۔ ''فرمائیے مس لیشی، میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں؟''

جواب وہی ملا جس کی مجھے توقع تھی یعنی خاموشی۔ اس نے ایک دفعہ پھر مجھے زور سے ہلایا اور اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیا مسٹر الکانڈر مجھے یاد کر رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ دیا اور بدستور مجھے اٹھنے کا اشارہ کرتی رہی۔

"کیا بات ہے لیشی؟" اس مرتبہ ریلزے بولی تھی۔ وہ بھی اپنی حیرت پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ "تم مسٹر گادا کو کہاں لے جانا چاہتی ہو؟"

لیشی نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے کی طرح خاموش تھی لیکن اب اس کی آنکھوں میں ایسی چمک در آئی تھی کہ ریلزے کی نگاہیں خود بخود جھک گئیں۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہوئیں اور مجھے یوں لگا جیسے ان کی لو ایک دم بڑھ گئی ہو۔ مزید کوئی سوال کئے بغیر میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

لیشی نے میرا ہاتھ تھام لیا اور میری رہنمائی کرتی ہوئے ایک طرف لے جانے لگی۔ اس کی رفتار کسی قسم کی عجلت یا غیر ہمواری نہیں تھی۔ وہ یوں چلتی چلی جا رہی تھی جیسے کوئی بڑا کسی چھوٹے سے بچے کو انگلی سے لگائے پارک میں گھوم رہا ہو۔ پہلے میں سمجھا کہ وہ مجھے مسٹر الکانڈر کے پاس لے جانا چاہتی ہے لیکن اس کا رخ کیمپ کی بیرونی سمت تھا۔ ویسے بھی ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے پر مجھے اندازہ ہوا تھا کہ مسٹر الکانڈر کہیں نظر نہیں آ رہے۔

میں نے سوچا کہ شاید مسٹر الکانڈر کیمپ سے باہر کسی جگہ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس ملاقات کا مقصد کیا ہو گا؟ مسٹر الکانڈر سے میری شناسائی نہ صرف مختصر تھی بلکہ بے حد رسمی بھی تھی۔ مجھ جیسے راہ چلتے آدمی سے یوں دوسروں سے ہٹ کر ملاقات کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا تھا۔

لیشی مجھے لئے ہوئے اس چشمے تک پہنچ گئی جس کے کنارے ہمارے کارواں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہاں پہنچ کر بھی وہ رکی نہیں تھی بلکہ چشمے کا چکر کاٹنے لگی۔ ایک طویل چکر کاٹ کر ہم چشمے کے دوسری سمت پہنچ گئے۔ یہاں درختوں کے جھنڈ کچھ زیادہ ہی گھنے تھے۔ لیشی مجھے لئے آگے بڑھتی چلی گئی۔ ہم درختوں کے ایک جھنڈ کے عین وسط میں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر لیشی رک گئی۔ اس نے میرا ہاتھ چھوڑا اور میری طرف مڑی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

پھر میرے سر پر بم پھٹا۔

بلکہ شاید اسے بم پھٹنے سے بھی تشبیہ نہیں دی جانی چاہئے۔ بم بھی آ پھٹتا تو میں اتنا حیران نہ ہوتا!

"تم نے ان لوگوں کو خوب بیوقوف بنایا ہے ناصر شاہ!" لیشی نے کہا تھا۔

اس ہمیشہ چپ رہنے والی لڑکی کو بولتے دیکھ کر اور وہ بھی ایسی بات جس سے صرف میں واقف تھا، آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ مارے حیرت کے میرا کیا حال ہوا ہو گا۔ اگر اس وقت میرے سامنے آئینہ رکھ دیا جاتا تو شاید میں خود اپنی پھیلی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ڈر جاتا۔

میرے تاثرات دیکھ کر لیشی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر میرے گال کو چھوا اور مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ اس بظاہر روکھی پھیکی سی نظر آنے والی لڑکی کے ہاتھ میں زندگی کی حدت کیسے موجیں مار رہی ہے۔

"میری بات کا جواب نہیں دو گے ناصر شاہ!" اس نے ایک دفعہ پھر کہا۔

میں لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میرے ہونٹ جیسے خود بخود ہلے۔ "تم کون ہو لیشی؟"

"کیا نظر آتی ہوں تمہیں؟" اس نے شوخی سے کہا۔

"تم کیا .... کیا چیز .... ہو؟" الفاظ میرے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

"تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں ...."

"تم نے خود مجھے بتایا۔" اس نے کہا اور میری حیرت دوچند ہو گئی۔

"میں نے؟ .... کب .... کیا بتایا؟"

"تمہارے دل نے مجھے پکارا تھا۔" لیشی کی شوخی مزید جاندار ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کی چمک پر نگاہیں جمانا دشوار ہو گیا تھا۔ "میں نے اس کی صدا پر کان دھرا اور تمہاری ساری کہانی سن لی۔"

"کیسی کہانی؟"

"یہی کہ تم ایک لکھاری ہو، نت نئی کہانیوں کی تلاش میں گھر سے نکلے تھے کہ برفزاروں میں جا پھنسے، وہاں تمہاری ملاقات منور سے ہوئی۔ تم نے اس کی کہانی سنی، پھر

تم منور اور ایک اور آدمی کے ساتھ مل کر برفزاروں سے نکلنے کی راہ تلاش کرنے نکلے۔ وہ دونوں راستے میں ہی موت کا شکار ہو گئے لیکن تم بچ نکلے۔ پھر تم ذی آنا پہنچ گئے، وہاں تمہاری ملاقات شی وش اور ہارلیس سے ہوئی، پرشیانہ، روتھن اور زیرااس سے ہوئی، اور تم وہاں سے ان لوگوں کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے ہو جو ذی آنا پر قبضے کے خواہشمند ہیں، لیکن تم خود نہیں جانتے کہ منزل کہاں ملے گی۔"

"کیا کہہ رہی ہو لیشی؟" میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "خدا کے لئے کوئی سمجھ آنے والی بات کرو۔ تم تو مجھے پاگل کر دو گی۔"

"پاگل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے کہا۔ "اور نہ ہی پریشان ہونے کی۔ تمہارا راز میرے سینے میں اسی طرح محفوظ رہے گا جیسے تمہارے اپنے دل میں۔"

"لیکن............لیکن............آخر تمہیں یہ سب معلوم کیسے ہوا؟" میں نے متوحش ہو کر پوچھا۔

"کہا نا، تمہارے دل نے مجھے پکارا تھا۔" اس نے کہا۔ "لوگوں کے دل اکثر مجھے آواز دیتے رہتے ہیں لیکن میں ہر کسی کی صدا پر متوجہ نہیں ہوتی۔ کوئی کوئی ایسا ہوتا ہے جو مجھے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمہارے دل میں کی پکار میں ایسی کشش تھی کہ میں خود بخود کھنچی چلی آئی۔"

اس مرتبہ کچھ کہنے کے بجائے میں نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ میں اپنے ذہن کو پرسکون کرنا چاہتا تھا تا کہ کوئی ڈھنگ کی بات سوچ سکوں۔ اس لڑکی نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ جو باتیں صرف مجھے معلوم تھیں، وہ اسے کیسے پتہ چل گئی تھیں؟ میں کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔

"ذہن پر خواہ مخواہ زور مت ڈالو۔" اس مرتبہ لیشی نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سمجھنے کی کوشش نہیں کی جانی چاہئے، بس ایک حقیقت سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے۔ اتنا اطمینان رکھو کہ مجھے یہ باتیں معلوم ہونے کا تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ ممکن ہے کوئی فائدہ ہی ہو جائے۔"

"فائدہ؟" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "کیسا فائدہ؟"

"تم میرے ڈیڈی سے واقف نہیں ہو۔" اس نے کہا۔ "ڈبل باس نے انہیں ایسے ہی اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ وہ اگر چاہیں تو تمہاری مشکل حل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"لیکن کیسے؟"

"یہ تم براہ راست ان سے بات کر کے معلوم کر سکتے ہو۔" لیشی نے کہا۔ "لیکن اتنا یاد رکھنا کہ انہیں یہ مت بتانا کہ یہ مشورہ تمہیں میری طرف سے ملا ہے۔ دنیا کے سامنے میں گونگی اور ذہنی معذور ہوں۔ میں چاہوں گی کہ یہ تاثر برقرار رہے۔"

میں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ لیشی واپسی کے راستے پر چلنے لگی اور میں اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم کیمپ واپس پہنچ گئے۔ کیمپ واپسی کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے لیشی سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ مسٹر الکانڈر مجھے ملیں گے کہاں؟ اب پوچھنا بیکار تھا کیونکہ سب کے سامنے لیشی کبھی نہ بولتی۔

میں مسٹر الکانڈر سے فوراً ملنا چاہتا تھا۔ لیشی کی باتوں نے مجھے ایک بے چینی میں مبتلا کر دیا تھا۔ جس مقصد کے لئے میں ان ویرانوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا، اسے پورا کرنا ہی میرے لئے سب کچھ تھا اور اگر مسٹر الکانڈر اس ضمن میں میرے مددگار ثابت ہو سکتے تھے تو میں جلد از جلد ان کی مدد حاصل کر لینا چاہتا تھا۔

میں تھوڑی دیر انہیں ادھر ادھر ڈھونڈتا رہا۔ پھر میری نگاہ فالکن پر پڑی۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ میں فوراً اس کی طرف لپکا۔ مجھے یوں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ چونک گیا۔ "خیریت مسٹر گادا؟"

"میں مسٹر الکانڈر سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنے اضطراب پر قابو رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کہاں ملیں گے وہ؟"

"یہیں کہیں ہوں گے۔" اس نے کہا۔ "لیکن آپ کی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے، خیریت تو ہے؟"

فالکن کی نگاہ بہت تیکھی معلوم ہوتی تھی۔ میری پوری کوشش کے باوجود وہ میرے اندرونی تغیر کو بھانپ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے

ہوئے کہا۔ ''بس ایسے ہی ان سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''آپ یہاں بیٹھئے۔'' اس نے کہا۔ ''میں انہیں ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔''

''نہیں نہیں شکریہ۔'' میں نے اسے روک دیا۔ ''ایسی بھی کوئی خاص بات نہیں کہ آپ ان کی تلاش میں بھاگ اٹھیں۔ ان سے ملاقات ہو ہی جائے گی۔''

فالکن نے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس گہری گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا تھا۔ میں اس کے شک کو مزید تقویت نہیں دینا چاہتا تھا، اس لئے اس کے سامنے سے ہٹ کر اپنے خیمے میں جا گھسا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ذہن طوفانوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ لیشی نے مجھ پر حیرتوں کے جو پہاڑ گرائے تھے، اس کے بعد میری کیفیت ایسی ہونا بالکل بجا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ چپ چاپ، گم صم، اپنے آپ میں مگن لڑکی اندھیرے کا ایسا تیر ثابت ہوگی کہ سیدھا دل میں ترازو ہو جائے گی۔

مسٹر الکانڈر کی ذات میں مجھے پہلے ہی ایک نامعلوم سی کشش محسوس ہوئی تھی اور اب سمجھ آ رہا تھا کہ میرا ان کی طرف یوں کھنچے چلے جانا بلاوجہ نہیں تھا۔ ان کی ذات میرے مقصد سے کسی نہ کسی طور وابستہ تھی، اس لئے میرا دل مجھے ان کی طرف بڑھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ مسٹر الکانڈر میرے لئے کیا کر سکتے ہیں۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ آخری تاریخوں کا چاند آسمان پر جگمگانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی کمزور روشنی خیمے کے پردے کی درزوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ میں اپنے ہی خیالوں میں مگن تھا کہ اچانک چاند کی روشنی نمایاں ہوگئی اور میں چونک پڑا۔

میرے خیمے کا پردہ ہٹا تھا اور ریلزے اندر سرک آئی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ سر پیٹ لوں۔ کم بخت تنہائی کے دو لمحے دینے پر بھی تیار نہ تھی۔ اس وقت میں سب سے الگ ہو کر کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ پھر میرے سر پر آ سوار ہوئی تھی۔ ایک دفعہ تو جی میں آئی کہ اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں لیکن پھر میں نے خود پر قابو پا لیا۔

''تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

''میں کہاں غائب ہوتا؟'' میں نے اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہیں تو تھا۔ بس جی چاہ رہا تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے دوسروں سے ہٹ کر تنہائی میں بیٹھا جائے،

سو یہاں آ گیا۔''

''میں یہ نہیں پوچھ رہی۔'' اس نے قدرے چڑچڑے پن سے کہا اور میرا غصہ ایک دفعہ پھر ابل پڑا۔

''پھر کیا پوچھ رہی ہو؟'' میں نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

''میں پوچھتی ہوں کہ آخر تم اس حرافہ کے ساتھ کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ آخر یہ ہوتی کون تھی مجھ سے اس طرح باز پرس کرنے والی۔ ذرا سی لفٹ کیا دے دی، سر پر چڑھنے لگی۔ یکدم ہی میں نے فیصلہ کیا کہ ریلزے کو اس کی حدود میں رہنے کا سبق پڑھا دیا جائے۔

''میں کہاں جاتا ہوں اور کیا کرتا ہوں..........'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اس سے تمہیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ دوستی کا مطلب یہ نہیں کہ تم وقت بے وقت میرے سر پر سوار ہوتی رہو۔''

خیمے کی نیم تاریکی میں ریلزے کی آنکھوں میں پہلے حیرت نظر آئی پھر غصے کی چمک۔ ''تو ایک ہی ملاقات میں دماغ عرش پر پہنچ گیا جناب کا۔''

''فضول باتیں مت کرو۔'' میں نے سختی سے کہا۔ ''جو تم سمجھ رہی ہو، ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا ہے؟''

''تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔''

''میرے غصے کو آواز مت دو، میرے ایشیائی دوست۔'' ریلزے پھنکاری۔ ''اگر میں بھڑک گئی تو تمہاری اس لیشی کی خیریت نہیں۔''

''اس کی خیریت یا عدم خیریت سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔'' میرا لہجہ مزید سرد ہو گیا۔ ''اگر تم اس سے الجھنا چاہتی ہو تو میری طرف سے ہر طرح سے اجازت ہے لیکن خواہ مخواہ میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرو، تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا۔''

''کس کے لئے کیا اچھا نہ ہوگا، اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا مسٹر گادا۔'' ریلزے نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہیں پسند کیا ہے اور میری پسند کی طرف کسی

اور کی نگاہ اٹھے، یہ میں برداشت نہیں کرسکتی۔ اس لیشی سے تو خیر میں نمٹ ہی لوں گی، لیکن تم بھی یادرکھنا کہ میری چاہت کوٹھکرانا تمہیں بہت مہنگا پڑسکتا ہے۔"

"میں سستی چیزوں کو ویسے بھی پسند نہیں کرتا۔" اس بار میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"دیکھتا ہوں کہ تم میرے اس فعل کی کیا قیمت لگاتی ہو۔"

ریلزے تھوڑی دیر مجھے گھورتی رہی پھر جس طرح آئی تھی، اسی طرح باہر نکل گئی۔

میں ایک گہری سانس لے کر بستر پر دراز ہو گیا۔ یہ ایک اور مصیبت گلے پڑی۔ پہلے کیا کم جنجال تھے جو راہ چلتے ایک اور بلا سر پر سوار ہو گئی۔ خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

ریلزے سے جھک جھک کر کے گویا میرے اندر سے کوئی غبار نکل گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید ساری رات پلک جھپکانے کا موقع نہ مل سکے گا لیکن اس کے جانے کے بعد آہستہ آہستہ نیند کی پریاں میری آنکھوں میں اترنا شروع ہو گئیں اور آہستہ آہستہ میں خوابوں کی وادیوں میں پہنچ گیا۔



اگلی صبح میری آنکھ ذرا دیر سے ہی کھلی تھی۔ پرانا دور ہوتا تو یقیناً اس وقت بدن ٹوٹتا اور کسلمندی بے طرح غلبہ پاتی لیکن ذی آنا کے حکماء کی ادویات کا تختہ مشق بننے کے بعد تھکن، کسلمندی اور بدن ٹوٹنے جیسی شکایات میری زندگی سے یکسر خارج ہو چکی تھیں۔ میں ہمیشہ تازہ دم اور ہشاش بشاش رہتا تھا۔

اٹھتے ہی پہلا خیال جو میرے دل میں آیا وہ لیشی کا تھا۔ اس کے حوالے سے مسٹر الکانڈر یاد آئے اور پھر ریلزے ذہن میں آ گئی۔ رات جانے سے پہلے وہ مجھے دھمکی دے کر گئی تھی۔ خیر جہنم میں جائے، اس کی دھمکیوں کی یہاں کسے پرواہ ہے! رہی لیشی کی بات، تو وہ پراسرار لڑکی اپنی حفاظت کرنا خوب جانتی ہو گی۔ اگر باہر نکل کر کہیں نظر آ گئی تو ریلزے کی طرف سے خبردار کر دوں گا۔ پھر وہ جانے اور اس کا کام۔

باہر نکل کر میں چشمے پر پہنچا۔ نہا دھو کر واپس آیا۔ کیمپ میں ناشتہ تقسیم کیا جا رہا تھا۔ گذشتہ روز کے شکار کئے ہوئے جانور ابھی تک کام آ رہے تھے۔ میں نے ناشتہ کرنے والے افراد کا جائزہ لیا۔ ریلزے موجود نہیں تھی، البتہ اور کئی شناسا چہرے موجود تھے جن

میں میک مین بھی شامل تھا۔ اس کی توجہ اس وقت میری طرف نہیں تھی۔ وہ ناشتے کے خالی برتن سامنے رکھے، ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکائے کسی سوچ میں غرق تھا۔

اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل میں آئی کہ اس سے ذرا کھل کر بات کی جائے۔ میں آگے بڑھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔ "معاف کیجئے مسٹر میک مین، کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" میں نے بے حد مہذبانہ لہجے میں کہا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔ پھر وہ خود پر قابو پا کر بولا۔ "ہاں ہاں، کیوں نہیں، تشریف رکھئے مسٹر گادا۔"

"شکریہ۔" میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ناشتہ لاؤں آپ کے لئے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی بھوک نہیں۔ ضرورت محسوس ہو گی تو خود لے آؤں گا۔ بہرحال پیشکش کا شکریہ۔" میں نے کہا۔

"اور کیا خدمت کرسکتا ہوں میں آپ کی؟"

"آپ میری ایک الجھن دور کرسکتے ہیں۔"

"الجھن!"

"جی ہاں۔"

"کیسی الجھن؟"

"میں جب سے آپ لوگوں کی پارٹی میں شامل ہوا ہوں، آپ مجھ سے کچھ ناراض ناراض سے، کچھ کھنچے کھنچے سے دکھائی دیتے ہیں۔ کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں مسٹر گادا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے شاید۔"

"کاش غلط فہمی ہی ہوئی ہوتی، لیکن بدقسمتی سے میں اس بارے میں پریقین ہوں۔ پہلی نگاہ میں آپ مجھے ایک گرمجوش اور محبت کرنے والے انسان لگے تھے۔" میں نے اس تھوڑا سا مکھن لگایا۔ "لیکن آپ کی طرف سے ایسے ردعمل کے اظہار پر مجھے بے حد افسوس ہوا، مزید افسوس اس بات کا ہے کہ میں ابھی تک اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں کھل کر بات کروں مسٹر گادا؟"

"جی جی پلیز۔" میں نے کہا۔ "میں نے اسی لئے آپ کو ڈسٹرب کیا ہے کہ کھل کر بات کی جا سکے۔"

"تو کھلی بات یہ ہے کہ مسٹر گادا کہ میں ریلزے سے محبت کرتا ہوں اور آپ کی طرف اس کا التفات مجھے بالکل پسند نہیں۔"

میں مسکرا دیا۔ "میں آپ کے جذبات اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں مسٹر میک، لیکن یقین کیجئے کہ میرے اور ریلزے کے درمیان ایسی کوئی بات نہیں، جیسی آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"تو پھر آپ دونوں کا ہر دم ساتھ ساتھ گھومنا اور رقص کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ میں نے کبھی ریلزے کو مجبور نہیں کیا کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے یا میرے ساتھ رقص کرے۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ نہ آپ اس پر کوئی پابندی لگا سکتے ہیں نہ میں۔"

"لیکن آپ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو رنگ مچلتے ہیں، میں ان سے اچھی طرح واقف ہوں مسٹر گادا۔ کبھی یہ رنگ میرے لئے مچلا کرتے تھے۔"

"ریلزے کے دل کی بات تو میں نہیں جانتا لیکن اپنے دل کی بات بتا سکتا ہوں۔ میں نے کبھی اسے اس نگاہ سے دیکھا ہی نہیں، بلکہ یوں کہئے کہ دیکھ ہی نہیں سکتا۔ میں تو پہلے ہی کسی اور کی نگاہ کے تیر کا گھائل ہوں، ریلزے سے آنکھیں کیسے لڑا سکتا ہوں۔"

"پھر بھی آپ کا وجود ہم دونوں کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔"

"تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ دیوار ہٹ جائے؟"

"اگر اچھے طریقے سے ہٹ جائے تو بہت بہتر ہے۔"

"بصورت دیگر؟"

"بصورت دیگر میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب کیا کر بیٹھوں۔ جب مجھے غصہ آتا ہے تو کچھ ہوش نہیں رہتا، بالکل باؤلا ہو جاتا ہوں میں۔"

"اطمینان رکھئے مسٹر میک، ایسی نوبت کبھی نہیں آئے گی۔ میں ریلزے کو سمجھا

دوں گا کہ وہ آپ کی محبت کی قدر کرنا سیکھے۔ آپ جیسا شاندار نوجوان اسے اور کہاں ملے گا۔"

میک مین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کیا آپ وعدہ کرتے ہیں؟"

"اگر میرا وعدہ آپ کے لئے قابل اعتبار ہو تو چلئے وعدہ ہی سہی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "آج سے ہم دونوں کے درمیان مخاصمت ختم اور پکی دوستی قائم۔"

اور میں نے ہنس کر اس سے ہاتھ ملا لیا۔

تھوڑی دیر میں اس کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر یہ احساس لئے وہاں سے اٹھ آیا کہ چلو ایک دشمن تو کم ہوا۔ اس نے مجھے دھمکی ضرور دی تھی لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ اس جیسے دس ہاتھیوں سے نمٹنا میرے لئے معمولی بات تھی لیکن جو گڑ سے مرے اسے زہر کیوں دیا جائے۔ جب میں اسے دوست بنا کر بھی کام چلا سکتا تھا، تو خواہ مخواہ کی مارا ماری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

رہا جہاں تک ریلزے کا سوال، تو مجھے یقین تھا کہ رات کے تجربے کے بعد وہ اب خود ہی میری راہ میں آنے سے کترائے گی۔

اور میرا یہ یقین فوراً ہی جھوٹا ثابت ہو گیا۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا اور نہ جانے کس طرف سے ریلزے مجھ پر نازل ہو گئی۔ "ہیلو گادا!" اس کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی اور میں کراہ کر رہ گیا۔ یہ مصیبت پھر آمری۔

"ہیلو!" میں نے بادل نخواستہ کہا۔

"اگر تم آج کا سارا دن میرے ساتھ رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارا رات کا قصور معاف کر سکتی ہوں۔"

میں اس وقت ایک درخت کے قریب کھڑا تھا۔ جی چاہا یہی کھردرا سا درخت اکھیڑ کر اس کے سر پر دے ماروں۔ میں اپنی مصیبتیں کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ گلے کا ہار بنی جا رہی تھی۔ نہ جانے کس مٹی کی بنی ہوئی تھی کہ رات کو میرے منہ سے اتنی سخت باتیں سننے کے باوجود مسکرا رہی تھی۔

"کیسا قصور؟" میں نے ضبط کر کے کہا۔

"جو تم نے رات کو مجھے غصہ دلا کر کیا تھا۔" اس نے کہا۔ "ویسے مجھے احساس ہے کہ میرے منہ سے بھی کچھ سخت باتیں نکل گئی تھیں، ان کے لئے میں معذرت خواہ ہوں............ دیکھو میں نے معافی مانگ لی ہے۔ اب تمہیں بھی معذرت کر لینی چاہئے۔"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس کے لئے معذرت طلب کروں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"توبہ ہے، مزاج ہی نہیں مل رہے جناب کے۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔ "دوستی میں تو ایسی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان ایسی باتوں کو دل پر لگا لے۔"

"تم بے حد شدید غلط فہمی کی شکار ہو مس ریلزے!" میرے لہجے میں کھردراہٹ اتر آئی۔ "تم سمجھ رہی ہو کہ جلد یا بدیر میں بھی تمہارے حسن و جمال کا دیوانہ ہو کر تمہارے گرد طواف کرتا نظر آؤں گا لیکن یہ تمہاری بھول ہے۔ اگر تم مزید تلخی سہنا نہیں چاہتیں تو بہتر ہوگا مجھے میری ذات تک محدود رہنے دو۔"

ریلزے کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگ گئی تھی۔ اس کی روشن بڑی بڑی آنکھیں کچھ اور بھی بڑی ہو گئی تھیں اور ان کی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں نہ جانے کیا کیا طوفان اٹھ رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی پھر پلٹ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

میں نے ایک گہرا سانس بھرا اور ناشتے کے سٹال کی طرف بڑھ گیا۔ ارادہ تھا کہ پیٹ پوجا کرنے کے بعد مسٹر الکانڈر سے ملاقات کرنے کی کوشش کی جائے۔ ویسے ابھی تک وہ مجھے نظر نہیں آئے تھے۔ عجیب بات تھی۔ جب تک مجھے ان کی اہمیت کا علم نہیں ہوا تھا، وہ ہر روز نظر آتے رہے تھے اور اب جبکہ میں انہیں تلاش کر رہا تھا، مل کر ہی نہیں دے رہے تھے۔ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

ناشتے کے بعد میں پھر انہیں ڈھونڈنے کے لئے نکلا۔ ابھی تک وہ کہیں دکھائی نہیں

دیئے تھے اور مجھ پر جھنجلاہٹ طاری ہوتی جا رہی تھی۔ ایک دفعہ خیال آیا کہ کسی سے ان کے متعلق پوچھ لوں لیکن پھر میں نے خود ہی یہ ارادہ ترک کر دیا۔ رات کو فالکن میرے انداز کی وجہ سے پہلے ہی شک میں مبتلا ہو چکا تھا۔ ممکن ہے اس نے اور لوگوں سے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہو۔ اب اگر میں دوبارہ اس طرح مسٹر الکانڈر کے متعلق پوچھتا ہوا نظر آتا تو یقیناً ان کے شبہات مزید قوت پکڑ جاتے۔ یہ میرے لئے کسی طور سودمند نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر مجھے لیشی نظر آئی۔ مسٹر الکانڈر اس کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ تنہا ایک میز پر بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔ میز خالی تھی۔ شاید وہ ناشتہ کر چکی تھی یا کرنے والی تھی۔ میں کچھ دیر اپنی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ بظاہر گونگی بہری لڑکی ایسی حیرت انگیز صلاحیتوں کی مالک ہوگی۔ میرے دل کی بات میرے منہ پر کر کے اس نے مجھے اس بری طرح چونکایا تھا کہ پناہ بخدا............ اور اب یوں بیٹھی تھی جیسے اس جیسی مجبور اور قابل رحم ہستی دنیا میں نہ ہو۔

کچھ سوچ کر میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ نہ جانے اسے معلوم تھا یا نہیں کہ مسٹر الکانڈر اس وقت کہاں ہوں گے اور معلوم تھا بھی تو وہ میری بات کا جواب دیتی یا نہیں۔ بہر حال اسی طرح امید و بیم کی کشمکش میں مبتلا میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

"ہیلو لیشی!" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میری آواز اس کے کانوں تک پہنچی نہیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں کسی پتھر کے مجسمے سے مخاطب ہوں۔

"کیا میں تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟" میں نے ایک دفعہ پھر کہا۔ اس کی طرف سے پھر کوئی جواب نہ ملا اور میں خود کو بے حد ہونق محسوس کرنے لگا۔ جی کڑا کر کے میں نے ایک دفعہ پھر اس سے کہا۔ "تمہارے ڈیڈی کہاں ہیں لیشی؟"

اس مرتبہ جواب ملا اور اس طریقے سے ملا کہ میں اچھل پڑا۔ لیشی کے لب نہیں ہلے تھے، لیکن میرے کانوں میں اس کی آواز گونجی تھی۔ "بے صبری کا مظاہرہ مت کرو۔"

میں بدک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیشی کی نگاہیں بدستور خلا میں مرکوز تھیں۔ وہ بولی نہیں تھی لیکن اس کی آواز میرے کانوں میں پڑی تھی اور وہی آواز ایک دفعہ پھر آئی۔

”کسی طرح کی تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ڈیڈی تمہارے بارے میں جان چکے ہیں۔ وہ جلد ہی خود تم سے ملیں گے۔ اب تم جاؤ۔“

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی انجانی قوت نے میرے شانے پکڑ کر مجھے گھما دیا ہو۔ میرے قدم خود بخود اٹھنے لگے۔ لیشی کی ہدایت کے مطابق میں اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ آج اس لڑکی نے ایک دفعہ پھر مجھے گھما کر رکھ دیا تھا۔ نہ صرف ذہنی طور پر بلکہ جسمانی طور پر بھی۔ نہ جانے اس کے اندر کون سی قوت سمائی ہوئی تھی۔

میں کہیں رکے بغیر سیدھا اپنے خیمے میں پہنچ گیا۔ بوڑھے ہارلیس نے مجھ سے کہا تھا کہ چلتے رہو، کہیں نہ کہیں منزل کی طرف رہنمائی کرنے والا موڑ سامنے آ ہی جائے گا اور مجھے لگ رہا تھا جیسے وہ موڑ سامنے آ گیا ہو۔ اس عجیب وغریب لڑکی سے میری ملاقات کوئی نہ کوئی رنگ لانے والی تھی۔

شام تک میں اسی طرح اپنے خیمے میں موجود رہا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت بھی میں باہر نکلا۔ سہ پہر کو ڈبل باس کا ہرکارہ میری خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ میں کھانا کھانے کیوں نہیں آیا۔ میں نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ بنا کر اسے واپس بھیج دیا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ پھر واپس آ گیا۔ یہ پیغام لے کر کہ اگر میری طبیعت ٹھیک نہیں تو کیمپ کے ڈاکٹر کو یہاں بھیجا جا سکتا ہے۔ میں نے اسے تسلی دی کہ ڈاکٹر وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی طبیعت کچھ سست سی ہو رہی ہے۔ میں بس آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ واپس نہیں آیا تھا۔

شام کو جب ایک دفعہ پھر رقص وموسیقی اور طعام وبادہ نوشی کے ہنگاموں کا آغاز ہوا تو میں اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ ذہنی اضطراب کے باعث بھوک تو خیر اڑ ہی گئی تھی، کسی کی شکل دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں صرف اس امید پر باہر نکلا تھا کہ الکانڈر سے ملاقات ہو جائے تو ان سے کوئی بات کرنے کا موقع مل سکے۔

لیکن الکانڈر سے ملاقات ہونے سے پہلے میک مین سے ٹکراؤ ہو گیا۔ ”میں آپ

ہی کی طرف آ رہا تھا، مسٹر گادا!“ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

”خیریت؟“ میں نے الکانڈر کی تلاش میں نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کی ملاقات ریلزے سے ہوئی تھی؟“

”ہاں صبح ہوئی تھی۔“

”کیا آپ دونوں کے درمیان کوئی تلخی ہو گئی ہے؟“

”آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟“

”وہ میں بعد میں بتاؤں گا، پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔“

”تلخی وغیرہ تو خیر کوئی نہیں ہوئی تھی، البتہ میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش ضرور کی تھی کہ میں اس کے کام کا آدمی نہیں ہوں، اس لئے بلاوجہ مجھ سے ربط ضبط بڑھانے کی کوشش نہ کرے۔ اب اگر اس نے میرے سمجھانے کو دل پر لے لیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”وہ بھری بیٹھی ہے آپ کے خلاف۔“

”آپ سے کوئی بات ہوئی ہے اس کی اس موضوع پر؟“

”اسی لئے تو میں آپ کی طرف آ رہا تھا۔ اگر صبح میری آپ سے بات نہ ہو چکی ہوتی تو شاید میرا ردعمل کچھ اور ہوتا لیکن اب میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی بدگمانی نہیں۔“

میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ ریلزے نے یقیناً اس کے جذبۂ رقابت کو ہوا دے کر میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ اگر میں اس سے پہلے ہی بات نہ کر چکا ہوتا تو ممکنہ طور پر اس وقت ہمارے درمیان فری سٹائل ریسلنگ ہو رہی ہوتی۔

پھر میں نے کہا۔ ”دیکھئے مسٹر میک مین۔ میری آپ سے کوئی مخاصمت نہیں، میں آپ کا برا نہیں چاہتا، دوست سمجھ کر ایک مشورہ دے رہا ہوں، اگر آپ اس پر غور کر سکیں تو۔“

”کہئے، میں سن رہا ہوں۔“

"ریلزے کے ساتھ تھوڑا بہت وقت گزارنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ نہایت دل پھینک اور ہرجائی قسم کی لڑکی ہے۔ زندگی ملنے والے ہر مرد سے اس کی دلچسپی محض وقتی ہوتی ہے۔ مجھ سے پہلے وہ آپ کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہی تھی اور جب میں سامنے آیا تو اس نے آپ کو نظرانداز کرنا شروع کر دیا۔ اور جب میری طرف سے مثبت جواب نہ ملا تو اس نے دوبارہ آپ پر الفت کے جال پھینک دیا۔ صرف اس لئے کہ آپ کے ذریعے وہ مجھ سے انتقام لے سکے، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں، میں آپ کی بات سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔"

"تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جب آپ کی ذات سے وابستہ مقصد پورا ہو جائے گا تو وہ پہلے کی طرح آپ کو دھتکار کر کوئی اور ساتھی ڈھونڈ لے گی؟ اگر میری بات آپ کو بری لگے تو میں معذرت چاہتا ہوں، لیکن مسٹر میک مین، حقیقت یہی ہے کہ آپ کی محبت محض یکطرفہ ہے، اور میری نگاہ میں یکطرفہ محبت، محبت کی بدترین شکل ہے۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ریلزے کا پیچھا چھوڑ کر کسی باوفا سے دل لگایئے۔ وگرنہ بعد میں کف افسوس ملتے رہ جائیں گے۔ مردانہ وجاہت کی آپ میں کمی نہیں، آپ کے سینے میں محبت کرنے والا دل بھی ہے، میرا تجربہ ہے کہ ایسے شخص کو بہت سے چاہنے والے مل جاتے ہیں۔"

میک مین خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں اداسی اتر آئی تھی۔ قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "آپ درست کہتے ہیں مسٹر گاوا! کاش، آپ سے پہلے کوئی اس طرح سمجھانے والا مل جاتا تو مجھے اس تکلیف سے دوچار نہ ہونا پڑتا جو ریلزے کی بے رخی کی دین ہے۔ بہرحال آپ کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ بات حد سے آگے بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ آپ کے مشورے کا بہت بہت شکریہ۔"

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں، یہ میرا فرض تھا۔"

"لیکن اب ایک مشورہ آپ میرا بھی پلے باندھ لیجئے۔"

"وہ کیا؟"

"ریلزے کی محبت کا دم بھرنے والا اس کارواں میں، میں اکیلا نہیں ہوں۔ اور بھی بہت سے اس کی زلف کے اسیر ہیں۔ وہ آپ سے انتقام لینا چاہتی ہے، اور اگر میں اس کی خواہش پوری نہیں کرتا تو وہ کسی اور کو آلہ کار بنا سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی دوسرا میری طرح آپ سے آ کر پہلے بات نہیں کرے گا۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ آئندہ سے محتاط رہئے گا۔ میں بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھوں گا، اور جہاں میرے علم میں کوئی ایسی بات آئی، آپ کو آگاہ کر دوں گا۔"

"آپ کے مشورے اور تنبیہ کا بہت بہت شکریہ۔"

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں، یہ میرا فرض تھا۔" اس نے میری کہی ہوئی بات مجھے لوٹا دی اور ہم دونوں ہنس پڑے۔ پھر میک مین نے کہا۔ "آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"نہیں، اسی سوچ میں خیمے سے نکلا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔"

"تو پھر چلئے دونوں اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔ ہمیں اکٹھے دیکھ کر ریلزے کو علم بھی ہو جائے گا کہ اس کی کوشش ناکام ہو گئی ہے۔"

اگرچہ کھانے کو طبیعت بالکل نہیں کر رہی تھی لیکن پھر بھی میں نے اس کی بات مان لی۔ چند لقمے زہر مار کر کے میں پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ مسٹر الکانڈرا اب تک نظر نہیں آئے تھے۔ میرے اضطراب میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ لیشی نے کہا تھا کہ کسی طرح کی تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن اس دل کو میں کیا کرتا جسے کسی کل چین نہیں تھا۔

بہرحال، کھانا کھا کر کچھ وقت میں نے محو رقص جوڑوں کا نظارہ کرنے میں گزارا اور دوبارہ اپنے خیمے میں واپس آ گیا۔



رات گہری ہو چکی تھی۔ سب لوگ سو چکے تھے۔ پورے کیمپ پر سکوت طاری تھا۔ درختوں میں سرسراتی ہوا اور پتوں کی ہلکی ہلکی تالیوں کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔ جنگل کے جانور بھی شاید کہیں دور نکل گئے تھے کہ ان کی طرف سے بھی خاموشی ہی خاموشی تھی۔ میں اپنے بستر پر دراز سوچوں کے گرداب میں غوطے کھا رہا تھا۔ ایک خیال رہ رہ کر ذہن میں گونجتا تھا۔ مسٹر الکانڈر کو خود مجھ سے رابطہ کرنا تھا اور نہ جانے یہ رابطہ کب ہوگا۔

اور بالآخر اس سوال کا جواب ملنے کا وقت آ گیا۔

ہوا کے ہلکے ہلکے شور میں تھوڑا سا اضافہ ہوا، یوں لگا جیسے ہوا پہلے کے مقابلے میں کچھ زیادہ سرد، کچھ زیادہ وزنی ہوگئی ہے۔ کسی انجانی قوت کی لہریں اس میں شامل ہونے لگی ہیں، یہ لہریں مجھ تک پہنچنے لگیں، میرے دل کے دروازے پر دستک دینے لگیں، یوں لگا جیسے ان لہروں کے دوش پر کوئی صدا مجھ تک پہنچ رہی ہے، مجھے اٹھنے کو کہہ رہی ہے، باہر آنے کی ہدایت کر رہی ہے۔

میں اٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ میرے قدم خود بخود حرکت میں تھے۔ کوئی ان دیکھی قوت میری رہنمائی کر رہی تھی۔ میں چلتا چلا جا رہا تھا۔ چاند کی پھیکی سی بے جان سی روشنی، اردگرد محو خواب نفوس، نخلستان کی ٹھنڈی زمین، درختوں سے ٹکرا کر آتی ہوئی ہوا............ مجھے کسی چیز کا احساس نہ تھا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ مجھے کہیں پہنچنا ہے، بہت جلد پہنچنا ہے، لیکن کہاں .... یہ معلوم نہ تھا اور معلوم کرنے کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہ ہو رہی تھی۔

نہ جانے کتنی راہ طے کرنے کے بعد یہ سفر ختم ہوا۔ چاند کے سیمیں نور میں ایک جگہ

آگ کی زرد روشنی نظر آئی تھی اور اس آگ کے سامنے پہنچ کر میں رک گیا تھا۔ میرے گھٹنے آہستہ آہستہ خمیدہ ہوئے اور میں ان کے بل الاؤ کے سامنے بیٹھ گیا۔

الاؤ کے اس پار سفید براق بالوں والا وہ بوڑھا بیٹھا تھا جسے میں الکانڈر کے نام سے جانتا تھا۔ اس کی نگاہیں الاؤ پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے وجود پر طاری سکوت دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گوشت پوست کا انسان نہیں پتھر سے تراشا مجسمہ ہو، ان بے روح مجسموں جیسا جن سے میری ملاقات ذی آنا میں ہوئی تھی۔

میں خاموش بیٹھا رہا۔ مجھے انتظار تھا کہ الکانڈر کچھ کہے۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ابلتے تمام سوالات دبک کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ اضطراب، جو اس سے پہلے مجھے گھیرے ہوئے تھا، ہوا ہو گیا تھا۔ اب میں پرسکون تھا۔ شاید اس لئے کہ میری منزل کی طرف جانے والا موڑ آخر کار سامنے آ گیا تھا۔

تب الکانڈر کی آواز ابھری۔ ”منزل پر پہنچنے کی خواہش رکھتے ہو؟“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔

”جانتے بھی ہو کہ تمہاری منزل کیا ہے؟“

”شاید۔“

”اور یہ بھی کہ اس کی راہ میں کیسے کیسے کٹھن مقام آئیں گے؟“

”یقیناً۔“

”ان کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو؟“

”دل و جان کے ساتھ۔“

”تمہیں علم ہے کہ تمہارا مقابلہ کن شیطانوں کے ساتھ ہے؟“

”نام کی حد تک۔“

”اور ان کی قوت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“

”یہی کہ وہ کالی قوتوں کے مالک ہیں اور ان سے ٹکرانے کے لئے مجھے بھی ایسی ہی قوتوں کی ضرورت ہوگی۔“

”اس لئے کہ لوہا، لوہے کو کاٹتا ہے؟“

"ہاں۔"

"لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسے ہم لوہا سمجھتے ہیں، وہ لکڑی نکلتا ہے۔"

"اس کے بعد کیا کیا جاتا ہے؟"

"لکڑی کو لکڑی سے نہیں کاٹا جا سکتا، وہ لوہے سے کٹتی ہے یا آگ سے خاکستر ہوتی ہے۔"

"یہ لوہا، یہ آگ میں کہاں سے لاؤں گا؟"

"آگ تمہارے سامنے ہے۔ ہاتھ بڑھاؤ اور جتنی چاہے سمیٹ لو۔"

میرے ہاتھ حرکت میں آئے اور آگ کے الاؤ میں داخل ہو گئے۔ جھلنے کے لئے نہیں، اس آگ کو جذب کرنے کے لئے۔ شعلے میرے ہاتھوں میں اترنے لگے، میرے مسامات میں جذب ہونے لگے، میری نس نس میں دوڑنے لگے۔ میرا فولادی جسم، آتشی ہونے لگا۔

لیکن اس آتش میں تلخی کے بجائے سکون تھا، تپش کے بجائے ٹھنڈک تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے ذہن کی گرہیں کھلتی جا رہی ہوں، میری روح تک سکون پا رہی تھی۔

الاؤ مدہم پڑنے لگا۔ اس کی ساری آگ میرے خون میں شامل ہو چکی تھی۔

بوڑھے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ "تمہاری طلب، تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے۔" اس نے کہا۔

اور میں نے ہاتھ باہر نکال لیا۔ الاؤ ایک دفعہ پھر دہک اٹھا۔

"پھر کبھی ایسا ہوگا کہ دنیا کے کسی گوشے میں کالی طاقتیں اپنا جال پھیلانا شروع کریں گی اور خدا پھر کبھی کسی کو ان کا سر کچلنے پر مامور کرے گا۔ تب یہ الاؤ اس کے لئے روشن ہوگا، تب تک کے لئے اس کی آگ پوشیدہ رہے گی۔"

اور وہ الاؤ آہستہ آہستہ زمین میں اترنے لگا جیسے زمین سے اگنے والے پودے کی ویڈیو فلم کو ریورس میں چلا دیا جائے۔ تھوڑی دیر میں اس کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔

"تمہارے ذہن میں بہت سے سوال مچل رہے ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"جو پوچھنا چاہو، پوچھ سکتے ہو۔"

"فولاس اور زوالہ کون ہیں؟"

"طاغوت کے ہرکارے۔"

"ان کا مقصد کیا ہے؟"

"ان کا ابتدائی مقصد وہ ہے جو تم شی وش اور ہارلیس کی زبان سے سن چکے ہو۔ ان کا حقیقی مقصد اس کے بعد سامنے آئے گا۔"

"اور وہ حقیقی مقصد کیا ہے؟"

"اس سرزمین پر ایک ایسا قید خانہ قائم کرنا جس میں وہ اپنے دشمنوں کو مرنے کے بعد بھی مقید رکھ سکیں۔"

"کیا وہ کوئی مقبرہ بنانا چاہتے ہیں؟"

"کیا روحیں مقبروں میں قید کی جاتی ہیں؟"

اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کوئی ہتھوڑا آن پڑا ہو۔ "روحیں؟"

بوڑھا مسکرایا۔ "ہاں، روحیں۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ................"

"تم درست سمجھے ہو۔ وہ ذی آنا کی سرزمین پر روحوں کا قید خانہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن کس لئے؟"

"تاکہ بعد میں انہیں استعمال کیا جا سکے۔"

"کس سلسلے میں؟ کس وقت؟"

"اس وقت جب نیکی اور بدی کی قوتوں کے درمیان کھلی جنگ ہوگی۔ وہ ان روحوں کو اپنی فوج کے سپاہیوں کے طور پر استعمال کریں گے۔"

"یہ جنگ کب ہوگی؟"

"جب وہ محسوس کریں گے کہ ان کی قوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ رحمانی قوتوں کو للکار سکیں۔"

"لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے۔ شیطان کی قوت، رحمان کی قوت سے کبھی بڑھ نہیں سکتی۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو لیکن خواب دیکھنے پر کوئی پابندی تو نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی قوت کو اس حد تک بڑھانے کا خواب دیکھتے ہیں تو رحمان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ تو وقتاً فوقتاً ان کے ارادوں کو ناکامی سے دوچار کر کے انہیں ان کی اوقات یاد دلاتا ہے اور بس۔"

"اس کھیل میں میری حیثیت کیا ہے؟"

"اس مرتبہ انہیں ناکام بنانے کا فریضہ تمہارے حصے میں آیا ہے۔"

"اس فریضے کو پورا کرنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"زوالہ اور فولاس کو شکست دینا ہوگی۔"

"کیا میں اس میں کامیاب ہو پاؤں گا؟"

"اگر خدا پر تمہارا ایمان کامل ہے، تو کوئی طاقت تمہارے راستے کی دیوار نہیں بن سکتی۔ آگے بڑھو اور ان سے ٹکرا جاؤ۔"

جوش سے خون میری رگوں میں ٹکریں مارنے لگا۔ میری مٹھیاں خود بخود بھنچ گئیں۔

"زوالہ اور فولاس کہاں ملیں گے؟"

"بہت جلد تمہاری ملاقات ان سے ہوگی۔ تب تک انتظار کرو۔ ابھی وہ اپنا کام کر رہے ہیں، تمہارا کام بعد میں شروع ہوگا۔"

"وہ کیا کام کر رہے ہیں؟"

"وہ روحیں اکٹھی کر رہے ہیں۔ پرشیانہ، روتھن اور زیراس کو انہوں نے دوسروں کو عبرت دینے کے لئے نشانہ بنایا تھا تاکہ ذی آنا کے لوگ ڈر کر ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ان کے پاس موجود روحوں کی تعداد ان کی گنجائش سے بڑھتی جا رہی ہے۔ بہت جلد وہ دوبارہ ذی آنا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ ان کے پلٹنے سے پہلے تمہارا ان سے ٹکراؤ ہوگا۔ اگر تم انہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو ان کے قبضے میں موجود روحیں آزاد ہو کر اپنے حقیقی مستقر کی طرف لوٹ جائیں گی۔ پرشیانہ،

روتھن اور زیراس کو اپنے جسم نصیب ہو جائیں گے اور ذی آنا پر منڈلاتے تباہی و بربادی کے سائے دور ہو جائیں گے۔"

"اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"کیمپ واپس چلے جاؤ، یہاں تم نے جو کچھ دیکھا، اسے ذہن سے اتار دو۔ کارواں کے ساتھ سفر کرتے رہو۔ یہ لوگ اپنی منزل پر پہنچنے ہی والے ہیں۔ تمہاری منزل بھی وہیں ہوگی۔"

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میرے ہر سوال کا جواب مل چکا تھا، اب مجھے انتظار کرنا تھا..........صرف انتظار!



کارواں ایک دن مزید وہاں رکا رہا۔ تین دن کا قیام مکمل کرنے کے بعد، چوتھے روز انہوں نے پڑاؤ اٹھا دیا۔ سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ ان لوگوں کی منزل کہاں تھی، یہ میں نہیں جانتا تھا بلکہ شاید یہ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ جس خزانے تک یہ پہنچنا چاہتے تھے، اس کا صرف آدھا نقشہ ان کے پاس تھا اور آدھا مونٹینا نامی اس لڑکی کے قبضے میں تھا جو چند روز پہلے میری رفیق رہ چکی تھی۔ بہرحال، وہ آگے بڑھ رہے تھے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ منزل کا نہ سہی، منزل کو جانے والی سمت کا کچھ نہ کچھ اندازہ انہیں ضرور ہے۔

کسی کسی وقت مجھے مونٹینا یاد آنے لگتی تھی۔ میں نے ایسی لڑکی اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔ ایسی قوت، ایسی پھرتی کہ چیتے کو بھی مات کر دے۔ دلدل پر بھی وہ یوں دوڑتی چلی گئی تھی جیسے کسی پارک کے رنگ ٹریک پر دوڑ رہی ہو۔ ڈبل باس کے گروہ میں بھی بڑی بڑی توپ چیزیں شامل تھیں لیکن اگر وہ اکیلی لڑکی ابھی تک ان کے قابو میں نہیں آئی تھی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ان سب سے آگے کی چیز ہے۔

یہ علاقہ، جس میں ہم سفر کر رہے تھے، دنیا کے عجوبہ خطوں میں شامل تھا۔ یہاں مناظر بار بار رنگ بدلتے تھے۔ کبھی صحرا شروع ہو جاتا اور کبھی چٹانیں نظر آنے لگتیں۔ کبھی ہم خود کو فلک بوس پہاڑوں کے بیچ پاتے اور کبھی جنگلات میں۔ کارواں کی رہنمائی کا فریضہ ڈبل باس کی مناسبت سے ان کے دو نائبین کے ہاتھ میں تھا۔ فالکن ان میں سے ایک تھا۔ دوسرے نائب کا نام طاہر مصری تھا۔ نام کے برعکس اس کا تعلق عراق سے تھا اور نسلاً وہ کرد تھا۔

ڈبل باس ہر روز شام کو ان دونوں کے ساتھ کچھ دیر کو اپنے خیمے میں بند ہو جاتے

تھے۔ اس دوران کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ میں نے کبھی پوچھنے کی کوشش تو نہیں کی تھی لیکن اتنا جانتا تھا کہ وہ آپس میں آئندہ سفر کے متعلق تبادلہ خیال ہی کرتے ہوں گے۔

مسٹر الکانڈر اب پھر باقاعدگی سے نظر آنے لگے تھے۔ شام کو ان سے گپ شپ بھی ہو جاتی تھی لیکن انہوں نے کبھی اس رات کے واقعات کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا تھا اور ان کی ہدایت کے بموجب میں بھی اس سلسلے میں خاموش ہی رہا تھا۔

ریلزے کی طرف سے بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میری طرف سے اس کی پیش قدمیاں ایسے کھرے انداز میں مسترد کر دیئے جانے کے بعد وہ مجھ سے کترانے لگی تھی۔ میک مین نے مجھے اس کی طرف سے خبردار کیا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے وہ مجھ پر ہزار جان سے لعنت بھیج کر اپنے کام سے کام رکھنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔ میک مین نے بھی میرے مشورے پر عمل کیا تھا۔ وہ بھی اب اس کے ساتھ نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنے لئے کوئی اور دلچسپی تلاش کر لی تھی اور جہاں تک میری ناقص فہم تخمینہ کرتی تھی، اس کی نئی دلچسپی رنگین ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ کسی حد تک مخلص بھی تھی۔

اس شام، حسب معمول میں مسٹر الکانڈر کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ گفتگو کا رخ مونٹی قبیلے کی طرف مڑ گیا۔ میں نے ان سے پوچھا تھا۔ ”آپ کے اندازے میں ہمیں اس قبیلے تک پہنچنے میں اور کتنا وقت لگے گا؟“

”یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔“ انہوں نے جواب دیا۔ ”لیکن میرے اندازے کے مطابق ان سے ہمارا ٹکراؤ بہت جلد ہونے والا ہے۔“

”یہ اندازہ صرف آپ ہی کا ہے، یہ کوئی اور بھی اس میں شامل ہے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جب میرا دل کسی بات کی گواہی دے تو میں کسی دوسرے کی رائے لینا ضروری نہیں سمجھتا۔“ انہوں نے کہا۔

”اور آپ کے دل کی گواہی کیا ہے؟“ میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

ان کے انداز میں پراسراری سنجیدگی اتر آئی۔ ”میرا دل کہتا ہے کہ مونٹی قبیلے سے

ہماری ملاقات آئندہ ایک دو روز میں ہو جائے گی اور یہ ملاقات کچھ زیادہ خوشگوار حالات میں نہیں ہوگی۔"

"گویا ہمیں کسی طرح کے بھی غیر متوقع حالات کے لئے تیار رہنا چاہئے۔" میں نے گویا خود سے کہا۔

"ہاں.......... اور میں یہ بات ڈبل باس سے بھی کہہ چکا ہوں۔ وہ پوری طرح تیار ہیں۔" مسٹر الکانڈر نے میری بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم ان پر غالب آنے کی اہلیت رکھتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اگر بات صرف جسمانی اہلیت اور مادی ساز و سامان کے حوالے کی ہوتی تو میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ہمارے مقابلے پر ٹک نہیں پائیں گے۔" مسٹر الکانڈر نے کہا۔ "لیکن اس قبیلے کی آستین میں کچھ ایسے خنجر چھپے ہوئے ہیں جو کسی بھی وقت پانسہ ان کے حق میں پلٹ سکتے ہیں۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً مونٹینا، جو یقیناً ان کے پاس پہنچ چکی ہے اور ہماری منتظر ہے کہ کب ہم ان تک پہنچیں اور کب وہ ہم پر حملہ کر کے خزانے کا بقیہ آدھا نقشہ حاصل کر سکے۔ اس کے علاوہ مونٹینا کو ناقابل تسخیر بنانے والا، اس کا اتالیق، سربیان۔ حقیقت میں اگر ہمیں کوئی خطرہ ہے تو انہی دونوں کی طرف سے ہے۔ یوں سمجھو کہ مونٹی قبیلے کے لئے یہ دونوں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"ویسے یہ قبیلہ ہے کیا چیز؟ ان کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ کون لوگ ہیں یہ؟" مجھے آج تک یہ سوال پوچھنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ میں نے کبھی ان کے متعلق سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں تھا۔ شعوری طور پر مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ میں اس کارواں کے مشن کو اپنے بنیادی مقصد سے الگ تھلگ تصور کرتا رہا تھا لیکن آج نجانے کیوں خود بخود یہ سوال میرے منہ سے نکل گئے تھے۔

"اس کی تفصیل کچھ خاص نہیں۔" مسٹر الکانڈر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"یہ قبیلہ عہد قدیم کی چند بچی کھچی یادگاروں میں سے ایک ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن تک سچائی کی روشنی آج تک نہیں پہنچ سکی۔ زمانہ قبل از مسیح سے لے کر آج تک کسی الہامی مذہب کا پیروکار ان تک رسائی نہیں حاصل کر پایا اور یوں یہ الوہیت کے نور سے آج تک بے خبر ہیں۔ شیطان کی پوجا کرتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ گناہ ان کے نزدیک نیکی ہے اور نیکی گناہ۔ یوں سمجھ لو کہ جسے ہم شیطان سمجھتے ہیں، وہ ان کے نزدیک خدا ہے اور جس کی ہم پرستش کرتے ہیں، وہ ان کے لئے.................." مسٹر الکانڈر نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ "میرا خیال ہے تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے!"

"جی، میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ لوگ بذات خود قصوروار نہیں۔ جب وہ نورِ حق کے وجود سے ہی باخبر نہیں تو ان پر کسی طرح کی فرد جرم عائد کرنا کسی طور مناسب نہیں۔"

"دنیاوی قانون کا کہنا تو اس کا برعکس ہے۔" مسٹر الکانڈر نے مسکرا کر کہا۔ "یہاں تو کہتے ہیں کہ قانون سے بے خبر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے بہانہ بنا کر آپ قانون شکنی کرتے پھریں۔"

"اس کی اپنی وجوہات ہیں۔" میں نے کہا۔ "اگر کوئی شخص کسی دنیاوی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ اس کا اور دنیا والوں کا معاملہ ہے۔ وہ ان کے سامنے آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ وہ تو اس قانون سے واقف ہی نہیں تھا جسے توڑنے کا الزام اس پر عائد کیا جا رہا ہے۔ دنیا والے اس کے دل میں جھانک کر تو نہیں دیکھ سکتے۔ سچ ہو یا جھوٹ، وہ اس کی بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے لیکن جہاں بات خدائی قانون کی آ جائے، وہ بندے اور خدا کا معاملہ بن جاتا ہے، اور خدا دلوں میں جھانکنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی ناواقفیت کا بہانہ نہیں بنا سکتا۔ اس کا انصاف اندھا نہیں۔ وہ سب دیکھتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت سے باخبر ہے۔"

لیشی کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی تحریر نظر آ رہی تھی۔ سب لوگوں کے بیچ میں نے اسے پہلی مرتبہ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تمہارا کہنا درست ہے۔" مسٹر الکانڈر نے اتفاق کیا۔ "اور تمہاری یہ بات بھی درست ہے کہ قبیلہ مونٹی پر کسی طرح کی فرد جرم عائد کرنا درست نہ ہوگا۔ دیکھو، ڈبل باس اور ان کے ساتھی اس قبیلے تک خزانے کا نقشہ حاصل کرنے کے لئے پہنچنا چاہتے ہیں لیکن میرا ان کے ساتھ آنے کا مقصد یہی ہے کہ اس قبیلے کو ان باتوں کے متعلق بتایا جائے جن سے وہ آج تک بے خبر ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس معاملے میں تم بھی میرے مددگار ثابت ہوگے۔"

"ایسے کسی مقصد کی راہ میں آپ کی مدد کر کے مجھے دلی خوشی حاصل ہوگی۔" میں نے کہا۔ "خزانے کے نقشے کا تذکرہ ہوا تو مجھے پھر یاد آیا کہ اس نقشے کا آدھا حصہ مونٹینا کے قبضے میں ہے اور اس سفر کے دوران وہ آپ لوگوں کے اردگرد ہی موجود رہی ہے۔ آخر اس کا مقصد کیا تھا؟"

"اس سلسلے میں ڈبل باس ہی تمہاری بہتر رہنمائی کر سکیں گے۔" مسٹر الکانڈر نے کہا۔ "میں نے کبھی ان معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔"

اور اسی وقت جیسے ان کی بات کی تاثیر ظاہر ہوگئی۔ ڈبل باس کا نائب طاہر مصری ہماری میز کے نزدیک آ رکا تھا۔ "مسٹر گادا!" اس نے مجھے مخاطب کیا اور لیشی نے منہ دوسری سمت پھیر لیا۔ پہلے مجھے اس کی اس حرکت کی وجہ سمجھ نہ آئی لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ مسکراہٹ چھپا رہی تھی۔

"لیں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ڈبل باس آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

"کیا ابھی؟"

"جی.................. اگر ممکن ہو سکے تو۔"

"چلو۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"ڈبل باس آپ کو اپنے خیمے میں ہی ملیں گے۔" اس نے کہا۔

"تم ساتھ نہیں چلو گے؟" میں نے تھوڑا سا حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں، وہ آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتے ہیں۔" اس نے کہا۔

میں نے استفہامیہ نگاہوں سے مسٹر الکانڈر کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کوئی جواب دینے کے بجائے مسکرا کر کندھے اچکا دیئے۔ یہ سیدھا سیدھا لاعلمی کا اظہار تھا۔ سر جھٹک کر میں تیز قدموں سے ڈبل باس کے خیمے کی جانب بڑھ گیا۔

وہ دونوں وہاں اکیلے ہی تھے۔ دو افراد کے لئے اکیلا ہونے کی ترکیب استعمال کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں کو دیکھ کر دوئی کا تصور ابھرتا ضرور ہوگا لیکن ان کے ساتھ چند دن گزارنے کے بعد یہ تصور یکسر ختم ہو جاتا تھا۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے لگتا ایسے ہی تھا جیسے ایک ہی آدمی سے بات کی جا رہی ہے۔ یکساں لہجے اور یکساں انداز میں یکساں جواب ملتا تھا۔ اس اعتبار سے تو انہیں ڈبل باس کہنا بھی غلط تھا کیونکہ ڈبل کا مطلب دوہرا ہوتا ہے لیکن دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کے لئے یہی نام مناسب تھا کیونکہ وہ ایک ہوتے ہوئے بھی دو تھے اور دو ہو کر بھی ایک تھے۔

"آپ نے مجھے یاد کیا؟" میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تشریف لایئے مسٹر گادا!" ڈبل باس نے کہا۔ "ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔"

"جی فرمایئے۔"

"مسٹر گادا، بات یہ ہے کہ ہمارے سفر کا یہ مرحلہ اختتام کے قریب ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ کل شام تک ہم مونٹی قبیلے تک پہنچ جائیں گے۔ یہ تو آپ جان ہی چکے ہوں گے کہ مونٹی قبیلہ کیا چیز ہے اور اس تک رسائی حاصل کرنا ہمارے لئے کیوں ضروری ہے۔"

"جی ہاں۔"

"یہ قبیلہ جدید تہذیب و تمدن سے قطعی ناواقف ہے۔ ہم یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے وہاں پہنچنے پر ان کا ردعمل کیا ہوگا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ وہ جو کچھ کریں گے، اپنے روحانی پیشوا سربیان کے اشارے اور اس کی مرضی کے تحت کریں گے۔ اس قبیلے کی حدود تک پہنچنے کے بعد ہم ان کی سرحد سے باہر پڑاؤ ڈالیں گے اور اپنے دو

نمائندوں کو مذاکرات کے لئے ان تک بھیجیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان دو نمائندوں میں سے ایک آپ ہوں۔ کیا آپ یہ ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟''

''میں..........'' میں نے حیران ہو کر کہا۔ ''لیکن میں یہ ذمہ داری کس بناء پر قبول کر سکتا ہوں بلکہ آپ مجھے یہ ذمہ داری کیا سوچ کر دے رہے ہیں؟''

وہ مسکرائے۔ ''ہم سوچے سمجھے بغیر کبھی کوئی فیصلہ نہیں کرتے، مسٹر گادا۔ ہماری نظر میں آپ اس کام کے لئے مناسب ترین فرد ہیں۔''

''لیکن آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں۔'' میں قدرے پریشان ہو کر کہا۔ ''میں اس قبیلے کے رسم رواج، عادات و خصائل کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ مجھے ان کی زبان سے کوئی واقفیت حاصل نہیں۔ میں ان مذاکرات میں حصہ کیسے لوں گا؟''

''جہاں تک رسم و رواج اور عادات و خصائل کا تعلق ہے تو اس کے متعلق تھوڑی بہت معلومات آپ کو مسٹر الکانڈر سے مل سکتی ہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ آپ کو اس سلسلے میں کافی کچھ بتا چکے ہوں۔ مہذب دنیا کا کوئی بھی شخص ان کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ اور رہا زبان کا سوال تو آپ کے ساتھ جانے والا دوسرا شخص طاہر ہوگا، اور وہ ان کی زبان سے واقف ہے۔ آپ کو ان سے بات چیت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''لیکن اپنے پرانے ساتھیوں کو چھوڑ کر آپ نے مجھے ہی اس ذمہ داری کا اہل کیوں سمجھا؟''

''سیدھی سی بات ہے مسٹر گادا!'' انہوں نے کہا۔ ''جو بات ہمیں آپ میں نظر آئی، وہ ہمارے کسی دوسرے ساتھی میں موجود نہیں۔ ہم اتنے دنوں سے مسلسل آپ کا مشاہدہ کر رہے ہیں، آپ کا شخصی اعتماد، رکھ رکھاؤ اور اطوار ہم سب سے الگ ہیں۔ آپ کی ذات میں وہ قوت جھلکتی نظر آتی ہے جو پتھروں کو بھی موم کر دے۔ آپ اپنی زبان استعمال کرنے کے ہنر سے اچھی طرح واقف ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ کسی بھی مرحلے پر آپے سے باہر نہیں ہوتے۔ قبیلہ مونٹی کے سرکردگان سے بات کرنے کے لئے ہمیں ایسے ہی کسی شخص کی ضرورت ہے۔''

میں تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ اچانک ہی مجھ پر ایسی پہاڑ سی ذمہ داری لاد دی جائے گی۔ اپنی بات کے حق میں انہوں نے جو دلائل دیئے تھے، مجھے وہ کچھ ایسے وزن دار معلوم نہیں ہوئے تھے۔ میری اور ان کی رفاقت کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ وہ اتنے وثوق سے میرے متعلق کوئی بات کہہ سکتے۔ محض چند روزہ مشاہدے کی بناء پر میری ذات کے بارے میں اتنے بڑے بڑے اندازے قائم کر لینا میرے نزدیک ناانصافی تھی۔ وہ لوگ اتنے طویل سفر کی صعوبتیں جھیل کر یہاں تک پہنچے تھے۔ قبیلہ مونٹی سے ہونے والے مذاکرات ان کے سفر کا اہم ترین سنگ میل تھے اور مجھ سے ناواقف پر ان کا بوجھ ڈالنا نامناسب ہی نہیں، ناقابل فہم بھی تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ انکار کر دوں کہ اسی وقت میرے کانوں میں لیشی کی آواز پڑی۔ ''ان کی بات مان لو، ناصر۔ یہ کام تمہیں ہی کرنا ہوگا۔''

میں نے بڑی مشکل سے خود کو اچھل پڑنے سے باز رکھا تھا، لیکن میرے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی یقیناً رونما ہوئی ہوگی۔ ڈبل باس نے اس کا مطلب کچھ اور لیا۔

''زیادہ پریشان مت ہوں مسٹر گادا'' انہوں نے کہا۔ ''ہمیں یقین ہے کہ اس ذمہ داری کو آپ سے بہتر کوئی اور نہیں نبھا پائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اپنا لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''تو پھر بات طے ہوگئی۔'' انہوں نے کہا۔ ''کل شام تک ہم قبیلہ مونٹی کی حدود تک پہنچ جائیں گے۔ وہاں پہنچتے ہی ہم قبیلہ مونٹی کے بڑوں کو ملاقات کا پیغام بھجوا دیں گے۔ ان کی طرف سے کوئی مثبت جواب موصول ہوتے ہی آپ طاہر کو ساتھ لے کر ان سے ملنے کے لئے چل پڑیں گے۔''

''بہت بہتر!''

''اگر آپ کے ذہن میں کوئی سوال ہے تو آپ پوچھ سکتے ہیں۔''

"فی الحال تو کوئی نہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔"

ملاقات ختم ہو چکی تھی۔ میں اٹھ کر وہاں سے نکل آیا۔



اگلے دن ہمارا سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔ اونچے نیچے، ناہموار راستوں پر لینڈ روورز اور سفری ٹریلر بھاگ رہے تھے۔ یہ راستے عام گاڑیوں کے بس کے تھے ہی نہیں، ان پر یہ گاڑیاں ہی چل سکتی تھیں کیونکہ انہیں خصوصی طور پر انہی راستوں کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

اب تک راستے کے منظر تیزی سے چہرہ بدلتے آئے تھے۔ اس کا تذکرہ میں پہلے بھی کر چکا ہوں لیکن آج صبح سے ہم ایک ہی طرح کے خطے میں سفر کر رہے تھے۔ جنگلاتی خطہ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جنگل گھنے ہوتے جا رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ گاڑیاں زیادہ دور تک ہمارا ساتھ نہیں دے پائیں گی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ دوپہر کے وقت گاڑیاں رک گئیں۔ اب یہاں سے گاڑیوں پر آگے جانا ممکن نہیں رہا تھا۔ دو ہی طریقے تھے۔ گھوڑوں پر سفر کیا جاتا یا پیدل۔ گھوڑے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے مونٹینا انہی کا گھوڑا چرا کر لائی تھی اور اس کی معیت میں، میں اسی گھوڑے پر سفر کرتا رہا تھا۔ میں نے فالکن سے اس کے متعلق استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ گھوڑے کارواں کی ملکیت نہیں تھے بلکہ انہیں راستے میں ایک بستی سے کرائے پر لیا گیا تھا۔ خیال تھا کہ شاید راستے میں ان کی ضرورت پڑ جائے لیکن اب تک کا راستہ چونکہ گاڑیوں پر سفر کرنے کے لئے مناسب رہا تھا اس لئے انہیں بیکار بوجھ سمجھتے ہوئے واپس بھجوا دیا گیا۔ جلدبازی میں کئے گئے اس فیصلے کے نقصانات اب سامنے آ رہے تھے۔ مطلب یہی تھا کہ اب ہمیں پیدل آگے بڑھنا ہوگا۔ مرد تو خیر کسی نہ کسی طرح یہ صعوبت جھیل ہی لیتے لیکن مجھے لڑکیوں پر رحم آ رہا تھا۔ ان بیچاریوں کے نازک قدم اس قابل کہاں کہ ان پرخار راستوں پر چار قدم بھی چل پاتے۔ اقبال نے کہا

ہے کہ

حسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

قدرت کا حسن تہذیب سے دور آباد، پسماندہ کہلائے جانے والے ان علاقوں میں ہر طرف بکھرا پڑا تھا۔ اس حسن بے پرواہ کے ہوتے ہوئے شہروں کا یہ خود بین و خود آراء حسن اپنے جلوے کہاں تک دکھاتا! سچ بات تو یہ ہے کہ ابھی تک مجھے اس قافلے کے ساتھ ان لڑکیوں کی موجودگی کی کوئی معقول وجہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی سوائے اس کے کہ قافلے کے مردوں کے لئے دل بستگی کا سامان پیدا کئے رکھیں۔ میرا ذاتی اندازہ تھا کہ وہ محض ایڈونچر کی تلاش میں ہم لوگوں کے ساتھ ماری ماری پھر رہی تھیں۔ اب تک تو یہ ایڈونچر ان کے لئے بہت اچھا رہا ہوگا، خوب انجوائے کیا ہوگا انہوں نے لیکن گاڑیوں کے بیکار ہوتے ہی سارا نشہ ہوا ہو گیا ہوگا۔ اب گھر یاد آ رہا ہوگا بیچاریوں کو۔

بہر حال، ان لڑکیوں کو سنبھالنا میرا مسئلہ نہیں تھا۔ میرے کرنے کو اور بھی بہت سے کام تھے اور اس سے کہیں زیادہ اہم۔ میں اپنے ہمسفروں کی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ صلاح مشورے ہو رہے تھے، طرح طرح کی تجاویز پیش کی جا رہی تھیں لیکن بات کسی کنارے لگتی نظر آ نہیں رہی تھی۔ گاڑیوں کے یوں تھم جانے کا خیال شاید ان میں سے کسی کو نہیں آیا تھا۔

پھر ڈبل باس نے مجھے طلب کر لیا۔ جب میں ان کے عظیم الشان سفری ٹریلر میں پہنچا تو وہ ایک سنٹر ٹیبل پر ایک بڑا سا نقشہ پھیلائے اس پر جھکے ہوئے تھے۔ فالکن اور طاہر بھی وہاں موجود تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ڈبل باس نے بلاتمہید کہا۔ ”آپ کی ضرورت آ پڑی ہے، مسٹر گادا!“

”میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔“ میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

”آپ ایک عرصے سے دنیا کی سیر کرتے پھر رہے ہیں۔“ انہوں نے کہا۔ ”ایسے علاقوں میں سفر کرنے کے معاملے میں آپ کا تجربہ یقیناً ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ اب جو افتاد ہم پر آ پڑی ہے، وہ آپ بھی دیکھ ہی رہے ہیں۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ہمارا رکنا

ممکن نہیں، آگے بڑھنا بہت ضروری ہے۔ منزل یوں سمجھ لیجئے کہ دو چار قدم کے فاصلے پر ہی رہ گئی ہے، لیکن گاڑیوں کے بیکار ہو جانے سے سارا مسئلہ کھٹائی میں پڑتا نظر آ رہا ہے۔ اب آپ ہی کچھ بتائیے کہ کیا کیا جائے، ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔“

”ہمیں وہ گھوڑے واپس نہیں بھجوانے چاہئیں تھے۔“ فالکن نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

”ایسی باتیں کرنے سے اب کچھ حاصل نہیں۔“ طاہر نے کہا۔ ”جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اب تو یہ دیکھنا ہے کہ اس مسئلے سے نجات کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ میں نے تائید کی۔ ”اور میری نظر میں اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے۔ ضروری سامان ساتھ لیا جائے اور گاڑیوں کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھا جائے۔“

”لیکن گاڑیوں کو یہاں کس کے آسرے پر چھوڑا جائے؟“ طاہر نے کہا۔

”اس جنگل میں کوئی ہماری گاڑیاں چرا لے جانے سے تو رہا۔“ میں نے کہا۔ ”پھر بھی اگر آپ کو خدشہ ہے کہ کسی وجہ سے ان گاڑیوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس کے لئے میرے پاس ایک اور تجویز ہے۔“

”وہ کیا؟“

”ہم اس جگہ کو اپنے بیس کیمپ کی شکل دے دیتے ہیں۔ خواتین اور ان کی حفاظت کے لئے چند مردوں کو یہیں چھوڑا جائے اور باقی سب آگے بڑھ جائیں۔“

”آپ کی تجویز بہترین ہے مسٹر گادا!“ ڈبل باس نے کہا۔ ”لیکن کل ہمارا اندازہ تھا کہ ہم شام تک مونٹی قبیلے کی حدود تک پہنچ جائیں گے۔ وہ اندازہ گاڑیوں پر سفر کرنے کے نکتہ نظر سے لگایا گیا تھا۔ اگر ہم پیدل آگے بڑھیں گے تو بہت وقت لگ جائے گا۔ شام تو کیا ہم شاید کل صبح تک بھی وہاں نہ پہنچ سکیں۔ رات کے وقت اس جنگل میں سفر کرنا ویسے بھی خطرناک ہوگا۔ ہم راستہ بھٹک بھی سکتے ہیں۔“

”میرے خیال میں ایسا نہیں ہوگا۔“ میں آگے بڑھ کر نقشے کا جائزہ لینے لگا۔ ”اس نقشے کے مطابق ہم اس وقت کس مقام پر ہیں؟“

”یہاں!“ طاہر نے نقشے پر لگے ایک دائرے پر انگلی رکھ دی۔

”اور مونٹی قبیلے کی حدود کہاں سے شروع ہوتی ہیں؟“

”اس جگہ سے۔“ اس نے ایک اور مقام کی نشاندہی کی۔

”یہ موٹی لکیر یقیناً بائی روڈ راستے کی نشاندہی کر رہی ہے۔“ میں نے نقشے پر دوڑتی ایک لکیر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”جی ہاں۔“

”کیا یہ نقشہ بنانے والے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس قبیلے تک کوئی سڑک نہیں جاتی؟“

وہ سب چونک پڑے۔ فالکن اور طاہر ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ ڈبل باس کے چہرے پر بھی حیرت تھی۔

”کمال ہے!“ وہ بڑبڑائے۔ ”ہم میں سے کسی کے ذہن میں یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا؟“

”اس کی وجہ ایک ہی ہو سکتی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”جس نے بھی آپ کو یہ نقشہ تیار کر کے دیا تھا، وہ یقیناً آپ کے لئے بہت قابل اعتماد رہا ہوگا۔“

”آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔“ ڈبل باس نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

”بات کچھ ایسی ہی تھی۔ یہ نقشہ ہمیں ایک پیشہ ور مہم جو نے تیار کر کے دیا تھا اور ہم اس کی قابلیت اور تجربے پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔“

”کیا آپ لوگوں نے پہلے کبھی اس قسم کا سفر نہیں کیا؟“

”کیا ہے۔ لیکن ایسے کسی علاقے کی طرف پہلے کبھی نہیں آئے۔“

”تو پھر آپ کو یہ بات اپنے مہم جو کو بتا دینی چاہئے تھی۔ وہ بیچارہ یہی سمجھا ہوگا کہ آپ لوگ بھی اس طرح کی مہمات کا تجربہ رکھتے ہیں اور آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ ایسے سفروں میں گاڑیاں ہمیشہ کام نہیں آیا کرتیں۔ اس نے آپ کو بالکل صحیح نقشہ تیار کر کے دیا ہے۔ بس وہ یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ یہ سفر کس طرح طے کریں گے، اور آپ یہ پوچھنا بھول گئے کہ اس سفر کے لئے کس طرح کی سواریوں کی ضرورت ہوگی۔ یہاں سے آگے

کا راستہ انسانی قدموں پر طے ہو سکتا ہے یا گھوڑے کی پشت پر۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہوگا لیکن اس نے بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ آپ نے اس کی قابلیت پر اعتماد کیا اور اس نے آپ کی قابلیت پر۔ دونوں دھوکا کھا گئے۔ بلا سوچے سمجھے اندھا اعتماد کرنے کا نتیجہ عموماً یہی نکلتا ہے۔“

”آپ نے ہم سب کو شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے، مسٹر گادا۔“ فالکن نے شرمندگی آمیز لہجے میں ان سب کی آنکھوں سے جھلکتے احساس کی ترجمانی کی۔ ”آپ کی باتیں سن کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم سب دودھ پیتے بچے ہیں۔ بے شک آپ کا تجربہ ہم سب سے کہیں زیادہ ہے۔“

میرا جی چاہا کہ ایک زوردار قہقہہ لگاؤں۔ وہ میرے تجربے کو اپنے تجربے سے کہیں زیادہ قرار دے رہا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ میرا تجربہ خاک بھی نہیں تھا۔ میں نے جتنی باتیں کی تھیں، وہ سیدھی سیدھی کامن سنس کی تھیں۔ ذرا سی سوچ سیدھی رکھتے تو وہ خود بھی انہیں دیکھ سکتے تھے۔

”اب اس مسئلے کا حل کیا ہے؟“ ڈبل باس نے پوچھا۔

”حل وہی ہے جو میں بتا چکا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”جہاں تک رہا جنگل میں بھٹکنے کا سوال تو اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ کو نقشہ تیار کر کے دینے والے نے ہی آپ کو بتایا ہوگا کہ اپنی منزل تک پہنچنے میں آپ کو کتنے دن درکار ہوں گے۔ اس نے اس مدت میں وہ وقت بھی شامل کیا ہوگا جو گھوڑوں پر یا پیدل فاصلہ طے کرنے میں صرف ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم ابھی تیاری کر کے نکل چلیں تو شام ڈھلنے سے پہلے وہاں پہنچ سکتے ہیں۔“

”آپ کا تجزیہ واقعی بہت عمدہ ہے مسٹر گادا!“ طاہر نے کہا۔ ”لیکن ایک سوال تو پھر بھی رہ جاتا ہے؟“

”وہ کیا؟“

”ہمیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ہمارے رہنما نے آگے کی مسافت گھوڑے کے سفر کے حساب سے بتائی ہے یا پیدل سفر کے حساب سے؟ ظاہر بات ہے کہ گھوڑے پر سفر کی

رفتار پیدل سفر کی رفتار سے زیادہ ہوگی۔ وقت میں فرق آ جائے گا۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔"

"وہ کیسے؟"

"آگے کا راستہ دیکھا ہے آپ نے؟" میں نے سوال کیا۔

"جی!"

"اور آپ کو یہ اندازہ بھی ہوگا کہ آگے چل کر جنگل گھنا ہوتا جائے گا!"

"بے شک۔"

"تو پھر آپ خود ہی سوچیں کہ اس راستے پر گھوڑے دوڑائے تو نہیں جا سکیں گے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ راستہ اتنی گنجائش نہیں رکھتا۔ دوسری بات یہ کہ گھنے جنگل میں گھوڑا دوڑانا خطرے سے خالی نہیں۔ درختوں کی جھکی ہوئی شاخیں گھڑسواروں کے لئے ہمیشہ خطرناک ثابت ہوتی آئی ہیں۔ اگر کوئی یہاں سے گھوڑے پر بھی آگے بڑھے گا تو گھوڑے کی ہلکی رفتار رکھنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ گھوڑے کے استعمال کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے پیروں کو تھکنے کی زحمت سے محفوظ رکھا جائے اور بس۔ بصورت دیگر اس راستے پر ایک پیدل انسان اور گھوڑے کی رفتار میں کوئی فرق نہیں ہوگا بلکہ ممکن ہے پیدل چلنے والے کی رفتار گھڑسوار سے کچھ زیادہ ہی ہو۔"

وہ لوگ ایک دفعہ پھر خاموش ہو گئے۔ پھر فالکن نے کہا۔ "آپ کے پاس تو ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ پہلے ہی سے اس کے متعلق سوچتے رہے ہیں۔"

"یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر زیادہ سوچ بچار کی ضرورت ہو۔" میں نے کہا۔ "تمام سوالوں کے جواب اس نقشے اور سامنے نظر آنے والے راستے سے ظاہر ہیں۔ میں نے کسی کمال کا مظاہرہ نہیں کیا۔"

"یہ آپ کی کسر نفسی ہے۔" ڈبل باس نے کہا۔ "بہرحال ہمیں خوشی ہے کہ اس سفر میں ہمیں آپ جیسے نابغہ روزگار کا ساتھ حاصل ہے۔"

دوسروں کی طرف سے بھی کچھ اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا گیا تھا۔ ڈبل باس نے

کہا۔ "اب یہ بھی طے کر لیا جائے کہ یہاں سے آگے کون بڑھے گا۔"

"مجھے اور طاہر کو چونکہ مونٹی قبیلے سے مذاکرات کے لئے منتخب کیا گیا تھا، اس لئے ہم دونوں کا جانا تو لازم ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کے علاوہ دو مزید افراد ساتھ لئے جائیں گے، جن کا انتخاب آپ خود کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ یہاں رکیں گے تاکہ بعد میں جب دیگر افراد کو لے کر آگے بڑھا جائے تو آپ ان کی قیادت اور رہنمائی کر سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگ روانہ ہو جائیں۔" ڈبل باس نے کہا۔ "شام تک آپ مونٹی قبیلے کی حدود تک پہنچ جائیں گے۔ وہاں پہنچ کر آپ صبح تک انتظار کریں گے۔ صبح پو پھٹے طاہر قبیلے کے بڑوں کو ملاقات کا پیغام بھجوائے گا۔ پیغام بھیجنے کا طریقہ اسے معلوم ہے۔ اگر ان کی طرف سے اثبات میں جواب ملتا ہے تو آپ دونوں ملاقات کے لئے آگے بڑھ جائیں گے۔ باقی دونوں افراد پیچھے رکیں گے۔ خیرسگالی کے اظہار کے لئے آپ چند تحفے بھی ساتھ لیتے جائیں گے۔"

"اور اگر جواب اثبات میں نہ ملا تو؟" میں نے سوال کیا۔

"ایسی صورت میں آپ لوگ مزید کوئی پیش رفت کرنے کے بجائے وہیں رک کر ہمارا انتظار کریں گے۔ ہم لوگ صبح ہوتے ہی یہاں سے چل دیں گے اور دوپہر ہونے تک آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ جواب نفی میں ملنے کی صورت میں آئندہ لائحہ عمل اسی وقت طے کر لیا جائے گا۔"

"تحفے کیا ہوں گے؟"

"وہی جو اس پسماندہ علاقے میں رہنے والے جنگلیوں کو پسند آ سکتے ہیں۔" اس مرتبہ فالکن نے جواب دیا۔ "عمدہ کپڑے کے چند تھان، دو تین معمولی بندوقیں، چند تھیلیاں تمباکو کی اور کچھ بوتلیں شراب کی۔"

"کیا یہ کافی ہوں گے؟"

"آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ ان کے لوگوں کے لئے سونا اتنا قیمتی نہیں جتنی یہ چیزیں۔ بلکہ سونے کے ساتھ ان کا موازنہ کرنا ہی غلط ہوگا۔ سونا ان کے کس کام کا۔ یہاں سونے کا نہیں اجناس کا سکہ چلتا ہے۔ آپ انہیں ہیرے جواہرات کے ڈھیر سے

لا دیجئے ، یہ قطعی متاثر نہیں ہوں گے لیکن ایسی چند اجناس اور اشیائے صرف پا کر خوشی سے نہال ہو جائیں گے۔''

''تو آپ لوگ صبح یہاں سے نکلیں گے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''ہاں۔''

''میرا ایک مشورہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''آپ لوگ خواتین کو دو تین مردوں کی حفاظت میں یہیں چھوڑ دیجئے گا۔ آگے چل کر نہ جانے کس قسم کے حالات سے واسطہ پڑے۔ ایسی صورت میں خواتین کو سنبھالنا مسئلہ بن جائے گا۔ میرے اب تک کے مشاہدے کے مطابق ان میں سے کوئی ان صعوبتوں کو سہنے کے قابل نہیں ہے، ان کے ساتھ ہونے کی صورت میں ہماری مشکلات میں اضافہ ہو سکتا ہے۔''

''آپ کا یہ مشورہ بھی نہایت صائب ہے اور ہم اسے دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔'' ڈبل باس نے کہا۔ ''یہاں سے آگے خواتین ہمارے ساتھ سفر نہیں کریں گی۔ ہمارے لوٹنے پر وہ یہیں سے واپس جائیں گی۔''

''ایک دوسرے پہلو کو بھی نظر انداز مت کیجئے۔'' میں نے قدرے سرد مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''دوسرا پہلو؟''

''آپ نے خواتین کی واپسی اپنی واپسی کے ساتھ مشروط کی ہے۔ اس خوفناک جنگل میں زندگی قدم قدم پر موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں واپس آنا نصیب ہی نہ ہو۔''

''اوہ!'' ان کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

''میری رائے میں خواتین کو ہدایت کر دی جائے کہ وہ صرف تین دن ہماری واپسی کا انتظار کریں۔ اس کے بعد اپنے ساتھ موجود مردوں کو لے کر واپسی کا سفر شروع کر دیں۔''

''آپ واقعی تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔''

''میرا خیال ہے اب تمام باتیں طے ہو چکیں۔ اب ہمیں روانہ ہونے کی تیاری کرنی چاہئے۔ کیوں طاہر؟''

''جی بالکل درست کہا آپ نے۔ چلئے۔''

ہم دونوں وہاں سے باہر نکل آئے۔ مجھے تو خیر کسی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔ کون سا کسی فائیو سٹار ہوٹل میں منعقدہ تقریب میں جانا تھا۔ سفر کے لئے مناسب کپڑے اور جوتے میں پہلے ہی پہنے ہوئے تھا البتہ احتیاطاً میں نے ایک خودکار رائفل اور چند ایمونیشن کلپ ساتھ لے لئے تھے۔ مونٹینا کے ساتھ میں ان کی چپقلش دیکھ چکا تھا۔ وہ یقیناً وہیں موجود تھی اور اس کی طرف سے کسی متشددانہ ردعمل کا اظہار غیر متوقع نہ تھا۔ ممکن تھا کہ مونٹی قبیلہ ہم پر حملہ آور ہی ہو جاتا۔ دوبدو مقابلے میں تو خیر میں ان کے بس کا نہیں تھا لیکن دور مار ہتھیاروں کی لڑائی میں حصہ لینے کے لئے ایسی کسی چیز کا ہونا ضروری تھا۔

اب مجھے طاہر کا انتظار تھا لیکن طاہر سے پہلے مسٹر الکانڈر سے ملاقات ہو گئی۔

''میں تمہیں ہی تلاش کر رہا تھا۔'' انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''اور شاید میرے دل میں بھی آپ سے ملاقات کی خواہش تھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم مونٹی قبیلے کی حدود کی طرف سفر کا آغاز کرنے والے ہو۔''

''جی ہاں۔''

''اور وہاں پہنچ کر تم قبیلے کے بڑوں سے ملاقات کرو گے؟''

''یہ بھی درست ہے۔''

''جانتے ہو اس قبیلے کا سب سے بڑا بزرگ کون ہے؟''

''آپ بتا دیجئے۔''

''سربیان۔ ان کا روحانی پیشوا اور مونٹینا کا اتالیق۔ قبیلے کے بڑوں میں اس شخص کی بات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوگی۔ یہ بات یاد رکھنا۔''

''جی بہتر۔''

"اور یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ شخص دیکھنے میں انسان لگتا ہے لیکن اس کی خصلت انسانوں والی نہیں ہے۔ وہ کسی زہریلے سانپ کی طرح موذی اور خطرناک ہے۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے نہایت احتیاط سے کام لینا۔ بے حد مکار شخص ہے وہ۔"

"میں خیال رکھوں گا۔"

"ممکن ہے وہاں تمہاری ملاقات مونٹینا سے بھی ہو۔ تم نے جو واقعات سنائے ہیں، ان سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ تمہیں پسند کرتی ہے لیکن پھر بھی اس لڑکی کی طرف سے بھی ہوشیار رہنا۔ کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت وہ کس روپ میں سامنے آئے۔ بس اتنا ہی کہنا تھا مجھے۔"

"آپ کے مشوروں کا بہت بہت شکریہ مسٹر الکانڈر۔ میں ان پر پورے دل سے عمل کروں گا۔"

اپنی بات مکمل کر کے مسٹر الکانڈر رکے نہیں۔ میں انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد طاہر میرے پاس پہنچ گیا اور اس کے ساتھ وہ دونوں آدمی بھی تھے جنہیں اس سفر میں ہمارا ساتھی بننا تھا۔ ان میں سے ایک میک مین تھا اور دوسرا کرسٹوفر نامی ایک حبشی جو قد و قامت میں میک مین سے بھی نکلتا ہوا تھا۔ سفر کے دوران میری چند مرتبہ اس سے گفتگو ہو چکی تھی اور میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ شخص اپنے جسم کے ساتھ ساتھ اپنی عقل کا استعمال کرنا بھی جانتا ہے۔

"میں نے اس سفر کے لئے اپنا نام خود پیش کیا ہے مسٹر گادا!" میک مین نے کہا۔ "جب مجھے پتہ چلا کہ آپ بھی اس سفر میں شامل ہوں گے تو میں رہ نہیں سکا۔ آپ کا ساتھ چھوڑنا اب مجھے ممکن محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے میری زندگی بدل دی ہے، میں ہمیشہ کے لئے آپ کا احسان مند ہوں۔" اس کے انداز میں جذباتیت اتر آئی تھی۔

"خواہ مخواہ مجھے شرمندہ مت کیجئے، مسٹر میک۔" میں نے سچ مچ خجل سا ہو کر کہا۔ "میں نے محض انسانی خلوص کے پیش نظر آپ کو چند مشورے دیئے تھے اور مجھے خوشی ہے کہ آپ نے انہیں عمل کے قابل جانا۔"

"آپ کی صلاحیتوں کے قائل ہم سب ہیں، مسٹر گادا!" کرسٹوفر نے کہا۔ "آپ

کی سربراہی میں سفر کرنا ہمارے لئے ایک اعزاز ہوگا۔"

"سربراہی؟" میں نے حیرت اور استفہام کے ملے جلے انداز میں کہا۔

"جی ہاں، سربراہی۔" طاہر نے کہا۔ "ہم سب کی متفقہ رائے کے مطابق اس چھوٹی سی ٹولی کا سربراہ آپ کو چنا گیا ہے۔"

"آپ لوگ جانے مجھے کیا سے کیا بنا کر چھوڑیں گے۔" میں نے آہ بھر کر کہا اور وہ سب ہنس پڑے۔



ہمارا سفر تیزی سے جاری تھا۔ گھنے جنگل کے بلند و بالا درختوں، ان کی لٹکی ہوئی شاخوں اور جابجا راہ میں آ جانے والی گنجان جھاڑیوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے ہم حتی الوسع تیز رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے۔

میں اور طاہر آگے تھے۔ ہمارے پاس تیز دھار لمبے چھرے تھے اور ان کی مدد سے ہم راہ میں آنے والی جھاڑیاں اور شاخیں وغیرہ کاٹتے جا رہے تھے۔ یوں ہمارے راستے کے آثار خود بخود متعین ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اب بعد میں آنے والوں کے لئے ہمارے نقش قدم پر چلنا بہت آسان تھا۔ اگر ہم منزل پر پہنچ جاتے تو ان کا پہنچنا بھی یقینی ہوتا۔

نقشہ میرے پاس تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے میں نے اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہمیں کس سمت کو مدنظر رکھنا ہے۔

ابھی تک کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ راستے میں ایک ندی آئی تھی۔ پانی خاصا گہرا تھا لیکن جس مقام سے ہم گزر رہے تھے، وہاں پاٹ چوڑا ہونے کی وجہ سے بہاؤ کچھ زیادہ تیز نہیں تھا۔ ہم اسے آسانی سے عبور کر گئے تھے۔ جہاں تک جانوروں کا سوال ہے، درختوں کی شاخوں سے چند سانپ لٹکتے نظر آئے تھے، جن میں سے ایک دو اژدہے کی سی جسامت کے حامل تھے لیکن ہم ان پر توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گئے۔ سانپوں سے انسان کو عموماً اسی وقت خطرہ ہوتا ہے، جب وہ انسان سے خطرہ محسوس کریں۔ ایسے میں وہ اپنے تحفظ کے لئے حملہ کر دیتے ہیں۔ غالباً ان سانپوں کو ہماری طرف سے کسی قسم کا خطرہ

محسوس نہیں ہوا تھا، اس لئے انہوں نے ہمارے لئے خطرہ بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کسی خطرناک جانور سے ابھی تک ہمارا ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔

لیکن جنگل بہرحال جنگل ہے اور قدرتی جنگل میں جانوروں سے یکسر ٹکرائے بغیر آگے بڑھنا ناممکن ہے۔ ہماری دعا تو یہی تھی کہ کوئی خردماغ راستے میں نہ آئے لیکن وہ وقت شاید قبولیت کا نہیں تھا۔ بالآخر ایک خطرناک مصیبت ہمارے سامنے آ ہی گئی۔

وہ ایک جنگلی بھینسا تھا۔ اس گھاس پات کھانے والے جانور کو خونخوار تو قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن خطرناکی کے اعتبار سے وہ کسی خونخوار جانور سے کم بھی نہیں ہوتا۔ اس کی وحشت عدیم المثال ہے اور اس کی طاقت ہولناک۔ اس کی ٹکر ہاتھی کو بھی الٹا کر دیتی ہے اور اس کے سینگ شیر کا پیٹ چاک کر دیتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ موصوف کینہ توز بھی ہوتے ہیں۔ شکاری کی گولی کھا کر اگر بچ نکلیں تو اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور جان بچانے کے لئے وہ اگر درخت پر بھی چڑھ جائے تو یہ ٹکر مار کر درخت ہی گرا دیتے ہیں اور اگر نہ گر سکے تو نیچے بیٹھ کر شکاری کے اترنے کا انتظار کرتے ہیں...............اور اب یہ بلا ہمارے راستے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

بھینسا عموماً خود سے کسی پر حملہ آور نہیں ہوتا لیکن اس بھینسے کے سر پر نہ جانے کیا بھوت سوار تھا۔ اس کا حملہ بالکل غیر متوقع تھا اور وہ اتنی تیزی سے ہماری طرف آیا کہ کسی کو بھی رائفل سنبھالنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے نتھنوں سے گویا آگ کے مرغولے چھوٹ رہے تھے اور اس کے سموں کی دھمک سے دھرتی ہلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

سب سے آگے چونکہ میں تھا، اس لئے پہلے حملہ مجھی پر ہوا۔

"بچ کے۔" میں نے چیخ کے کہا اور تیزی سے ایک طرف ہو گیا۔ میرے پیچھے آنے والوں نے ادھر ادھر چھلانگیں مار کر اپنی جانیں بچائیں۔ بھینسا اپنے زور میں آگے نکلتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر نکل کر اس نے قدم جمائے، واپس پلٹا اور سر جھکا کر ایک دفعہ پھر حملہ آور ہوا۔ اتنی بھاری جسامت کے باوجود اس کی پھرتی ناقابل یقین تھی۔ دوسرے لوگ پھر جان بچانے کے لئے بھاگے۔ میک مِن تو ایک ہی چھلانگ میں ایک قریبی درخت پر جا چڑھا۔ کرسٹوفر بھینسے کی پیش قدمی کی لائن میں نہیں آیا، اس لئے وہ بھی بچ

نکلا لیکن طاہر اس کے سامنے آ گیا۔ بھینسا پھنکارتا ہوا اس پر چڑھ دوڑا۔

وہ پلٹ کر بھاگا۔ بھینسا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ میں نے تیزی سے رائفل سیدھی کی لیکن اس بھاگ دوڑ میں صحیح نشانہ لگانا ممکن نہ تھا اور میں کون سا ماہر نشانے باز تھا۔ رائفل جھکا کر میں بھینسے کے پیچھے بھاگا۔

"مسٹر گاڈا!" میک مِن درخت پر چڑھے ہوئے چلایا۔ "کیا کر رہے ہیں آپ؟ کسی درخت پر پناہ حاصل کر لیجئے، یہ جانور بہت خطرناک ہے۔"

طاہر کی زندگی خطرے میں تھی۔ میرے پاس میک مِن کی بات پر دھیان دینے کی فرصت تھی نہ موقع۔ میں نے بھاگتے بھاگتے چھلانگ لگائی اور بھینسے کی پیٹھ پر جا گرا۔

دیکھنے والوں کے منہ حیرت سے کھل گئے ہوں گے۔ جس بلا سے جان بچانے کے لئے وہ ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے، میں اس پر جا سوار ہوا تھا۔

بھینسے نے میرے آ چڑھنے پر مطلق توجہ نہ دیتے ہوئے طاہر کا تعاقب جاری رکھا۔ طاہر کے دوڑنے کی رفتار حالانکہ خاصی تیز تھی اور وہ درختوں کے درمیان بھینسے کو چکر دیتا پھر رہا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کے پاس بھینسے کی طرح چار پائے نہ تھے، صرف دو تھے۔ ان کے درمیان فاصلہ تیزی سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ میرے پہنچنے تک طاہر بھینسے کی ٹکر کی رینج میں آ چکا تھا۔ میرے اس کے سینگوں پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے بھینسے نے سر جھکا کر طاہر کے ٹکر رسید کر دی۔

لیکن وہ پھرتیلا شخص اتنی سرعت سے ٹکر کے راستے سے نکلا کہ میں بھی حیران رہ گیا۔ اس وقت وہ ایک چھوٹے درخت کے بالکل سامنے تھا۔ بھینسے کی ٹکر طاہر کے بجائے درخت پر پڑی اور بظاہر مضبوطی سے زمین میں گڑا نظر آنے والا وہ درخت اکھڑ کر جا پڑا۔ اگر یہ ٹکر طاہر کو پڑ جاتی تو اس کا کیا حشر ہوتا، یہ سوچ کر میں تھرا کے رہ گیا۔

ٹکر کا اثر یہ ہوا کہ مجھے شدید جھٹکا لگا۔ چونکہ بھینسے کی پشت پر میں ایسے پڑا ہوا تھا جیسے کوئی بستر پر اوندھے منہ لیٹا ہوا ہو، اور کوئی سہارا میری گرفت میں نہ تھا، اس لئے جھٹکا لگنے سے میں زمین میں جا پڑا۔ زمین سے ٹکراتے ہی میں نے دائیں ٹانگ چلائی۔ میرا نشانہ بھینسے کی پچھلی ٹانگ تھی۔ اگر یہ ضرب اسے پڑ جاتی تو یہ یقیناً بھینسے کی ٹانگ

پچھاک سے ٹوٹ جاتی اور وہ حرکت سے معذور ہو جاتا لیکن میری ضرب کے ہدف تک پہنچنے تک بھینسا اس کی زد سے آگے نکل چکا تھا۔ میری ٹانگ ہوا میں افقی دائرہ بنا کر رہ گئی۔

میں تیزی سے اٹھا۔ بھینسا پھر واپس پلٹا۔ طاہر اتنی دیر میں پرے نکل چکا تھا اور اب ایک بھاری بھرکم درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میک مین اور کرسٹوفر پہلے ہی پناہ حاصل کر چکے تھے چنانچہ اس مرتبہ بھینسا پلٹا تو میں اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

ہم دونوں کے درمیان بمشکل تمام دس قدم کا فاصلہ ہوگا۔ بھینسے کی باچھوں سے جھاگ پھوٹ رہا تھا۔ وہ صرف ایک لمحے کے لئے رکا اور اس ایک لمحے میں ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ مجھے اس جانور کی آنکھوں میں خون کی سی سرخی نظر آئی اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید یہ جانور کسی زہریلی چیز کے کاٹنے یا کوئی انتہائی گرم چیز کھا لینے سے باؤلا ہو چکا ہے۔ اب اس وقت تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا جب تک ہم سب یا وہ خود موت کے گھاٹ نہیں اتر جاتا۔

میں قدم جما کر کھڑا ہو گیا۔ بھینسے کا سنگ خارا کی چٹان ایسا جسم حرکت میں آیا، اس کے قدموں کی دھمک گونجنے لگی، چند سیکنڈ بھی نہیں لگے ہوں گے کہ وہ میرے سر پر آ چڑھا۔ میں پوری طرح تیار تھا۔ بھینسے کے زد میں آتے ہی میں نے پوری قوت سے کراس پنچ مارا، میرا گھونسہ اس کی لحیم شحیم گردن سے ذرا پیچھے پڑا۔ میرے ہاتھ کو ایک دھمک سی محسوس ہوئی، اور اگلے ہی پل یہ دھمک تیز دھار گونج بن کر بھینسے جسم کے دوسرے سرے تک اتر گئی۔ ایک ہی ضرب نے اسے نہ صرف پورے جسم سے گھما دیا تھا بلکہ جہاں میرا ہاتھ پڑا تھا، اس حصے کے تمام عضلات اور ہڈیاں پچک کے رہ گئی تھیں۔

بس اتنی سی بات تھی۔ وہ بھینسا جو ایک سیکنڈ پہلے خوف و وحشت کا مجسم استعارہ نظر آ رہا تھا، اب زمین پر پڑا تھا۔ اس کا جسم جانکنی کے کرب میں ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ایک ٹھوکر رسید کی اور اسے اس کرب سے نجات دلا دی۔

”آ جاؤ۔ کھیل ختم ہو گیا ہے۔“ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ وہ مختلف

کونوں سے نکل کر میرے پاس پہنچ گئے۔ ان کے چہرے ایسی شدید حیرت کے آماجگاہ تھے کہ بیان سے باہر۔

”یہ سب کیسے ہو گیا؟“ میک مین نے حیرت سے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ بھینسا ایسے کیسے.............مسٹر گادا، آپ نے اس پتھر کو کیسے توڑ لیا؟“

”پتھر کو توڑنے کی ایک خاص تیکنیک ہوتی ہے۔“ میں نے مسکرا کر ان کی حیرت دور کرنے کی کوشش کی۔ ”میں نے اسی تیکنیک سے کام لیا تھا۔“

”لعنت ہے ہر تیکنیک پر!“ کرسٹوفر نے کہا۔ ”میں سب دیکھ رہا تھا۔ میرے سامنے آپ نے اس کے گردن سے پیچھے گھونسہ مارا ہے۔ یہ دیکھو۔“ اس نے دوسروں کو دکھایا۔ بھینسے کی گردن پر لوتھڑے کی طرح پچکی ہوئی کھال کی صورت میری لگائی ہوئی چوٹ کا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ ”یہ تیکنیک ہے یا ہرکولیس کے گرز کی ضرب! مجھے پہلے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ آپ یوں اس کے سامنے تن کر کھڑے ہو گئے تھے کہ مجھے لگا جیسے آپ خودکشی کا ارادہ کر چکے ہیں۔ پھر آپ کا ہاتھ چلا اور یہ پہاڑ زمین بوس ہو گیا۔ میں نے ایک ایک چیز دیکھی ہے، حیرت کے مارے میں پلکیں جھپکنا بھی بھول گیا تھا۔ آپ کے ایک گھونسے نے اس خوفناک جانور کو زمین چٹا دی، اور پھر ٹھوکر مار کر آپ نے اس کا قصہ تمام کر دیا۔ مسٹر گادا، آخر آپ کیا چیز ہیں؟ انسان ہیں یا آسمان سے اترے ہوئے کوئی دیوتا؟“

”مجھے انسان ہی رہنے دو کرسٹوفر، دیوتا بنانے کی کوشش نہ کرو۔“ میں نے اسے گھور کر کہا۔ ”اور جہاں تک رہی اس بھینسے کی بات، تو تم سب کی حفاظت کے لئے میں نے جو ضروری سمجھا، وہی کیا۔ اب اس تذکرے پر خاک ڈالو اور آگے بڑھنے کی سوچو۔“

ہم دوبارہ چل پڑے۔ ان سب کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگ گئی تھی۔ میرے معاملے میں ان کا رویہ پہلے ہی محکومانہ سا تھا، اور اب تو وہ میری طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ پجاری ہوں اور میں مقدس گائے۔ مجھے جھنجھلاہٹ سی محسوس ہوئی تھی لیکن پھر میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

باقی کا سفر بخیر وخوبی کٹ گیا۔ ہم نقشے کے مطابق سفر کرتے رہے۔ سہ پہر ڈھلنے سے پہلے ہم اس خطے سے باہر نکل آئے تھے، جس میں اب تک سفر کرتے رہے۔ ہمارے اردگرد اب بھی جنگل تھا، لیکن اس کے گھنے پن میں کافی کمی واقع ہوگئی تھی۔ سہ پہر ڈھلتے ڈھلتے جنگل ایک طرح سے بالکل ہی ختم ہوگیا۔ اب کہیں کہیں درختوں کے چھوٹے چھوٹے جھنڈ دکھائی پڑ رہے تھے۔ بقیہ علاقہ ایک وسیع، قدرے ڈھلواں، میدان کی طرح تھا اور اس میدان میں جابجا اونچے نیچے ٹیلے ابھرے ہوئے تھے۔

سورج مغرب کی طرف جھکتا گیا۔ آہستہ آہستہ شام کی کجلاہٹیں دامن پھیلانے لگیں۔ مجھے پہلے پانی کا شور سنائی دیا، پھر ایک چمکیلی سی سطح نظر آئی جس پر دم توڑتے سورج کی آخری شعاعیں رنگین انعکاس پیدا کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں ہم ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ دریا کا پاٹ وسیع تھا، لیکن اس کی موجوں کی اچھل کود ظاہر کر رہی تھی کہ یہاں سے اس کی گہرائی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ یہاں پہنچ کر ہم رک گئے۔ نقشے کے مطابق اس دریا کے دوسری طرف سے مونٹی قبیلے کی حدود شروع ہوتی تھیں۔ وہاں درختوں کے جھنڈ تھے اور جھنڈوں کے پار کافی فاصلے پر ایک پہاڑی کی نیلی چوٹی ابھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

''آپ کا اندازہ بالکل درست نکلا، مسٹر گادا!'' طاہر نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بالآخر ہم منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔''

''صرف منزل پر پہنچے ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''مقصود کے ملنے نہ ملنے کا تعین بعد میں ہوگا۔''

''اوہ ہاں، آپ درست کہتے ہیں۔'' اس نے خفت سے سر کھجایا۔

''اب کیا پروگرام ہے؟'' میک مین نے پوچھا۔

''وہی جو پہلے طے کیا گیا تھا۔'' طاہر نے جواب دیا۔ ''ہم یہیں رک کر صبح ہونے کا انتظار کریں گے۔ صبح کے وقت میں انہیں پیغام بھجواؤں گا اور پیغام کا اثبات یا نفی میں جواب ملنے پر اگلے قدم کا دارومدار ہوگا۔''

''تو گویا آرام کا وقت آ گیا۔'' کرسٹوفر نے اپنے شانوں سے لٹکا ہوا ہولڈال

اتارتے ہوئے کہا۔ اس ہولڈال میں مونٹی قبیلے کے بڑوں کے لئے لائے گئے تحفے بند تھے۔ اسی طرح کا ایک ہولڈال طاہر کے کندھوں پر بھی تھا جس میں ہمارے لئے شب بسری کا سامان تھا۔ سلیپنگ بیگ اور خوردنی اشیاء وغیرہ۔ دونوں ہولڈال ہم نے راستے میں باری باری اٹھائے تھے۔ بھینسے والا واقعہ رونما ہونے کے بعد وہ مجھے ہولڈال اٹھانے کی زحمت دینے پر آمادہ نہ تھے لیکن میں نے بہ اصرار اپنے حصے کا کام انجام دیا تھا۔

''ہاں، اب ہم میں سے تین آرام کریں گے اور ایک جاگتا رہے گا۔'' طاہر نے کہا۔ ''پو پھٹنے سے کچھ دیر پہلے وہ مجھے اور مسٹر گادا کو جگا کر خود سو جائے گا کیونکہ آگے کے معاملات ہم دونوں کو ہی ہینڈل کرنے ہیں۔ اگر ہم ملاقات کے لئے جاتے ہیں تو تم دونوں یہیں رکو گے۔''

''اور یہ جاگنے کی خدمت کون سرانجام دے گا؟'' میک مین نے کہا۔

''ظاہر ہے مجھے ہی انجام دینا پڑے گی۔'' کرسٹوفر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہاری حالت دیکھ کر تو یوں لگ رہا ہے کہ اگر تھوڑی دیر اور بیٹھے نہیں تو گر پڑو گے۔''

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ تھکن کے مارے میک مین کی حالت واقعی خراب ہو رہی تھی۔ لیکن کرسٹوفر نے بھی اس کے برابر ہی سفر کیا تھا اور یقیناً وہ بھی تھکا ہوا تھا۔ اسے ساری رات یوں جگائے رکھنا قرین انصاف نہیں تھا۔

چنانچہ میں نے کہا۔ ''میرے خیال میں ایسا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ تم دونوں ایسا کرو کہ ابھی آرام کے لئے لیٹ جاؤ۔ میں اور طاہر دو تین گھنٹے بعد سوئیں گے۔ سونے سے پہلے میں کرسٹوفر کو جگا دوں گا۔ اس وقت تک اس کی تھکن کافی حد تک دور ہو چکی ہوگی۔ رہی سہی کسر صبح کے وقت کے آرام سے نکال لینا۔''

کرسٹوفر نے متشکر نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور ہولڈال کھول کر سلیپنگ بیگ نکالنے لگا۔ دونوں بری طرح تھکے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں سو گئے۔ میں اور طاہر پاؤں پھیلا کر زمین پر دراز ہوگئے تھے۔

تھوڑی دیر ہم دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی پھر طاہر نے کہا۔ ''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟''

"ہم.........." میں چونک گیا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔"

"آپ کی ذات میرے لئے بڑی پراسرار ہوگئی ہے مسٹر گادا۔"

"وہ کیسے؟"

"ایک تو وہ حالات جن میں آپ ہم سے ٹکرائے۔ ظاہر ہوتے ہی آپ نے ہمارے دو ساتھیوں کی جان بچائی۔ شاید آپ کو علم نہ ہو کہ فالکن میرا بہترین دوست ہے۔ اس کی جان بچا کر آپ نے ہمیشہ کے لئے مجھے احسان مند کر لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے خود کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے کے بجائے ایسا رویہ اختیار کیا جیسے آپ بھی ہم سب کی طرح ایک عام انسان ہیں۔ میں ہر شام آپ کو دیکھا کرتا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اتنی ساری لڑکیاں اپنی دسترس میں دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا لیکن آپ نے ان میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ میک مین کی زبانی میں آپ کے ہاتھوں ریلزے کی جھاڑ کا قصہ بھی سن چکا ہوں۔ اس واقعے کے بعد آپ کی عزت میرے دل میں اور بڑھ گئی تھی۔ ریلزے ایسی لڑکی نہیں جسے ٹھکرانا آسان ہو۔ وہ تو خود پکے پھل کی طرح ہر پسندیدہ شخص کی جھولی میں ٹپکنے کو تیار رہتی ہے۔ پھر جب گاڑیاں بیکار ہوگئیں اور ہم سب مشکل میں پھنسے ہوئے تھے، آپ نے آ کر چٹکی بجاتے میں سارے مسئلے حل کر دیئے۔ اس کے بعد اس بھینسے کی موت۔ میں ابھی تک اندازہ نہیں کر پایا کہ آپ کے ہاتھوں میں کیسی قوت بھری ہوئی ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آپ کو سمجھنے کی کوشش میں، میں چکرا کر رہ گیا ہوں۔"

"ذہن کو تھکانے کی کوشش مت کرو طاہر۔" میں نے آسمان پر یکے بعد دیگرے نمودار ہونے والے ستاروں کو گھورتے ہوئے کہا۔ "بعض باتیں پوشیدہ ہی رہیں تو اچھا ہوتا ہے۔"

"مزید پراسراریاں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "چلئے چھوڑیئے۔ اگر آپ بتانا نہیں چاہتے تو میں بھی اصرار نہیں کرتا۔ کوئی اور بات کرتے ہیں۔"

"یہ مناسب رہے گا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ مونٹی قبیلے کی زبان سے تمہیں واقفیت کیسے حاصل ہوئی؟ میری معلومات کے مطابق اس قبیلے تک بہت کم لوگ پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

"یہ بات درست ہے۔" طاہر نے تائید کی۔ "لیکن اس کے باوجود اس قبیلے کی زبان کوئی عجوبہ نہیں۔ ان کے اجداد کا تعلق مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقوں سے ہے۔ جب اسلام وہاں پہنچا تو یہ لوگ وہاں سے ہجرت کر گئے کیونکہ ان کے عقائد اسلام سے متصادم تھے اور انہیں خدشہ تھا کہ اسلامی حکومت میں انہیں پنپنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ انہوں نے اپنی رہائش کے لئے یہ خطہ منتخب کیا۔ میرا بچپن اور لڑکپن صومالیہ، کینیا اور تنزانیہ میں گزرا ہے۔ مجھے سواحلی زبان میں مہارت حاصل ہے۔ مونٹی قبیلے کی زبان سواحلی کی ہی ایک قدیم شکل ہے۔"

"خوب! شاید ڈبل باس نے اسی لئے تمہیں اپنے ہمرکابی کے لئے منتخب کیا ہے۔"

"شاید۔ ویسے ان کا اور میرا ساتھ کافی پرانا ہے۔"

"صبح کیا کیا جائے گا؟"

"سب سے پہلے تو انہیں ملاقات کا پیغام دیا جائے گا۔ بعد کے اقدامات کا انحصار ان کے جواب پر ہوگا۔"

"پیغام کیسے دو گے؟"

"یہ آپ خود دیکھ لیجئے گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

ہم اسی طرح ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ جب آنکھوں میں نیند اترنے لگی تو کرسٹوفر کو جگا کر ہم دونوں سو گئے۔



پو پھٹنے سے کچھ دیر پہلے کرسٹوفر نے ہمیں جگا دیا۔ پورے جنگل پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چڑیوں کا چہچہا بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ خاصی حیرت کی بات تھی کیونکہ پرندے عموماً سورج نکلنے سے کچھ پہلے شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور جب تک سورج مشرق سے سر نہیں ابھارتا، اسی کام میں لگے رہتے ہیں۔ ماحول کا یہ سکوت کچھ عجیب، کچھ غیر فطری سا لگ رہا تھا۔

کرسٹوفر ہمیں جگا کر خود آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا تھا۔ طاہر نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ”پہلے ہاتھ منہ دھولیا جائے۔ تب تک پو بھی پھٹ جائے گی۔“

میں نے اس کی بات سے اتفاق کیا اور ہم دونوں دریا کی سمت چل پڑے تا کہ منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو سکیں۔ میرا ارادہ تھا کہ منہ دھونے کے بجائے سیدھے دریا میں ایک ڈبکی لگا لی جائے تا کہ پورا جسم تازگی کا ذائقہ چکھ سکے۔

طاہر میرے آگے آگے چل رہا تھا۔ دریا تک پہلے وہی پہنچا۔ عموماً دریا یا نہر کے کنارے پانی سے خاصے اونچے ہوتے ہیں اور سیلاب کے دنوں میں ہی مونہا منہ بھرے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن اس دریا کی لہریں کناروں سے اچھل رہی تھیں کیونکہ دریا کی گہرائی یہاں کم تھی۔ طاہر نے کنارے پر بیٹھ کر پانی میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے۔

اور اس کے ساتھ ہی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ حلق سے نکلنے والی چیخ کو اس نے بڑی مشکل سے دبایا ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں کو زور زور سے جھٹک رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”عجیب بات ہے۔“ اس نے جیسے خود سے کہا پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ ”ہاتھ ڈالتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے پانی میں ہزار وولٹ کا کرنٹ دوڑ رہا ہو۔“

”کیا بات کرتے ہو، دوست؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”لگتا ہے تمہاری حسیات نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ اس دریا کے پانی میں کرنٹ کہاں سے آیا! البتہ کبھی کبھی پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ ہاتھ ڈالتے ہی جھٹکا سا لگتا ہے۔ شاید سردی کے جھٹکے کو تم کرنٹ کا جھٹکا سمجھ بیٹھے۔“

”پانی اتنا ٹھنڈا تو نہیں تھا۔“ وہ اپنے تر ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ پانی پر نگاہ ڈال کر وہ ایک دفعہ پھر جھکا اور بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ دایاں ہاتھ بڑھا کر پانی کی سطح کی چھوا۔

اس مرتبہ بھی اس کے ساتھ وہی ہوا تھا۔ اب کے اس نے اپنا ہاتھ بغل میں دبا لیا تھا۔ ”میں آپ سے ٹھیک کہہ رہا ہوں مسٹر گادا!“ اس نے ضبط کی کوشش میں نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے کہا۔ ”یہ پانی واقعی جھٹکا مارتا ہے۔“

میری بھنویں سکڑ گئیں۔ عجیب سی بات کر رہا تھا وہ۔ ”ہٹو میں دیکھتا ہوں۔“

میرے کہنے پر وہ ایک طرف ہو گیا۔ میں پانی کی طرف بڑھا۔ میری نگاہیں اس کی سطح کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سرسری نظر میں تو کوئی غیر معمولی بات دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے ایک دفعہ آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ ایسا میں نے کسی شعوری ارادے کے تحت نہیں کیا تھا، میری آنکھوں نے یہ فعل گویا اپنے طور پر انجام دیا تھا۔

اور اب آنکھیں کھلیں تو گویا ایک نئی روشنی ان میں اتر آئی تھی۔ اب پانی کی سطح پہلے کی طرح شفاف نہیں تھی۔ اس پر پھیلا، اس کے اندر لہریں لیتا گہرے مٹیالے رنگ کا غبار صاف دکھائی دے رہا تھا۔

مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ کیا ہوا ہے۔ پانی یقیناً کسی سحر کے زیر اثر تھا چنانچہ وہ قوت جو مجھے بوڑھے الکانڈر کے توسط سے حاصل ہوئی تھی، حرکت میں آ گئی تھی اور سحر زدہ پانی کی حقیقت مجھ پر کھل گئی تھی۔

لیکن یہ سحر کیا کس نے؟ قبیلے والوں کی طرف سے ایسی کسی حرکت کی توقع نہیں کی

جاسکتی تھی۔ ہم نے اب تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم ان کے متعلق کوئی بری نیت رکھتے ہیں بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ ہم نے ابھی تک کوئی حرکت ہی نہیں کی تھی۔ پھر یہ سحر کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

"کیا تم اپنے حریفوں کو اتنی جلدی بھول گئے، ناصر؟" لیشی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

اس مرتبہ میں حیران نہیں ہوا۔ کل رات جب میں نے طاہر سے کہا تھا کہ بعض باتیں پوشیدہ ہی رہیں تو بہتر ہوتا ہے، تو اس وقت میرے ذہن میں لیشی کا ہی تصور تھا۔ اس لڑکی کی ذات میرے لئے اسی طرح پراسرار تھی جس طرح کہ میری ذات طاہر کے لئے پراسرار بن گئی تھی۔ میں نے بھی اسے ذہن کو نہ تھکانے کی ہدایت کی تھی اور خود بھی اسی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ اگرچہ لیشی کی آواز میری توقع کے خلاف آئی تھی لیکن اب میں ایسی غیر متوقع باتوں کا عادی ہوگیا تھا۔

"میرے حریف!" میں نے سوچا۔ "یعنی زوالا اور فولاس۔ تو گویا وہ حرکت میں آ گئے۔ بہت خوب! اب دیکھتے ہیں وہ مزید کیا حربہ آزماتے ہیں۔"

میں پانی کے قریب اکڑوں بیٹھا اور میں نے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔ اس وقت مجھے اپنے ہاتھوں میں برق کی ہلکی ہلکی لہروں کا ارتعاش محسوس ہو رہا تھا۔ میرے ہاتھ پانی کی سطح پر پھیلے اس غبار کے قریب پہنچے، ان میں ہلکی سی چمک پیدا ہوئی، چھوٹے چھوٹے چمکیلے ذرے میرے ہاتھ سے پھوٹ کر غبار سے ٹکرائے............... اور ایک جھماکے کے ساتھ غبار ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ اب پانی بالکل شفاف نظر آ رہا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ اس میں ڈوب گئے تھے۔

"کیا مذاق کرتے ہو یار۔" میں نے طاہر سے کہا۔ "یہ دیکھو۔ مجھے تو کوئی جھٹکا نہیں مارا اس نے۔"

اس نے مجھے ایک حیران نگاہ سے نوازا پھر کندھے جھٹک کر بولا۔ "مجھے یہ توقع تھی بھی نہیں کہ یہ آپ کو جھٹکا مارے گا۔ بہرحال آپ نے اس کا کرنٹ ختم کر دیا، اچھا کیا۔ اب کم از کم منہ تو دھویا جا سکے گا۔"

مزید کسی حیرت کا اظہار کئے بغیر وہ بیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگا اور میں قہقہہ لگا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جسم کو اوپرے لباس کی قید سے آزاد کرانے کے بعد میں نے پانی میں چھلانگ لگا دی تھی۔

میرے پانی سے نکلنے تک طاہر پیغام بھیجنے کی تیاریاں شروع کر چکا تھا۔ اس نے ادھر ادھر سے درختوں کی چند گری پڑی شاخیں ڈھونڈ نکالی تھیں اور اب چاقو کی مدد سے ان کا فالتو جھاڑ جھنکاڑ صاف کر رہا تھا۔ میں دلچسپی سے اس کا کام دیکھتا رہا پھر میں نے پوچھا۔ "ان شاخوں کا کیا کرو گے؟"

"ان کی مدد سے پیغام بھیجا جائے گا۔" اس نے شاخوں پر سے نظر ہٹائے بغیر جواب دیا۔

تین شاخوں کو صاف کر کے اس نے دو شاخوں کو دریا کے کنارے قدرے نرم زمین میں گاڑ دیا۔ تیسری شاخ ان کے اوپر اس طرح رکھ دی کہ ایک سہ پہلو مستطیل سی بن گئی۔ شاخیں رات کو پڑنے والی اوس کے باعث بری طرح گیلی ہو رہی تھیں۔ جب طاہر نے ایک چھوٹی سی بوتل نکال کر ان کے سروں پر پٹرول چھڑکا تو مجھے کچھ کچھ سمجھ آنے لگا کہ پیغام کیسے بھیجا جائے گا۔ براعظم امریکہ کے ریڈ انڈینز کے "سموک سگنلز" کے بارے میں، میں نے بہت کچھ پڑھا اور سنا تھا۔ وہ آگ جلا کر دھوئیں کے ذریعے ایک دوسرے تک پیغام رسانی کیا کرتے تھے۔ یہاں بھی غالباً ایسا ہی کوئی طریقہ استعمال کیا جانے والا تھا۔ آگ لگانے کا طریقہ البتہ مختلف تھا۔

میرے اندازے کی تصدیق تقریباً فوراً ہی ہوگئی۔ پٹرول چھڑک کر طاہر نے بوتل کو بند کیا اور ایک واٹر پروف ماچس نکال لی۔ اوپر والی شاخ کے سروں کے علاوہ اس کے وسط میں بھی پٹرول چھڑکا تھا اس نے۔ ماچس کو کھول کر اس نے دیا سلائی مصالحے پر رگڑی، ننھا سا شعلہ 'بھپ' سے جل اٹھا۔ طاہر نے اس شعلے کو کھڑی شاخ کے سرے پر لگا دیا۔

پٹرول میں بھیگے ہوئے اس سرے کو بھی 'بھپ' سے جل اٹھنا چاہئے تھا لیکن ہوا اس کے الٹ۔ دیا سلائی جل کر آدھی ہوگئی لیکن شاخیں ویسے کی ویسے کھڑی رہیں۔

دیا سلائی کی آگ نے ان پر ذرا اثر نہیں کیا تھا۔

طاہر نے دیا سلائی ایک طرف پھینک کر سر کھجایا اور میری طرف دیکھا۔ میں خاموشی سے بیٹھا دیکھ رہا تھا اور مجھے نظر آ رہا تھا کہ طاہر کے دیا سلائی روشن کرتے ہی شاخوں سے وہی مٹیالا غبار اٹھنے لگا تھا۔

تو حریفوں کی طرف سے اگلا وار اس طرح کیا گیا تھا۔ نہ جانے یہ لوگ ایسے بچگانہ حربوں سے ہمیں تنگ کرنے کی کوشش کیوں کر رہے تھے۔ ہم یہاں مونٹی قبیلے سے رابطہ کرنے کے لئے آئے تھے، اب تک کی ان کی تمام کوششیں ہمیں رابطہ کرنے سے روکنے کی تھیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہمیں رابطے سے روک کر آخر وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی خیال آیا کہ عین ممکن ہے جنگل میں ہم پر حملہ آور ہونے والے بھینسے کا باؤلا پن بھی انہی کا کیا دھرا ہو۔

''میرا خیال ہے آپ کی ضرورت پھر پڑ گئی ہے، مسٹر.................''

''میرا نام ناصر ہے۔'' میں اس کی بات کاٹتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ طاہر نے خاموشی سے ماچس میری طرف بڑھا دی۔ ''شکریہ، آپ نے مجھے اتنے اعتبار کے قابل تو جانا کہ اپنا اصلی نام بتا دیا۔ ویسے میں آپ کو زحمت دینے کے بجائے ایک ٹرائی اور کر لیتا لیکن پو پھٹ چکی ہے اور ہمارے پاس وقت کم ہے۔ مونٹی قبیلے کے ہرکارے اس وقت دریا کے اس پار اس پہاڑی پر موجود ہوں گے۔ سورج کے روشن اور بلند ہونے تک وہ وہاں موجود رہیں گے۔ ان تک پیغام پہنچانے اور ان کا پیغام وصول کرنے کا وقت یہی ہوتا ہے۔''

میں نے ماچس لے کر کھول لی۔ میرے ہاتھوں میں وہی برقی رو مرتعش ہو گئی تھی۔ جیسے ستار کے ساز کو چھیڑا جائے تو وہ دیر تک جھنجھناتا رہتا ہے، کچھ ایسی ہی جھنجھناہٹ کی مانند۔ میں نے دیا سلائی نکال کر مصالحے پر رگڑی اور پھر اس کا شعلہ دونوں شاخوں کے کناروں پر باری باری لگایا۔ وہ جیسے بہانے کے منتظر بیٹھے تھے۔ فوراً جل اٹھے۔

''یہاں بھی۔'' طاہر نے اوپر نیچی شاخ کے وسط کی طرف اشارہ کیا اور میں نے وہاں بھی شعلہ لگا دیا۔

شاخوں سے نکلنے والے دھوئیں کی مقدار پہلے بہت معمولی سی تھی لیکن تھوڑی دیر جلنے کے بعد اس میں ایک دم اضافہ ہو گیا۔ اب دھوئیں کی تین گہری اور گھنی لکیریں آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں اور اوپر جا کر یکجا ہو جاتی تھیں۔ طاہر پہاڑی کی چوٹی کی طرف نظر جمائے ہوئے تھا۔ وہ قبیلے والوں کی طرف سے پیغام کے جواب کا منتظر تھا۔

کچھ وقت اسی طرح گزر گیا۔ میں نے بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں پہاڑی کی چوٹی پر نگاہیں جما دی تھیں۔ ہم دونوں امید و بیم کے ملے جلے جذبات لئے قبیلے والوں کی طرف سے کسی اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔

پھر چوٹی پر ایک شرارہ سا چمکا جیسے کوئی پھلجھڑی چھوٹی ہو۔ چمک بس ایک سیکنڈ کے لئے نظر آئی تھی پھر معدوم ہو گئی۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شاید میری نظروں نے مجھے دھوکا دیا ہے لیکن پھر طاہر کا رد عمل دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ مونٹی قبیلے کی طرف سے جواب موصول ہو گیا ہے۔ میں نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے گھورا تو وہ مسکرا دیا۔

''قبیلے والوں کا جواب موصول ہو گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ہمیں آگے بڑھنے کی دعوت دے دی گئی ہے۔''

''تو پھر فوری پیش قدمی کی جائے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''جی ہاں۔'' اس نے تصدیق کی۔ ''فوری پیش قدمی۔''

سب سے پہلے میک مین اور کرسٹوفر کو جگایا گیا پھر ہم تحائف والا ہولڈال لے کر دریا کی طرف چل پڑے۔ ہمیں دریا عبور کر کے مونٹی قبیلے کی حدود میں داخل ہونا تھا۔ چلتے چلتے میں نے پوچھا۔ ''کیا کپڑے بھگونا پڑیں گے؟''

''کیا مطلب؟'' طاہر تھوڑا سا حیران ہوا۔

''بھائی دریا کے دوسری طرف جانا ہے۔ کیا سیدھے سبھاؤ کود کر جانا پڑے گا یا کوئی اور راستہ ہے؟''

''راستہ ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اگر آپ غور کریں تو آپ کو بھی نظر آ جائے گا۔''

اس کے کہنے پر میں نے دریا کی طرف دیکھا۔ کچھ نہ پا کر ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ نتیجہ وہی نکلا۔ کم از کم مجھے تو کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ادھر ادھر دیکھنے کے بجائے میری انگلی کی سیدھ میں دیکھئے۔" طاہر نے کہا۔

میں نے اس کی انگلی کی سیدھ میں دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میں اپنے تئیں کوئی پل یا پلی وغیرہ ڈھونڈ رہا تھا اور جس طرف طاہر نے اشارہ کیا تھا، وہاں پانی میں ابھرے ہوئے پتھر نظر آ رہے تھے۔

"بہت پسماندہ معلوم ہوتے ہیں یہ لوگ!" میں نے پتھروں کی طرف بڑھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"وہ کیسے؟"

"ایک پل تک تعمیر نہیں کر پائے دریا پر۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" طاہر نے کہا۔ "دراصل ان کا عقیدہ ہے کہ اگر وہ اپنے قبیلے کی حدود کے علاقے میں دریا پر کوئی پل تعمیر کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ باہر کی دنیا میں جانے اور باہر والوں کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دے رہے ہیں، اور وہ نہ تو کسی کو اپنے یہاں بلانا چاہتے ہیں اور نہ ہی باہر کی دنیا سے کوئی مستقل رابطہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کے مذہبی عقائد کے خلاف ہے۔"

"ان کا کوئی مذہب بھی ہے؟"

"چند بے سروپا رسوم وعقائد کا ایک مجموعہ ہے۔ آپ چاہیں تو اسے ان کا مذہب سمجھ لیں یا پھر ان کا مذہبی رویہ۔"

اس وقت تک ہم پتھروں پر قدم رکھ چکے تھے اور سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ طاہر مجھ سے آگے تھا۔ تحائف والا ہولڈال وہی سنبھالے ہوئے تھا اس لئے کچھ زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

ہولڈال کو دیکھ کر مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس احساس کا تعلق اس ہولڈال میں موجود تحائف سے تھا۔ ایک سوال پہلی دفعہ میرے ذہن میں گونجا اور پھر فوراً ہی ہونٹوں پر آ گیا۔

"طاہر، ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھئے۔"

"کل ٹریلر میں جب ہم آئندہ سفر کا لائحہ عمل طے کر رہے تھے تو فالکن نے بتایا تھا کہ ان لوگوں کے نزدیک سونے چاندی، ہیرے جواہرات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"جی ہاں۔ یہ سچ ہے۔"

"اور اسی لئے انہیں تحفے میں دینے کے لئے ان چیزوں کا انتخاب کیا گیا ہے جنہیں ہمارے نزدیک کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔"

"جی بالکل۔"

"تو پھر اس خزانے سے انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے جس کا آدھا نقشہ وہ اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہیں اور جس کے سلسلے میں بات چیت کرنے ہم ان کے پاس جا رہے ہیں؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم براہ راست نقشے کے سلسلے میں بات چیت کرنے نہیں جا رہے۔ ہماری بات چیت مونٹینا کے حوالے سے ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ خزانے سے قبیلے والوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دلچسپی صرف مونٹینا اور اس کے اتالیق سربیان کو ہے اور وہی لوگ اب تک ہماری راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔"

"مونٹینا نے یہ نقشہ تمہی لوگوں سے حاصل کیا تھا، یہ بات تو میں ڈبل باس کے منہ سے سن چکا ہوں، لیکن کیا تم جانتے ہو کہ ڈبل باس کے پاس یہ نقشہ کہاں سے آیا تھا؟"

"کوئی اور یہ سوال پوچھتا تو میں ہرگز نہ بتاتا لیکن آپ سے کچھ چھپانا ممکن نہیں۔ یہ ایک طویل کہانی ہے بہر حال میں مختصر کر کے آپ کو سنائے دیتا ہوں۔ خزانے کا یہ نقشہ ڈبل باس کو دراصل اپنے والد کی طرف سے ملا تھا۔ یہ نقشہ گذشتہ کئی نسلوں سے ان کے خاندان میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ ڈبل باس سے پہلے کسی نے اس کے مطابق چلتے ہوئے خزانے تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے خاندان کے ایک بزرگ نے پیش گوئی کی تھی کہ اس خزانے کو حاصل کرنے والا فرد چند مخصوص خوبیوں کا مالک ہوگا، اس کے علاوہ کوئی اور اس خزانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ان خوبیوں سے محروم کوئی شخص ایسی کوشش کرے گا تو سخت نقصان اٹھائے گا۔ کئی نسلوں کے بعد ڈبل باس کی صورت میں اس خاندان میں ایسے دو افراد پیدا ہوئے جن میں وہ مخصوص خوبیاں موجود

تھیں۔ اس لئے ان کے والد نے یہ نقشہ ان کے حوالے کر کے معاملہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ ویسے انہیں خزانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ شاہی خاندان کے لوگ ہیں اور ساری عمر بیٹھ کر کھا بھی سکتے ہیں اور کھلا بھی سکتے ہیں لیکن چونکہ ایڈونچر کے دلدادہ ہیں، اس لئے انہوں نے سوچا کہ یہ ایک ایڈونچر ہی سہی۔ اگر خزانہ مل گیا تو پو بارہ ورنہ کوئی بات نہیں۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔ اگر خزانہ مل گیا تو وہ اسے صرف اپنے تصرف کے لئے نہیں رکھیں گے بلکہ پارٹی کے تمام ارکان میں اسے برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہم لوگوں کو کسی طے شدہ معاوضے پر ٹرخا دیتا۔''

''اس خزانے کی نوعیت کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس کا حجم ہماری سوچوں سے کہیں زیادہ ہے، اور کچھ نہیں۔''

''یہ بھی نہیں کہ وہ خزانہ کس شکل میں ہوگا؟''

''نہیں۔''

میں خاموش ہو گیا۔ اب ہم دریا پار کر کے درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد میں نے سوال کیا۔ ''ہم مونٹی قبیلے کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں؟''

''جی ہاں۔''

''اس کے باشندوں تک پہنچنے کے لئے اور کتنا سفر کرنا پڑے گا؟''

''زیادہ نہیں۔ بس ان درختوں کے پار تک جانا ہوگا۔''

''اجنبیوں کے ساتھ یہ لوگ کیسا برتاؤ رکھتے ہیں؟''

''ویسے تو اجنبیوں کو یہاں پہنچنے کا موقع کم ہی نصیب ہوتا ہے۔ بہر حال اگر کوئی بھولا بھٹکا آ بھی نکلے تو وہ اسے خواہ مخواہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ اسے مدد کی ضرورت ہو تو مدد بھی دیتے ہیں لیکن ان کے رویئے میں سرد مہری ہوتی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ باہر سے آنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔''

''ہمارے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہوگا؟''

''اس کا بہت زیادہ انحصار ہمارے اپنے رویئے پر ہے۔ چونکہ ہم خیرسگالی کے اظہار کے لئے تحائف لے کر جا رہے ہیں اور ویسے بھی ہمارا براہ راست ان سے کوئی تصادم نہیں ہے، اس لئے میرا اندازہ ہے کہ ان کا رویہ ٹھیک ہی ہوگا۔''

میں ایک دفعہ پھر خاموش ہو گیا۔ چلتے چلتے ہم درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ اب تک میں اطمینان سے چلتا آیا تھا لیکن یہاں پہنچ کر اچانک میری چھٹی حس نے الارم بجانا شروع کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے، اور یہ احساس بے بنیاد بھی نہ تھا۔ ہم پر پہلے دو وار کئے جا چکے تھے۔ ممکن تھا کہ تیسرا اب ہونے والا ہو۔ میں چوکنا ہو گیا۔ میری چھٹی حس کا اشارہ غلط نہیں نکلا۔

جب ہم جھنڈ کے وسط میں پہنچے تو ایک طرف سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور میرے بالکل نزدیک سے گزرتا ہوا قریبی درخت میں ترازو ہو گیا۔ میں نے تیر کی آمد کی سمت دیکھا۔ کوئی نظر نہ آیا۔ طاہر چونک کر رک گیا تھا۔ ''یہ کیا؟'' اس کے منہ سے نکلا۔

میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہا اور چلتے رہنے کا اشارہ کیا۔ میرا اشارہ سمجھ کر وہ دوبارہ چلنے لگا۔ میں وہیں رک گیا تھا۔

ہوا میں ایک دفعہ پھر سنسناہٹ ابھری۔ لیکن اس مرتبہ میں نے سستی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ تیر میری پشت کی سمت سے چلایا گیا تھا۔ میں بجلی کی تیزی سے گھوما اور تیر میرے بدن تک پہنچنے سے پہلے میرے ہاتھ میں آ گیا۔ تیر چلانے والا کا منہ یقیناً حیرت سے کھل گیا ہوگا۔

میری آنکھیں ایک دفعہ بند ہو کر کھلیں۔ گرد و پیش کا ماحول اس طرح شفاف ہو گیا جیسے میری آنکھوں میں ایکسرے لینز لگ گئے ہوں۔ مجھ پر تیر چلانے والا فوراً ہی میری نگاہوں میں آ گیا۔

اور اسے دیکھ کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ مونٹینا تھی۔ وہی عجوبہ لڑکی جو چند روز پہلے تک میری ہمسفر رہ چکی تھی۔ اس وقت وہ اپنے مخصوص لباس میں ملبوس، ہاتھ میں ایک صلیب نما کمان لئے، درختوں کے درمیان چکرا رہی تھی۔ میں اس کمان سے اچھی طرح واقف تھا۔ ''کراس بو'' کہلائی جانے والی یہ کمان ایک زمانے میں یورپی فوجوں کا

خاص ہتھیار رہی تھی۔اس کی مار عام کمان سے زیادہ تھی، استعمال میں آسان اور عمدہ نشانہ لگانے کی اہلیت سے مالا مال۔اس میں استعمال ہونے والے تیر عام تیروں سے چھوٹے ہوتے ہیں اور عموماً زہر میں بجھے ہوئے۔

کمان میں تازہ تیر لگا ہوا تھا اور مونٹینا ادھر ادھر گھوم کر اگلا تیر چلانے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہی تھی۔ میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ میرا اگلا ردعمل کیا ہونا چاہئے۔یہ تو واضح ہو گیا تھا کہ اس کا ہدف میں ہی ہوں۔طاہر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا لیکن مونٹینا نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ایسا لگتا تھا جیسے وہ مجھے روکنا چاہتی ہو۔ میں اس کے فعل کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔کچھ وقت جو اس کی ہمرکابی میں گزرا تھا، اس میں اس کا رویہ میرے ساتھ بے حد خوشگوار رہا تھا بلکہ اس کی طرف سے مجھے کچھ ایسے اشارے بھی ملے تھے جیسے وہ میری انتہائی قربت کی متمنی ہے، وہ علیحدہ بات ہے کہ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔پھر وہ ہر جگہ مجھے ساتھ لئے لئے پھرتی رہی تھی۔ میرے لئے نئے گھوڑے کا انتظام بھی اسی نے کیا تھا۔اب اس کے رویئے میں یہ تبدیلی میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جو تیر اس نے مجھ پر چلائے تھے، وہ محض خبردار کرنے کے لئے نہیں تھے۔قسمت ساتھ نہ دیتی اور میں بروقت حرکت میں نہ آتا تو اس نے اپنی طرف سے مجھے اڑا ہی دیا تھا۔تیر میرے جسم پر لگ کر کیا اثر دکھاتے، وہ بعد کی بات تھی۔

پھر مجھے مسٹر الکانڈر کی بات یاد آ گئی۔انہوں نے کہا تھا کہ مونٹینا کے گزشتہ رویئے سے بے شک میرے لئے اس کی پسندیدگی ظاہر ہوتی تھی، لیکن پھر بھی مجھے اس کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے۔کوئی پتہ نہیں کس وقت وہ کس روپ میں سامنے آئے۔ان کی بات صحیح ثابت ہوئی تھی اور میں مونٹینا کا یہ نیا روپ دیکھ رہا تھا۔

اس نے ایک دفعہ پھر میرا نشانہ لیا۔اس دفعہ میرا رخ اس کی طرف تھا، وہ اپنے تئیں ابھی تک میری نگاہوں سے پوشیدہ تھی اور اس نے میرے سینے کا نشانہ لیا تھا۔ میں نے کچھ سوچا اور پھر تن کر کھڑا ہو گیا۔

تیر کمان سے نکلا اور اپنی مخصوص سرعت سے میری طرف آیا۔اس مرتبہ میں نے

ہوا میں ہی اسے تھپڑ مارا اور تیر پرے جا گرا۔مونٹینا نے دانت پیس کر سر جھٹکا تھا۔وہ یقیناً سوچ رہی ہو گی کہ نہ جانے میرے اعضاء میں یہ غیر انسانی پھرتی کیسے آ گئی۔اس کمان سے نکلنے والے تیروں سے بچنا کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔

• لیکن وہ بے چاری بے خبر تھی۔ میں عام انسان رہا ہی کب تھا!

مونٹینا پیچھے ہٹنے لگی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔اس وقت اسے چھاپ لینا میرے لئے بہت آسان تھا۔ قبیلے والوں سے بات کرنے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی اور ہماری مطلوبہ چیز ہمارے ہاتھ آ جاتی۔لیکن میں نے اسے جانے دیا۔ میں فی الحال اسے چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس سے میری ملاقات اس کے استاد سربیان کے سامنے ہو۔

اور میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ اس کے رویئے میں اس تبدیلی کا سبب کیا ہے؟ زوالا اور فولاس کی طرف سے اگر کوئی طلسمی حملہ مجھ پر کیا جاتا تو میں قطعی حیران نہ ہوتا۔ لیکن مونٹینا کو میری جان کا دشمن ہونے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟ میرا، اس کا کیا مقابلہ کیا تھا؟ کیا اسے ڈر تھا کہ میں قبیلے والوں سے بات کر کے ان سے نقشے کا وہ ٹکڑا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا؟ شاید یہی بات رہی ہو گی۔اور یہ بھی ممکن تھا کہ سربیان نے ہی اسے مجھ پر حملہ کرنے کا حکم دیا ہو۔خزانے سے اس کی دلچسپی بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

میں پھر آگے بڑھنے لگا اور تھوڑی دیر میں جھنڈ سے باہر نکل آیا۔طاہر یہاں میرا منتظر تھا۔اس کے چہرے پر بے چینی اور اضطراب کے تاثرات تھے۔

”آپ خیریت سے تو ہیں نا؟“ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے پوچھا۔

”ابھی تک تو ہوں۔“ میں مسکراتے ہوئے کہا۔”آگے کا حال خدا جانے۔“

”تیر چلانے والا کون تھا؟ کچھ پتہ چلا؟“

”چل جائے گا۔کیا ضرورت ہے ذہن کھپانے کی۔اہمیت صرف اس بات کی ہے کہ ہم بخیر و عافیت اس کی زد سے باہر نکل آئے ہیں اور اب اطمینان سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔“

طاہر تھوڑی دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''ٹھیک ہے۔ چلئے۔''

بلند و بالا نیلی پہاڑی ہمارے سامنے کھڑی تھی۔ طاہر نے مجھے چلتے چلتے بتایا کہ مونٹی قبیلہ اسی پہاڑی کے دامن میں آباد ہے۔ ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ کچھ ہی دیر بعد قبیلے کے باشندوں کا ایک گروہ ہمارے سامنے آ گیا۔

یہ لوگ ان جنگلیوں سے یکسر مختلف تھے جو اکثر ٹیلی ویژن اور فلموں میں دکھائے جاتے۔ ان کے چہروں الٹے سیدھے نقش و نگار سے پاک تھے اور سروں پر پرندوں کے پروں سے بنے ہوئے تاج بھی نہ تھے۔ کپڑے بھی پہنے ہوئے تھے گو قمیضوں کی آستینیں غائب تھیں اور پتلونیں گھٹنوں سے ذرا نیچے تک ہی پہنچ پائی تھیں۔ نیزوں کے بجائے انہوں نے پرانی وضع کی بندوقیں سنبھال رکھی تھیں۔ ایک دو کے پاس ویسی ہی صلیب نما کمانیں بھی تھیں جیسی کہ میں نے مونٹینا کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔

ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اپنی زبان میں کوئی سوال کیا۔ لہجہ استفہامیہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ہماری آمد کی غرض و غایت کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ طاہر نے جواب دیا۔ سر ہلا کر اس نے ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ان کی رہنمائی میں ہم دونوں پھر چل پڑے۔

''اب ہمیں سیدھا قبیلے کے بڑوں کے پاس لے جایا جائے گا۔'' طاہر نے کہا۔

''بات چیت آپ ہی کیجئے گا۔ میں صرف ترجمانی کے فرائض انجام دوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔''



مونٹی قبیلے کی بستی دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ لوگ اتنے بھی پسماندہ نہیں تھے جتنا ہم تصور کئے بیٹھے تھے۔ عام جنگلی قبائل کے برعکس وہ لوگ جھونپڑیوں کے بجائے کچے مکانوں میں رہائش پذیر تھے اور یہ باقاعدہ ایک ترتیب کے تحت تعمیر کئے گئے تھے، یہ نہیں کہ جس کا جہاں جی چاہا، گھر کھڑا کر لیا۔ ان مکانوں میں کھڑکیاں بھی تھیں اور روشندان بھی۔ بستی کے افراد ہماری آمد کی اطلاع سن کر باہر نکل آئے تھے۔ عورتیں اور بچے چھتوں

پر چڑھے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہوں میں دلچسپی تھی اور تجسس۔ شاید بہت عرصے بعد کوئی اجنبی ان کی بستی میں پہنچا تھا۔ کسی کسی طرف سے کوئی آواز سنائی دیتی اور قہقہے بکھر جاتے۔

طاہر نے بتایا کہ وہ لوگ ہمارے حلیے پر تبصرے کر رہے ہیں۔

مونٹینا کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

بڑوں کو ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی، وہ ہمارے منتظر تھے۔ ان کی تعداد گیارہ تھی۔ زیادہ تر ضعیف العمر تھے، ایک دو ایسے تھے جو ادھیڑ عمری کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ لوگ بستی کے وسط میں ایک میدان میں مسطح پتھروں پر نشستیں لگائے بیٹھے تھے۔ ہمیں ان کے سامنے لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر کھڑا رہنا پڑا۔ پھر دو پتھر لا کر وہاں رکھ دیئے گئے اور ان میں سب سے ضعیف العمر بوڑھے نے کچھ کہا۔

''میرا نام شوارب ہے۔ مہذب دنیا سے آنے والے اجنبیوں کو ہم اپنی بستی میں خوش آمدید کہتے ہیں اور بیٹھنے کے لئے کہتے ہیں۔'' طاہر نے ترجمہ کیا۔

اتنی دیر میں محتاط نگاہوں سے ان کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان میں سے سربراہ کون ہو سکتا ہے۔ مجھے کامیابی نہ ہوئی بہر حال بیٹھنے سے پہلے میں نے طاہر سے تحائف پر مشتمل ہولڈال لیا اور آگے بڑھ کر اسے شوارب کے قدموں میں رکھ دیا۔

''ہم اپنی دنیا سے اپنے معزز میزبانوں کے لئے چند حقیر تحائف لے کر آئے ہیں اور ان کی قبولیت کی درخواست کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ طاہر نے ترجمہ کیا۔

بوڑھے نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور اپنے پیچھے کھڑے ایک معاون کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ہولڈال کھولنے لگا۔ میں اور طاہر بیٹھ گئے تھے۔

ہولڈال سے برآمد ہونے والی اشیاء دیکھ کر ان کے چہروں کے تاثرات بدل گئے تھے۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ ہمارے تحائف نے ان پر مثبت اثرات مرتب کئے ہیں۔

''اجنبیوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ کیا وجہ ہے جو انہوں نے اپنی آسائش بھری اور آرام دہ دنیا چھوڑ کر اتنی دور آنے کی زحمت گوارا کی؟''

''ہم یہاں آپ کا تعاون حاصل کرنے کی امید لے کر آئے ہیں۔''

"تعاون؟ کس سلسلے میں؟"

"ایک ایسی چیز کے حصول کے سلسلے میں جو ہماری ملکیت تھی لیکن آپ کے قبیلے کے ایک فرد نے اسے ہم سے چرالیا۔"

"کیا بات کرتے ہو اجنبی، مونٹی قبیلے کا کوئی فرد کبھی چوری کا مرتکب نہیں ہوا۔"

"لیکن ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی روایات کو دھبہ لگانے والا آپ ہی کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔"

"اس کی نشاندہی کرو۔ ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر تم اپنی بات ثابت کرنے میں کامیاب رہے تو تمہارے نقصان اور زحمت کا ازالہ کیا جائے گا۔"

میں نے اپنے اردگرد پھیلے مجمع پر نظر دوڑائی۔ مونٹینا غائب تھی۔ میں نے کہا۔ "وہ فرد اس وقت یہاں موجود نہیں ہے۔"

"کیا تم اس کے نام سے واقف ہو؟"

"جی ہاں۔"

"بیان کرو۔"

"آپ کے قبیلے کے نام اور ساکھ کو داغدار کرنے والی اس ہستی کا نام مونٹینا ہے۔" میں نے کہا۔

بوڑھا تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے بڑوں کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ میری بات یقیناً انہیں دھچکا پہنچانے کا سبب بنی تھی۔ تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی پھر ایک بوڑھے نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جانتے ہو اجنبی کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" بعد میں مجھے پتہ چلا تھا کہ مونٹینا اس کی بیٹی تھی۔ اس کا نام موران تھا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اچھی طرح سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ آپ لوگوں کے ردعمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ مونٹینا آپ کے لئے اجنبی نہیں۔ ہماری وہ چیز اسی کے قبضے میں ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ ہماری چیز واپس دلوادی جائے۔"

"وہ چیز کیا ہے؟" موران نے پوچھا۔

"ایک نقشے کا آدھا ٹکڑا۔ مونٹینا نے ہمارے کارواں پر حملہ کر کے اسے حاصل کیا

ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر تم اپنی بات ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو جانتے ہو اس کی سزا کیا ہوگی؟" شوارب نے کہا۔

"میں نہیں جانتا اور مجھے اس کی کوئی پروا بھی نہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ تصدیق کرنا چاہیں تو مونٹینا کو یہاں بلوا سکتے ہیں۔"

بوڑھے تھوڑی دیر ہمیں گھورتے رہے پھر چند افراد کو بلا کر ہدایات دی گئیں اور وہ مختلف سمتوں میں نکل گئے۔

"آدمی روانہ کر دیئے گئے ہیں۔" موران نے کہا۔ "کچھ ہی دیر میں مونٹینا یہاں پہنچ جائے گی۔"

"اسے آنے دیجئے۔ سچ اور جھوٹ آپ کے سامنے خود ہی کھل جائے گا۔"

اسی وقت مجمعے میں ہلچل سی ہوئی۔ لوگ دائیں بائیں ہٹ کر کسی کے آنے کا راستہ بنا رہے تھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور میری نگاہ مونٹینا پر پڑی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ کیا اس کی تلاش میں روانہ کئے جانے والے ہرکارے اتنی جلد اسے ڈھونڈ لینے میں کامیاب ہو گئے تھے؟ پھر میری نظر اس کے پیچھے پیچھے آنے والی ہستی پر پڑی۔ میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور میری حیرت دور ہو گئی۔

میں نے اس شخص کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ چہرہ میری نگاہوں کے سامنے پہلی دفعہ آیا تھا لیکن اس کا انداز، اس کے اطوار پکار پکار کر اس کی شخصیت کا اعلان کر رہے تھے۔ بلند و بالا قد، مضبوط توانا جسم، ہاتھ میں اپنے کندھے برابر اونچی لاٹھی جو بالائی کنارے سے سانپ کے پھن کی طرح مڑی اور پھیلی ہوئی تھی۔ وہ چلتے ہوئے اسے زمین پر سہارا لینے کے انداز میں ٹیک رہا تھا لیکن اسے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ محض اس کے "سٹائل" کا ایک حصہ تھا۔ اس کے سیاہ چہرے پر درشتی تھی اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بلا کی چمک۔ اس سے ناواقف ہونے کے باوجود پہلی نظر میں ہی میں اسے پہچان گیا تھا۔

وہ سربیان تھا۔ مونٹی قبیلے کا روحانی پیشوا۔ مونٹینا کا اتالیق۔

مونٹینا کو یہاں لے کر آنے والا یقیناً وہی تھا۔ بستی کے بڑے اسے دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر وہ سیدھا میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ میں پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ مونٹینا اس کے پیچھے ہو گئی تھی۔

کچھ دیر ہمارے درمیان اسی طرح مقابلہ ہوتا رہا۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے مڑا اور شوارب کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے قریب پہنچ کر وہ ہولے ہولے کچھ کہنے لگا۔ بوڑھے کا سر ہل رہا تھا۔ سربیان جو کچھ بھی کہہ رہا تھا، وہ اس سے اتفاق کرتا نظر آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد سربیان ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ مونٹینا اس کے پہلو میں تھی۔ شوارب نے کہا۔ ”ہمارے معزز روحانی پیشوا کا کہنا ہے کہ تم لوگوں کو اپنی بات کی سچائی ثابت کرنے کا ایک منصفانہ موقع دیا جائے گا اور اس کے لئے تمہیں ایک امتحان سے گزرنا ہوگا۔“

”کیسا امتحان؟“

”اگر تم لوگ اپنی ... کی سچائی کے دعوے دار ہو تو تم میں سے ایک کو اپنی چیز حاصل کرنے کے لئے مونٹینا سے دست بدست مقابلہ کرنا ہوگا۔“

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ سربیان نے یہ نیا چکر چلا دیا تھا۔ مونٹینا اس کی تربیت یافتہ تھی اور وہ جانتا تھا کہ دست بدست لڑائی میں اس پر قابو پانا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ ہم دونوں دیکھنے میں عام سے آدمی ہی نظر آتے تھے۔ اسے غالباً توقع تھی کہ ہم میں سے جو کوئی بھی مونٹینا سے مقابلہ کرے گا، مات کھا جائے گا۔ بستی کے بڑوں کے سامنے ہم ناکام ہی نہیں بلکہ جھوٹے بھی ٹھہریں گے، سزا وغیرہ جو ہمیں دی جاتی وہ بعد کی بات تھی لیکن بڑی بات یہ تھی کہ اس کے بعد نقشے کا آدھا ٹکڑا اس کے قبضے میں ہی رہتا۔

میں نے کہا۔ ”میں سمجھ نہیں پایا کہ اپنا جائز حق لینے کے لئے ہمیں کسی طرح کی آزمائش سے گزرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ اتنی دور سے ہم لوگ آپ کو صرف ایک جھوٹ سنانے کے لئے آئے تھے؟“

”اس مسئلے کو ہمارے نکتہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کرو اجنبی۔ تم آج اچانک اس بستی میں داخل ہوئے، اور آتے ہی تم نے ہمارے قبیلے کے ایک اہم فرد پر اتنا بڑا الزام لگا دیا۔ کم از کم ہمیں اتنا موقع تو دو کہ ہم تمہاری بات کو ہضم کر پائیں۔ اگر تم سچے ہو تو تمہیں ایک چھوٹا سا مقابلہ کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔“

”لیکن کسی لڑکی سے مقابلہ کرنا بڑی عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے! میرا دل اس پر آمادہ نہیں ہوتا۔“ میں نے پہلو کترانے کی کوشش کی۔

”ایک بات یاد رکھو کہ مونٹینا کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ الزام چونکہ اس پر لگایا گیا ہے، اس لئے مقابلہ بھی اسے ہی کرنا پڑے گا۔ اگر تم کسی مرد پر الزام لگاتے تو وہ ہی تم سے مقابلہ کرتا۔“

میں جانتا تھا کہ اس مقابلے سے مفر ممکن نہیں اور یہ بھی جانتا تھا کہ مونٹینا کو شکست دینے میرے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل ثابت ہوگا چنانچہ تھوڑی دیر سوچنے کی اداکاری کرنے کے بعد میں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے، ہمیں منظور ہے۔ لیکن اتنا تو بتا دیجئے کہ اگر مقابلے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوتا ہے تو کیا کیا جائے گا؟ کیا اس کے بعد مونٹینا ہماری چیز واپس کرنے پر رضامند ہو جائے گی؟ ابھی تک تو وہ اپنے جرم کو قبول کرنے سے ہی انکاری نظر آتی ہے۔“

”تم ہمارے عقائد سے واقف نہیں ہو اجنبی، اس لئے ایسا کہہ رہے ہو۔ یہ مقابلہ محض رسمی چیز نہیں ہے۔ اس پر دیوتاؤں کی نظر ہوگی۔ وہ انصاف کریں گے۔ فتح اسی کو نصیب ہوگی جو سچا ہوگا۔ تمہاری سچائی ثابت ہونے کے بعد ہمارا یہ فرض ہوگا کہ مونٹینا کے قبضے سے تمہاری چیز لے کر تمہارے حوالے کریں۔“

میں نے کندھے جھٹک دیئے۔ ”جیسے آپ کی مرضی۔ میں مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔“

”نہیں۔“ اس مرتبہ سربیان بولا تھا۔ اس کی آواز میں گھنے بادلوں کی سی گرج تھی۔ ”یہ فیصلہ مونٹینا کرے گی کہ اسے تم میں سے کس کا مقابلہ کرنا ہے۔“

میں چونک گیا۔ سربیان نے عین موقعے پر چال چلی تھی۔ مونٹینا یقیناً اسے میری

پھرتی کے متعلق بتا چکی تھی۔ طاقت کا مظاہرہ تو خیر میں نے اس کے سامنے کوئی نہیں کیا تھا لیکن اس نے اپنے حملے ناکامی سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ مجھ پر قابو پانا اس کے لئے آسان نہ ہوگا۔ اب وہ یقینی طور پر اپنے لئے آسان شکار کا انتخاب کرتی یعنی طاہر کو مقابلے کی دعوت دی جاتی۔

"لیکن ایسا کیوں؟" میں نے اعتراض کیا۔ "کیا ہم میں سے کسی ایک کا مقابلے پر رضامند ہوجانا کافی نہیں؟"

"نہیں۔" سربیان نے کہا۔ "تم اپنا استغاثہ پیش کر چکے ہو۔ یہ تمہارا حق تھا۔ اب مونٹینا کو اس کا حق استعمال کرنے کا موقع دیا جائے گا۔"

صورت حال گھمبیر ہوگئی تھی۔ مونٹینا کی طاقت اور طراری میں دیکھ چکا تھا۔ وہ طاہر کے بس کا روگ نہیں تھی۔ طاہر شکست کھا جاتا تو ہم قبیلے والوں کے سامنے جھوٹے ٹھہرتے اور نہ صرف اپنے مقصد میں ناکام رہتے بلکہ "جھوٹ" بولنے کی سزا بھی بھگتتے۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس مرحلے پر مجھے کیا کرنا چاہیے؟

مونٹینا آگے بڑھی۔ اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ اتنے دنوں میں پہلی دفعہ میں نے اس کی آواز سنی۔ اس نے طاہر سے کہا۔ "میں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتی ہوں۔"

طاہر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ مونٹینا سے وہ بھی اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا لیکن میں بھلا اسے کیا جواب دیتا۔ میری اپنی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ مسٹر الکانڈر کی بتائی ہوئی بات حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی تھی۔ سربیان واقعی بے حد مکار اور خطرناک تھا۔

طاہر کو خاموش کھڑے دیکھ کر سربیان پھر بولا۔ "آگے بڑھو اجنبی۔ تھوڑی دیر پہلے تو تم بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے۔ کیا اب تمہاری ہمت جواب دے گئی ہے؟ آگے بڑھو اور اپنی سچائی ثابت کرو۔"

طاہر نے بے بسی کے عالم میں ایک دفعہ پھر میری طرف دیکھا۔ میرے جسم کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ میرے بدن میں برقی رو کی لہریں دوڑنے لگیں۔ میری خفیہ قوت متحرک ہو

رہی تھی۔ درپیش مسئلے کا حل مل گیا تھا۔

میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے اطمینان دلایا اور آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تھوڑا سا ہچکچایا۔ میں نے کہا۔ "گھبراؤ مت طاہر۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائے گی۔ آگے بڑھو اور مقابلہ کرو۔"

"لیکن ناصر صاحب............"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں رہا؟"

اس مرتبہ اس کے چہرے کی بدلی ہوئی رنگت معمول پر آگئی۔ میری بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے مونٹینا کی طرف دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی تھی اور میدان کے وسط میں تنی کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طاہر حرکت میں آیا اور نپے تلے قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔ میرے بدن میں دوڑتی لہروں کی شدت میں اضافہ ہوگیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اردگرد فضا میں غیر مرئی شعاعیں سی چکرانے لگی ہیں۔ شعاعیں آہستہ آہستہ گہری ہوئیں پھر ان کا رخ طاہر کی جانب ہوگیا۔ تیر کی طرح وہ اس کی سمت بڑھیں اور اس کے جسم میں داخل ہو گئیں۔

طاہر کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کی گردن تن گئی۔ اس کے انداز میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ وہ چند قدم آگے بڑھا اور قدم جما کر کھڑا ہوگیا۔ "آگے بڑھو چور لڑکی۔" اس نے مونٹینا کو بہ آواز بلند للکارا۔ "میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ آئندہ تم ہمارے قریب پھٹکنے کی جرأت نہیں کروگی۔"

مونٹینا چونک گئی لیکن اس کے چونکنے سے پہلے میں سربیان کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ چکا تھا۔ اس تغیر کی وجہ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو اسے شک میں مبتلا کرنے کا باعث بنتی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے میری ذات سے طاہر کو منتقل ہونے والی توانائی کا علم ہوگیا ہو۔

جی ہاں! منتقل ہونے والی توانائی۔ جب میری قوت متحرک ہوئی تھی، تو اس وقت میرے کانوں میں لیشی کی آواز گونجی تھی۔ اسی نے مجھے طاہر کو آگے بڑھانے کا مشورہ دیا

تھا۔ اسی وقت میں سمجھ گیا تھا کہ میدان میں طاہر لڑے گا لیکن اس کے پس پردہ میری قوت کارفرما ہوگی۔ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے میری قوت طاہر کے جسم میں جا داخل ہوئی تھی۔

مونٹینا تیزی سے آگے بڑھی اور طاہر پر جھپٹ پڑی۔ اس کے حملے میں چیتے کی سی پھرتی تھی۔ طاہر قدم جمائے اپنی جگہ کھڑا رہا۔ مونٹینا کے قریب آتے ہی اس کا ہاتھ چلا اور مونٹینا چکرا کر گھوم گئی۔ چٹاخ کی آواز گونج اٹھی۔ طاہر کا تھپڑ پوری قوت سے اس کے چہرے پر پڑا تھا۔

وہ غرا کر پلٹی اور ایک دفعہ پھر گھوم کر رہ گئی۔ دوسرا تھپڑ دوسرے گال پر پڑا تھا۔

مونٹینا اندر ہی اندر بلبلا کر رہ گئی ہوگی۔ دو ہی تھپڑوں میں اس کے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس مرتبہ اس نے فوری حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ طاہر نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ ''عورتوں پر ہاتھ اٹھا کر مجھے کبھی خوشی نہیں ہوتی۔ لیکن جو اپنی اوقات بھول جائیں انہیں سبق سکھانا میرا فرض ہے۔ ایک دفعہ پھر حملہ کرو۔ دل کے سارے ارمان نکال لو، کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ آؤ، آگے بڑھو۔''

مونٹینا ایک قدم پیچھے ہٹی، پھر وہ اچھلی اور ہوا میں اڑتی ہوئی طاہر کی طرف آئی۔ اس نے فلائنگ کک مارنا چاہی تھی لیکن طاہر نے ہوا میں ہی اس کی ضرب لگانے کو تیار ٹانگ قابو میں کر کے جھٹکا مارا۔ مونٹینا کا جسم پوری رفتار سے زمین سے ٹکرایا۔ پختہ فرش ہوتا تو اس کا کچومر نکل گیا ہوتا لیکن ابھی بھی کچھ کم چوٹ نہیں آئی تھی اسے۔ طاہر نے اس کی ٹانگ کو قابو میں رکھے ہوئے گھومنا شروع کر دیا۔ مونٹینا اس کے ساتھ ساتھ گھومنے لگی۔ طاہر اسے یوں گھما رہا تھا جیسے ہیمر تھرو کے مقابلے میں حصہ لینے والے اتھلیٹ ہیمر کو پھینکنے سے پہلے گھماتے ہیں۔ اس کے گھومنے کی رفتار میں تیزی آتی گئی۔ مونٹینا پھرکی کی طرح گھوم رہی تھی۔ کھوپڑی کے اندر اس کا دماغ بھی گھوم رہا ہوگا۔

اگر طاہر چند چکر دے کر اسے چھوڑ دیتا تو وہ اڑتی ہوئی جاتی اور کسی بڑے سے ٹکرا کر اس کا پٹڑا کر دیتی۔ لیکن طاہر اس کھیل کو جلد سے جلد ختم کرنے کے موڈ میں تھا۔ آٹھ دس چکر کھا کر وہ رکا، اس نے مونٹینا کا بالائی دھڑ زمین پر ٹکایا اور اس کی قابو آئی ہوئی

ٹانگ کو لیگ لاک لگا دیا۔ اس کا شکنجہ مضبوط ہوا تو مونٹینا کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ تکلیف کی شدت سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ ساری زندگی دوسروں کو نیچا دکھاتی چلی آنے والی اس لڑکی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ کبھی اس کا واسطہ سوا سیر سے پڑ جائے گا۔

''بول سچ کیا ہے، ورنہ تیری ٹانگ توڑ دوں گا۔'' طاہر دھاڑا۔ یہ بات اس نے سواحلی زبان میں ہی کہی تھی اور میں نے اندازے سے اپنے لئے اس کا ترجمہ کیا تھا۔ مقابلے کے دوران میں کن اکھیوں سے سربیان کو دیکھتا رہا تھا۔ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے اس کے چہرے پر جو تغیر آیا تھا، اب وہ غائب ہو چکا تھا۔ اب شدید جھنجھلاہٹ اور پریشانی کا شکار نظر آ رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے پوری طرح چوکنا تھا۔ اس کی طرف سے کسی طرح کا ''فاؤل پلے'' خارج از امکان نہیں تھا۔

''بول!'' طاہر پھر دھاڑا۔

''ہوشیار، ناصر۔'' لیشی کی آواز میرے کانوں میں گونجی اور اسی وقت نیلے رنگ کا غبار طاہر اور مونٹینا پر چھانے لگا۔ اس مرتبہ یہ غبار پہلے سے کہیں زیادہ گہرا تھا۔ زوالا اور فولاس کی طرف سے ایک دفعہ پھر کارروائی ہوئی تھی۔ حیران ہونے اور یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ اس مقابلے میں ان دونوں کو دخل دینے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ یہ وقت فوری ردعمل کا تھا۔

میں نے دانت پر دانت جما کر اس غبار پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔ میری آنکھوں سے سنہری رنگ کی شعاعیں پھوٹیں اور غبار سے ٹکرائیں۔ غبار پر کوئی اثر نہ ہوا لیکن میں نے کارروائی جاری رکھی۔ میری آنکھوں سے پھوٹنے والی شعاعیں غبار سے یوں ٹکرا رہی تھیں جیسے دیوار پر پانی کی دھار پڑ رہی ہو۔

مونٹینا نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور اٹھنے لگی۔ اس کے حلق سے جنگلی بلی کی سی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ دوسری طرف طاہر کی گرفت میں کمزوری پیدا ہوتی نظر آ رہی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ اس کمزوری کو ابھی تک صرف میں نے ہی محسوس کیا تھا۔ مونٹینا بتدریج اٹھتی چلی آ رہی تھی۔

بازوؤں کے بل سیدھی ہو کر اس نے آزاد ٹانگ چلائی۔ ضرب طاہر کے سینے پر

پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ مونٹینا نے اپنی مقید ٹانگ کو جھٹکا دیا۔ اس کی کوشش تقریباً کامیاب ہوگئی۔ اس کی ٹانگ طاہر کی گرفت سے پھسل ہی چلی تھی۔

اور اسی وقت غبار کا رنگ بدلنے لگا۔ میری کوشش رنگ لا رہی تھی۔ غبار کی رنگت پھیکی پڑ رہی تھی۔ اس کی دبازت میں کمی آ رہی تھی۔

طاہر نے سنبھل کر دوبارہ گرفت قائم کی اور ایک جھٹکا دیا۔ مونٹینا تڑپ کر رہ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ پھر پھسل گئے اور وہ منہ کے بل فرشِ خاک پر اوندھی ہوگئی۔

غبار کی رنگت بالکل موہوم سی ہو چکی تھی۔ ہوتے ہوتے وہ غائب ہو گیا۔

مونٹینا کی ہمت ایک دم جواب دے گئی۔ وہ بری طرح کراہنے لگی۔

"فکر مت کر۔ اس کے بعد دوسری ٹانگ کی باری بھی آئے گی۔" طاہر نے کہا۔ "تب بھی تیری زبان نہ کھلی تو تیرے جسم کی بہت سی ہڈیاں باقی ہیں۔"

غبار کے غائب ہوتے ہی مونٹینا کی ہمت کا یوں جواب دے جانا میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ زوالا اور فولاس نے دخل اندازی کر کے طاہر کو کمزور کرنے اور مونٹینا کو قوت بخشنے کا عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ در پردہ مونٹینا کی امداد کر رہے تھے لیکن طاہر کی مدد کرنے کو میں بھی سر پر کھڑا تھا اور اسی پر بس نہیں، میری پشت پناہی کرنے کو لیشی بھی موجود تھی۔ ان کی کوشش ناکام ہوگئی تھی۔

آخر مونٹینا زور زور سے زمین پر ہاتھ مارنے اور چلانے لگی۔ سربیان نے غصے سے سر جھٹک کر پیر زمین پر مارا اور تیزی سے چلتا ہوا ایک طرف غائب ہو گیا۔ قبیلے کے بڑوں کے سر جھک گئے تھے۔

طاہر نے مونٹینا کی ٹانگ چھوڑ دی۔ اس کا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا، سانس پھولی ہوئی تھی لیکن وہ مسکرا رہا تھا۔ "مبارک ہو ناصر صاحب۔" اس نے کہا۔ "ہم جیت گئے۔ مونٹینا نے ہار بھی مان لی ہے اور چوری کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔"

میں بھی مسکرا دیا۔ کم از کم پہلے مرحلے میں تو ہم کامیاب ہو گئے تھے۔

مونٹینا منہ چھپائے زمین پر پڑی تھی۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، نہ صرف یہ بلکہ پورے قبیلے کے سامنے ایک جرم قبول کرنے کی ذلت

بھی اٹھانا پڑی تھی۔ اسے منہ چھپانا ہی چاہئے تھا۔

شوارب اٹھا اور مرے مرے قدموں سے چلتا ہماری طرف آیا۔ قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ "تم لوگوں نے اپنی سچائی ثابت کر دی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایک کالی بھیڑ کی وجہ سے ہمارے قبیلے کی صدیوں پرانی روایات داغدار ہوئیں، ہم تم سے معذرت خواہ بھی ہیں اور یقین رکھو کہ تمہاری چیز تمہیں واپس مل جائے گی۔"

ایک بوڑھا آگے بڑھا کر اوندھے منہ پڑی مونٹینا کے لباس کی تلاش لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سیدھے ہو کر کہا۔ "وہ ٹکڑا اس کے پاس نہیں ہے۔"

"اس کے لباس میں نہیں تو اس کے گھر پر ہوگا۔" شوارب نے کہا پھر اردگرد کھڑے ہرکاروں سے مخاطب ہوا۔ "جاؤ، وہاں جا کر تلاش کرو۔"

وہ لوگ حکم سن کر تیزی سے روانہ ہو گئے۔ اسی وقت مجھے سربیان کا خیال آیا۔ وہ مقابلہ ختم ہوتے ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔ خزانے کے نقشے میں اس کی دلچسپی کا احوال میں اچھی طرح جانتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ٹکڑا اسی کے پاس ہو۔

"معزز شوارب!" میں نے کہا۔ "اگر آپ برا نہ منائیں تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہم برا منانے کے قابل ہی کہاں رہے ہیں، اجنبی!" اس نے پژمردگی سے کہا۔ "اس لڑکی کی کرتوت نے ہمیں تمہارے سامنے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

"پھر بھی، بات کچھ ایسی ہے۔" میں نے کہا۔ "آپ کو ٹھنڈے دل سے سننا ہوگی۔"

"کہو۔"

"ہماری معلومات کے مطابق مونٹینا نے وہ نقشہ محض اپنی صوابدید پر نہیں چرایا تھا۔ اس میں کسی اور کی شہ بھی شامل تھی۔"

"کسی اور کی شہ؟"

"جی ہاں۔"

"کیا وہ بھی ہمارے قبیلے کا کوئی فرد ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ ایسا ہی ہے۔"

شوارب نے اپنا سر پیٹ لیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "او نیلے آسمان، آج کے دن اور کتنی رسوائیاں ہمارے نصیب میں لکھ رکھی ہیں۔" پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔

"کیا نام ہے اس کا؟"

"آپ کا روحانی پیشوا، سربیان۔"

بوڑھے کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔ اس کا چہرہ ایک پل کو متغیر ہوا پھر معمول پر آ گیا۔ "دیوتاؤں کا شکر ہے۔"

مجھے تعجب ہوا۔ میرا خیال تھا کہ میری بات سن کر وہ میرا گریبان پکڑ لے گا لیکن اس کے بجائے وہ اپنے دیوتاؤں کا شکر ادا کر رہا تھا۔

"اگر دوسرا مرتکب بھی میرے ہی قبیلے کا کوئی آدمی نکلتا تو شاید میں شرم سے مر جاتا۔" شوارب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

"سربیان ہمارے قبیلے کا فرد نہیں ہے۔" شوارب نے کہا۔

"کیا؟" مجھے مزید حیرت ہوئی۔ "لیکن وہ تو آپ کا روحانی پیشوا ہے۔"

"ہاں، لیکن اس کا تعلق ہمارے قبیلے سے نہیں ہے۔ وہ چند سال پہلے ہمارے قبیلے میں آیا تھا۔ اس کے آنے سے ایک روز پہلے ہی ہمارے روحانی پیشوا کی موت ہوئی تھی۔ سربیان نے آ کر کہا کہ دیوتاؤں نے اسے پیشوا کی جانشینی کے لئے بھیجا ہے۔ پہلے ہم نے اس کا دعویٰ ماننے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں اس نے کچھ ایسے عمل کر کے دکھائے کہ ہمیں اس کی بات تسلیم کرتے ہی بنی۔ بہرحال، قبیلے کے لوگ آج بھی اسے خود سے اتنا قریب تصور نہیں کرتے جتنا کہ پرانے پیشوا کو کرتے تھے۔ مونٹینا پر اس کی خصوصی شفقت تھی۔ دیکھو، آج اس کا نتیجہ کیا نکلا؟"

تو سربیان مونٹی قبیلے کا فرد نہیں تھا۔ بہرحال یہ میرا مسئلہ نہ تھا۔ میں نے کہا۔ "خیر جو کچھ بھی ہو۔ میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ چونکہ وہ نقشہ سربیان کے ایماء پر ہی چرایا گیا تھا، اس لئے ممکن ہے کہ وہ مونٹینا کی رہائش گاہ سے نکلنے کے بجائے سربیان کے قبضے سے برآمد

ہو۔"

"اوہ، اچھا۔" شوارب نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ اگر وہ نقشہ مونٹینا کے گھر سے برآمد نہیں ہوتا تو ہم سربیان کے مقام کا لحاظ نہ کرتے ہوئے اس سے بھی جواب طلبی کریں گے۔"

"آپ کو زحمت دے کر مجھے خوشی نہیں ہو رہی لیکن کیا کیا جائے، ہماری بھی مجبوری ہے۔" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"تمہیں ایسا لہجہ اپنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب قصوروار ہمارے قبیلے سے متعلق ہے تو ہم اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ہچکچائیں گے نہیں۔"

اس کے بھیجے ہوئے ہرکارے تھوڑی دیر میں واپس آ گئے تھے۔ میری توقع کے مطابق نقشہ مونٹینا کے گھر سے برآمد نہیں ہوا تھا۔

"اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔" شوارب نے کہا۔ "تمہارا نقشہ سربیان کے قبضے میں ہے۔"

"تو پھر آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"وہی جو تمہیں پہلے بتایا جا چکا ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن سربیان پر اس طرح ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا۔ اس جرم میں اس کی شمولیت ثابت ہونے سے اس کا روحانی پیشوا ہونے کا مرتبہ تو خود بخود ختم ہو گیا لیکن پھر بھی عام ہرکارے اس سے بات نہیں کر سکتے۔ اس سے مجھے خود بات کرنا ہو گی۔" وہ اپنے ہرکاروں سے مخاطب ہوا۔ "سربیان، جہاں کہیں بھی ہو، اسے ڈھونڈ کر لاؤ۔ فوراً۔"

"معزز شوارب!" میں نے کہا۔ "ہرکاروں کو روانہ کرنے سے پہلے میری ایک بات سن لیجئے۔"

"کہو۔"

"سربیان یہاں سے مونٹینا کی شکست اور جرم کے اعتراف کا منظر دیکھ کر گیا ہے۔ اسے معلوم ہو گا کہ مونٹینا سے نقشہ نہ برآمد ہونے کی صورت میں آپ کا رخ اسی کی سمت ہو گا۔ کیا ایسے میں توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی رہائش گاہ میں بیٹھ رہا ہو گا؟"

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ فرار ہو گیا ہو گا؟"

"جی ہاں۔"

"کہنے تو تم ٹھیک ہو لیکن کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟" اس نے ہرکاروں کو جانے کا اشارہ کیا۔

دوپہر ہونے والی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق ڈبل باس اپنے ساتھیوں سمیت دریا کے کنارے پہنچنے والے تھے۔ میں نے طاہر سے کہا۔ "طاہر، ڈبل باس دریا کے دوسرے کنارے پہنچنے والے ہوں گے۔ کرسٹوفر اور میک مین کو ابھی تک ہماری طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ بہتر ہو گا کہ تم وہاں پہنچ جاؤ اور ڈبل باس کے پہنچنے پر انہیں اپنے ساتھ لے کر یہاں آ جاؤ۔ میں تب تک یہیں ٹھہرتا ہوں۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا۔

"جانے سے پہلے سردار شوارب کو بتا دینا کہ تم کہاں اور کس مقصد کے لئے جا رہے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے ساتھ اتنے سارے آدمیوں کو دیکھ کر وہ غیر ضروری طور پر گھبرا جائے۔" میں نے ہدایت کی۔

اس نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور روانہ ہو گیا۔



شوارب کے بھیجے ہوئے آدمی تقریباً ایک گھنٹے کے بعد منہ لٹکائے ہوئے لوٹ آئے تھے۔ ان کا جواب ان کے چہروں سے عیاں تھا۔ ہر جگہ تلاش کرنے کے باوجود سربیان کہیں نہیں ملا تھا۔ ان کی بات سن کر شوارب کے چہرے پر سنگینی ابھر آئی۔ ترجمانی کے فرائض انجام دینے والا طاہر وہاں موجود نہیں تھا، ورنہ وہ اس سلسلے میں ضرور مجھ سے مزید کچھ گفتگو کرتا۔ میرے پاس انتظار کے علاوہ اور کوئی مصروفیت نہ تھی۔ قبیلے والوں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ اچھی خاصی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ لوگ تیزی سے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ میں نے ان کی حرکات و سکنات پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ توجہ دینے کا فائدہ بھی کیا تھا؟ ان کی مصروفیات کا یہ ادھورا سا حصہ کوئی واضح جواب دینے سے قاصر تھا۔ کسی سے کچھ پوچھ کر ہی اصل بات کا پتہ چل سکتا تھا اور طاہر کی عدم موجودگی

میں، میں کچھ پوچھنے سے معذور تھا۔

سہ پہر سے کچھ پہلے طاہر، ڈبل باس اور دیگر ساتھیوں سمیت نمودار ہوا۔ میں بستی کے اسی وسطی میدان میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر ڈبل باس کے چہرے کھل اٹھے۔ وہ تیزی سے میری طرف بڑھے۔

"ہمیں طاہر کی زبانی تمام حالات کا علم ہو گیا ہے۔" انہوں نے کہا۔ "آخر تم نے اس چھلاوے کو قابو کر ہی لیا۔"

"میں نے کہاں قابو کیا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو سب طاہر کا کمال ہے۔"

"پھر وہی کسر نفسی!"

"کسر نفسی کا مظاہرہ میں نے نہیں طاہر نے کیا ہے۔ شاید اس نے آپ کو بتایا نہیں کہ دوبدو مقابلے میں مونٹینا کو شکست اسی نے دی تھی۔"

"کیا واقعی؟" وہ سب حیرت سے طاہر کی طرف دیکھنے لگے۔

طاہر خاموش تھا۔ ظاہر ہے وہ اس بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا اور یہ بھی بتانے سے قاصر تھا کہ مونٹینا کو شکست دینے کی قوت اس میں کہاں سے آئی۔ بس کندھے اچکا کر رہ گیا۔ ہر طرف سے اس پر تعریف و تحسین کی بارش ہو رہی تھی۔

تحسین کا طوفان تھما تو ڈبل باس نے پوچھا۔ "اب کیا صورت حال ہے؟"

"صورت حال یہ ہے کہ نقشہ مونٹینا کے قبضے سے برآمد نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ سربیان کے قبضے میں ہے، اور سربیان غائب ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ابھی ہمارا مقصد پورا نہیں ہوا۔"

"نہیں ہوا تو ہو جائے گا۔ سربیان بھاگ کر جائے گا کہاں۔ کہیں نہ کہیں تو قابو آ ہی جائے گا۔" پھر میں طاہر سے مخاطب ہوا۔ "تم ذرا سردار شوارب سے مل کر تازہ ترین صورت حال تو معلوم کر لو۔"

طاہر سر ہلاتا ہوا سردار شوارب کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ متعلقہ باتیں پوچھ کر واپس آیا اور ہمیں بتانے لگا۔

مونٹینا کو قید کر دیا گیا تھا۔ اس کے باپ نے اس کے ہر قول و فعل سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کی قسمت کا فیصلہ اب بڑوں کی عدالت میں کیا جانا تھا جو دو روز بعد منعقد ہونا تھی۔ سربیان کی تلاش جاری تھی اور امید ظاہر کی جا رہی تھی کہ جلد یا بدیر وہ پکڑا جائے گا۔ ہمارے لئے پیشکش تھی کہ جب تک سربیان پکڑا نہ جائے، قبیلے کے مہمان بن کر یہیں رہیں۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟" میں نے پیشکش سن کر ڈبل باس سے پوچھا۔

"ارادہ کچھ خاص نہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔ "یہاں سے دو آدمیوں کو واپس بھیجا جائے گا تاکہ وہ جا کر بیس کیمپ سے لڑکیوں اور ان کی نگرانی کرنے والے مردوں کو لے آئیں۔ انہیں تین دن بعد واپسی کی ہدایت تھی اور ہمیں یہاں نہ جانے کتنے دن اور لگ جائیں۔ ظاہر ہے سربیان ہاتھ آئے گا، اس سے نقشہ حاصل کیا جائے گا، پھر ہی آگے بڑھنے کی کوئی صورت ہوگی۔"

"لڑکیوں کی نگرانی پر کسے چھوڑا گیا تھا؟"

"مسٹر الکانڈر اور ان کے ساتھ تین آدمی اور تھے۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر کل صبح دو آدمیوں کو روانہ کر دیجئے۔"

"نہیں۔ ان آدمیوں کو ابھی روانہ کیا جائے گا۔ رات ہونے تک وہ وہاں پہنچ جائیں گے اور صبح ان لوگوں کو لے کر دوپہر تک یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن آپ لوگ پہلے ہی سفر کر کے آئے ہیں اور یقیناً تھکے ہوئے ہوں گے۔ پھر اس طرح دوبارہ الٹے قدموں کسی کو واپس بھیج دینا زیادتی ہوگی۔"

"زیادتی نہیں ہوگی۔" میک مین نے کہا۔ "میں اور کرسٹوفر کل سے یہاں موجود ہیں۔ ہم نے مکمل آرام کیا ہے اور تازہ دم ہیں۔ واپس جا کر ان لوگوں کو لانے کا کام ہم کریں گے۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" ڈبل باس نے کہا۔ "تو پھر تم لوگ ابھی روانہ ہو جاؤ تاکہ رات ہونے سے پہلے پہلے وہاں پہنچ سکو۔"

"جو حکم۔" میک مین نے کہا اور کرسٹوفر کی طرف متوجہ ہوا۔ "چلیں دوست؟"

"ہاں چلو۔" کرسٹوفر نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بستی سے باہر نکلنے والے راستے کی جانب جا رہے تھے۔



ہم لوگوں کے لئے ایک بڑا سا مکان خالی کر دیا گیا تھا اور ضرورت کی ہر چیز بستر، اشیائے خورد و نوش وغیرہ فراہم کر دی گئی تھیں۔ شام تک ہم لوگ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ ڈبل باس میری اور طاہر کی کارکردگی سے بہت خوش تھے۔ ہم نے ان کے اندازوں سے بڑھ کر کامیابی حاصل کی تھی۔

"اس وقت ہمارے ساتھیوں کی اکثریت یہاں موجود ہے۔" ڈبل باس نے کہا۔ "ہمارا خیال ہے ووٹ لے لیا جائے۔ ہماری سوچ کے مطابق اپنی کارکردگی کی بناء پر طاہر اور مسٹر گادا خزانے میں دوسرے ساتھیوں سے زیادہ حصے کے حقدار ہیں۔ جو کام انہوں نے کر دکھایا وہ ہم میں سے کوئی نہ کر سکا تھا۔"

سب ساتھیوں نے تالیاں بجا کر اور ہاتھ اٹھا کر ان کی تائید کی۔ ڈبل باس نے کہا۔ "اور آپ لوگوں کا اتفاق رائے دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہمارے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

میں مسکرا کر چپ ہو رہا۔ اب میں انہیں کیا بتاتا کہ جس خزانے کے پیچھے آپ لوگ گھوم رہے ہیں، میری نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میرا مقصد تو کچھ اور ہے اور میں کسی خزانے کے چکر میں اس راہ سے ہٹنے والا نہیں۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ جب تک ان لوگوں کا ساتھ رہے گا، ٹھیک ہے لیکن آگے چل کر اگر زوالا اور فولاس کے تعاقب کے سلسلے میں مجھے ان سے علیحدہ ہونا پڑا تو میں ذرہ برابر توقف نہ کروں گا۔

پھر سربیان کے متعلق قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ وہ اس وقت کہاں ہوگا؟ اسی علاقے میں موجود ہوگا یا اس نے یہاں سے دور نکلنے کی کوشش کی ہوگی؟ ڈبل باس نے مجھ سے پوچھا۔ "مسٹر گادا، آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔ "مجھے سربیان سے اتنی اچھی طرح واقف ہونے کا موقع نہیں ملا کہ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کر

سکوں۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" فالکن نے کہا۔ "معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی خواہ مخواہ کی قیاس آرائیوں سے گریز کریں۔ بہرحال یہ تو طے ہے کہ اس کے ہاتھ آئے بغیر ہمارا آگے بڑھنا ناممکن ہے۔"

"اس کا آگے بڑھنا بھی ناممکن ہے۔" میں نے کہا۔ "خزانے کا آدھا نقشہ لے کر وہ کیا اس کا اچار ڈالے گا؟"

میری بات پر سب مسکرا دیئے۔ طاہر نے کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے زیادہ دور نہیں ہوگا۔"

"بالکل!" میں نے تصدیق کی۔ "پہلے اس نے مونٹینا کو آلہ کار بنا رکھا تھا، اب وہ خود ہمارے مقابلے پر آئے گا۔ اب ہمیں پہلے سے زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ شخص نہ صرف مکار ہے بلکہ مخفی قوتوں کا مالک بھی ہے۔"

"آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں کوئی فکر نہیں۔" فالکن نے کہا۔ "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ہمیں اس مہم میں کامیابی دلانے کے لئے خدا نے خصوصی طور پر آپ کو بھیجا ہو۔ جن مشکلات سے آپ نے ہمیں نکالا ہے، میں سوچتا ہوں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ان سے ہی گھبرا کر واپس پلٹ گئے ہوتے۔"

میں اس کی بات کا کوئی جواب دینے والا تھا کہ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں طاہر کو اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" ڈبل باس نے پوچھا۔

"ایک بالکل سامنے کی بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔" میں نے کہا۔ "میں اسی کو چیک کرنے جا رہا ہوں۔"

"کون سی بات؟"

"مونٹینا سربیان کی دست راست تھی۔ سربیان کہاں جا سکتا ہے، اور کہاں چھپ سکتا ہے، اس کے متعلق اس سے بہتر اور کوئی نہیں جانتا ہوگا۔ میں اس سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ طاہر کے ذریعے اس سے گفتگو کر کے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں

گا۔"

"ویری گڈ!" فالکن نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "دیکھا باس، یہ آئیڈیا بھی مسٹر گادا کے ذہن میں ہی آیا۔"

"آتا کیوں نہیں۔" ڈبل باس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے ایسے آئیڈیاز کے لئے اپنے ذہن میں خاص مقناطیس فٹ کرا رکھا ہے۔"

اس بات پر ایک زبردست قہقہہ پڑا۔ ان لوگوں کو ہنستا چھوڑ کر ہم باہر نکل آئے۔



مونٹی قبیلے کی اس آبادی میں کوئی باقاعدہ قید خانہ نہیں تھا۔ مونٹینا کو اس کے گھر میں ہی قید کیا گیا تھا۔ چونکہ قبیلے والے اس کی حیران کن جسمانی صلاحیتوں کو جانتے تھے، اس لئے انہوں نے بھرپور انتظامات کئے تھے۔ مونٹینا کسی بھی صورت یہاں سے فرار نہیں ہو سکتی تھی۔

اندر داخل ہونے میں ہمیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ ہم مہمان ہی نہیں، مونٹینا کے مقدمے میں فریق استغاثہ بھی تھے۔ پہریداروں نے ہمیں دیکھ کر راستہ چھوڑ دیا تھا۔

مونٹینا مکان کے وسطی کمرے میں اپنے مخصوص انداز میں بیٹھی تھی۔ گھٹنوں میں سر دیئے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹے۔ میں نے اسے آواز دی۔ "مونٹینا!"

اس کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ میں نے پھر آواز دی۔ کوئی جواب نہ ملا۔

"مونٹینا!" اس مرتبہ میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

اس کا جسم دھیرے دھیرے حرکت میں آیا۔ ہاتھ کھلے، سر گھٹنوں سے باہر نکلا اور اس نے میری طرف دیکھا۔

"تم!" اس نے کہا۔ "تم اب کیا لینے آئے ہو؟"

"مجھے اب تم سے کیا غرض ہو سکتی ہے!" میں نے کہا۔ "بس تم سے چند باتیں کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

"اب کون سی بات رہ گئی ہے کرنے کے لئے؟" اس نے کہا۔ "جو تم چاہتے تھے ہو گیا۔ اب دو روز بعد عدالت میں میری قسمت کا فیصلہ بھی سنا دیا جائے گا۔"

اس موقع پر نہایت احتیاط کی ضرورت تھی۔ وہ زخم خوردہ بیٹھی تھی۔ میری ذرا سی ترغیب پر بھڑک اٹھتی۔ پھر اس کے منہ سے کچھ نکلوانا ممکن نہ رہتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں اسے احساس دلاتا کہ میری اس سے کوئی دشمنی نہیں اور میں اس کا بھلا چاہتا ہوں۔

چنانچہ میں نے کہا۔ ''تمہاری قسمت کا فیصلہ تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے، مونٹینا۔ تم چاہو تو سزا چن سکتی ہو اور چاہو تو رہائی بھی پا سکتی ہو۔''

''تمہاری فضول باتوں کے لئے میرے پاس نہ وقت ہے نہ دماغ۔'' اس نے کہا۔ ''مجھے اس حال تک پہنچا کر اب ہمدردی جتانے چلے آئے ہو۔''

''تمہیں اس حال میں دیکھنا میرا مقصد نہیں تھا مونٹینا۔'' میں نے کہا۔ ''اور اگر تم یہاں تک پہنچی بھی ہو تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔''

''تو پھر کس پر ہوتی ہے؟ کیا مجھ پر؟''

''تمہیں بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ تم تو محض کسی کے اشاروں پر چل رہی تھیں۔ اس نے تمہاری ذا سے اپنا مفاد نکالا اور پھر تمہیں پھنسا چھوڑ کر خود غائب ہو گیا۔''

پہلی دفعہ مونٹینا کے چہرے پر کوئی تبدیلی نظر آئی۔

میں نے بولنا جاری رکھا۔ ''ہاں، مونٹینا۔ تم خود ہی سوچو۔ میری تم سے کوئی ذاتی پرخاش تو نہ تھی، اور نہ ہی ان لوگوں نے تمہارا کچھ بگاڑا تھا۔ تم نے انہیں دق کئے رکھا، ان کے پاس سے اس نقشے کا آدھا حصہ چرا کر لے گئیں، اور مونٹی قبیلے کی تاریخ کی پہلی چور بنیں، ان سب کاموں پر تمہیں کس نے اکسایا تھا؟ کس نے تمہیں سبز باغ دکھائے تھے؟ اس نے جسے تم اپنا استاد اپنا گرو سمجھتی رہیں، جس کے نام کی تم مالا جپتی رہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے تمہیں آلہ کار بنا کر استعمال کیا۔ ہر خطرے میں تمہیں آگے کیا اور جب تم اس کے لئے بیکار ہو گئیں تو تمہیں چھوڑ کر خود یوں غائب ہو گیا۔ میری نگاہ میں اصل قصوروار تم نہیں وہ ہے۔ تمہارے بجائے میں اسے اس قید خانے میں دیکھنا پسند کروں گا۔''

مونٹینا کے ہونٹ تھرتھرائے۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے کہا۔ ''لیکن

اب.........اب کیا ہو سکتا ہے؟ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اسے واپس لوٹانا ممکن نہیں۔''

''ممکن ہے مونٹینا، ممکن ہے۔'' میں نے بے چین سے لہجے میں کہا۔ ''تم چاہو تو اب بھی ایسا ہو سکتا ہے۔''

''میں.................میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہو سکتا ہے؟''

''یہی تو تم سمجھتی نہیں۔ دیکھو تم نے اس کے ساتھ ایک عرصہ گزارا ہے۔ تم اس کی ہر عادت، ہر رنگ سے واقف ہو۔ تمہیں اس کی زندگی کے ان گوشوں کا علم ہوگا جن کے متعلق اور کوئی نہیں جانتا۔ صرف تمہی ہمیں بتا سکتی ہو کہ اس وقت وہ پناہ لینے کے لئے کن جگہوں کا انتخاب کر سکتا ہے۔''

مونٹینا کچھ دیر میری شکل دیکھتی رہی پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ ''اوہ......اب سمجھی۔ تم مجھ سے اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتے ہو۔''

''ہاں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

''تاکہ تم اس سے نقشے کا وہ ٹکڑا حاصل کر سکو۔''

''یہ بھی درست ہے۔''

''تم بھی اس کی طرح مجھے اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہو۔''

''تم چاہو تو یہ سوچ سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کرو۔ اس نے تمہیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا، بدلے میں تمہیں کیا ملا؟ یہ قید، یہ رسوائی۔ اگر مجھ پر بھی تم یہی الزام لگانا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے لیکن یہ بھی دیکھو کہ بدلے میں تمہیں کیا مل رہا ہے۔ میں تمہیں اس قید خانے سے رہائی دلاؤں گا۔ تمہارے قبیلے والوں کو بتاؤں گا کہ اصل قصوروار کون ہے۔ تمہارے نام پر لگا بدنامی کا یہ دھبہ دھل جائے گا۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ چاہو تو خاموش رہو اور یہ ذلت سہتی رہو۔ چاہو تو زبان کھول دو اور اپنے ساتھ ساتھ اور بہت سوں کی مشکل آسان کر دو۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے میری شکل دیکھتی رہی۔ میں اس کی باطنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ سربیان کو ایک عرصے تک محترم سمجھتی رہی تھی، اسے اپنا گرو مانتی رہی تھی۔ ایک دم اس کے خلاف جانا اس کے لئے دشوار تھا۔ میں نے لوہے کو دہکتی انگیٹھی

پر رکھ دیا تھا۔ اسے اپنی سہولت کے مطابق نرم کرنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔

"تمہارے پاس کل صبح تک کا وقت ہے۔" میں نے کہا۔ "اچھی طرح سوچ لو۔ میں کل صبح پھر آؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم جو فیصلہ کرو گی، اپنی بہتری اور بہبود کو مدنظر رکھ کر کرو گی۔"

اتنا کہہ کر میں طاہر کو ساتھ لئے باہر نکل آیا۔ میں نے اسے وقت دے دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ صبح تک لوہا اتنا گرم ہو چکا ہوگا کہ میں اس پر ضرب لگا سکوں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ میں نے کانٹا ڈال دیا تھا اور اب مچھلی کے چارے پر منہ مارنے کا انتظار کر رہا تھا۔



اس رات مجھے نیند نہ آئی۔

اور نہ ہی میں نے سونے کی، آرام کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کی۔ وہی موہوم سا احساس، جس نے مونٹی قبیلے کی حدود میں شامل درختوں کے ذخیرے سے گزرتے ہوئے مجھے مونٹینا کے حملے کے بارے میں خبردار کیا تھا، رہ رہ کر چبھ رہا تھا۔ کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا۔

میرے جسم کا ایک ایک عضو ستار کے تاروں کی طرح کسا ہوا تھا لیکن اعصاب بالکل پرسکون تھے۔ اعصابی کشیدگی اس وقت ہوتی ہے جب انسان اپنے دشمن سے ناواقف ہو یا اس کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ میں اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کی اہلیت بھی رکھتا اور ان سے واقف تھا۔ زوالا اور فولاس! یہ نام مجھے بھولے نہیں تھے۔ ابھی تک وہ میرے سامنے نہیں آئے تھے۔ بوڑھے شی وش نے بتایا تھا کہ یہ دونوں ذی آنا کے پراسرار ترین کردار ہیں۔ جن کا نام بچے بچے کی زبان پر ہے، لیکن جنہیں کسی نے آج تک دیکھا نہیں۔

جب سے میں نے مونٹی قبیلے کی طرف پیش قدمی شروع کی تھی، وہ مجھ پر کئی حملے کر چکے تھے۔ کبھی بھینسے، کبھی پانی میں دوڑتے کرنٹ اور کبھی نہ جلنے والی لکڑیوں کی صورت میں ان کے وار مجھ پر ہوئے تھے۔ لیکن ان کا آخری حملہ سب سے زیادہ شدید تھا۔ اس

سے پہلے ان کے کسی حربے کو ناکام بنانے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی تھی لیکن طاہر اور مونٹینا کے مقابلے کے دوران ان پر چھانے والا مٹیالا غبار بہت گہرا تھا اور اسے ختم کرنے میں مجھے کافی دیر لگ گئی تھی۔ کچھ دیر اور لگتی تو شاید مونٹینا طاہر کے شکنجے سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتی۔

اب ان کا اگلا حملہ کیسا ہوگا؟ اس کی نوعیت کیا ہوگی اور اس کی شدت کیا ہوگی؟ میں ان کی طرف سے اگلے حملے کا منتظر تھا۔

اسی وقت بستی کے کسی کونے سے وحشت ناک چیخوں کی صدائیں اچانک بلند ہوئی کہ میں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ساتھی گہری نیند میں کروٹ بدل کر رہ گئے تھے اور میں ایک ہی چھلانگ میں اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا تھا۔

چیخوں کا سلسلہ جاری تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے رک کر ان کی سمت کا اندازہ کیا تو میرے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ چیخیں مونٹینا کے گھر کی سمت سے ابھر رہی تھیں۔ میں پوری جان سے اس سمت بھاگ کھڑا ہوا۔

قریب پہنچا تو ان بے ربط چیخوں اور آوازوں میں کچھ ربط پیدا ہوتا محسوس ہوا۔ ہاں............ یہ مونٹینا ہی کی آواز تھی۔ وہ چیخ چیخ کر مدد کے لئے پکار رہی تھی...... وقفے وقفے سے رحم کی التجائیں کر رہی تھی، گڑگڑا رہی تھی کہ اس کی جان بخش دی جائے۔

صورت حال ایک سیکنڈ میں میری سمجھ میں آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں گھر کے اندر تھا۔ پہریداروں کو مجھے روکنے کا تو کیا میری آمد پر حیران ہونے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔

اور میں نے بھی یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مونٹینا کے کمرے سے ایسی ساعت شکن چیخوں کی آواز سن کر بھی ان کے کانوں میں جوں کیوں نہیں رینگ رہی تھی۔ مونٹینا کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں رکے بغیر اسے ٹکرایا اور اس کے ٹکڑے اڑاتا ہوا اندر گھستا چلا گیا۔

اندر گھستے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں مٹیالے غبار کے سمندر میں کود گیا ہوں۔ پورا کمرہ اس غبار سے بھرا ہوا تھا اور اس کی دبازت اتنی زیادہ تھی کہ لمحے کے ہزار ویں حصے

کے لئے میری آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ پھر میرے ہاتھ پیروں میں وہی سنسناہٹ جاگ اٹھی اور اس مرتبہ اس کی شدت پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔

غبار میرے لئے شفاف ہوگیا اور مجھے مونٹینا نظر آ گئی۔ اس کے حلق سے خرخراہٹیں نکل رہی تھیں۔ اس کا گلا بری طرح بھنچا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی غیبی ہاتھ اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ اور پھر وہ غیبی ہاتھ بھی مجھے نظر آ گیا۔ روشن لکیروں سے بنا ہوا ہاتھ کا ایک خاکہ سا اس کی گردن دبا رہا تھا اور اس کی آنکھیں ابلتی آ رہی تھیں۔

میں نے جھپٹ کر اس خاکے پر ہاتھ ڈال دیا۔ میرا مقصد تھا کہ اسے دبوچ کر ایک جھٹکے سے مونٹینا کی گردن سے علیحدہ کر دوں کیونکہ نظر آ رہا تھا کہ اگر تھوڑی دیر مزید گزری تو وہ دنیا سے گزر جائے گی۔

لیکن اس وقت مجھے شدید حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب میرا ہاتھ خالی ہوا سے گزر کر رہ گیا۔ وہ ہاتھ بدستور اپنی جگہ پر موجود تھا اور میرا ہاتھ اس میں سے یوں گزر گیا تھا جیسے وہ ہوا سے بنا ہوا ہو۔

اتنے میں پہریداروں نے بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ وہ شاید میرے یوں اندر گھسنے ہونے کی وجہ جاننا چاہتے تھے لیکن انہیں دہلیز پار کرنا نصیب نہ ہوئی۔ دروازے میں قدم داخل کرنے سے پہلے وہ اڑ کر ادھر ادھر جا گرے تھے جیسے کسی جناتی ہاتھ نے انہیں کانچ کی گولیوں کی طرح اچھال دیا ہو۔

میرے رگ و پے میں دوڑتی سنسناہٹ مزید شدید ہوگئی۔ مجھے اپنے کانوں میں سیٹیاں سی بجتی محسوس ہونے لگیں۔ اس مرتبہ میرا ہاتھ سیدھا ہوا اور بجلی کا ایک کوندا سا نکل کر اس خاکے سے ٹکرایا۔ خاکہ جھلملایا، مجھے مونٹینا کی گردن پر اس کی گرفت کمزور پڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کوندا ایک بار پھر اس سے ٹکرایا.......ایک بار اور.............. ایک بار اور۔ اب وہ خاکہ مسلسل جھلملا رہا تھا جیسے مواصلاتی رابطے میں خرابی پیدا ہونے سے ٹی وی سکرین پر نظر آنے والی تصویر جھٹکے کھاتی ہے۔

کوندا ایک بار پھر اس سے ٹکرایا اور ایک تڑاکے کے ساتھ وہ خاکہ بکھر کر رہ گیا۔

اس کے ساتھ ہی کمرے میں پھیلا ہوا وہ مٹیالا غبار غائب ہوگیا۔ مونٹینا پہلو کے بل گری۔

اس کی گردن آزاد ہو چکی تھی اور سانس لینے کی کوشش میں وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔

میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ مٹیالے غبار کی کوئی جھلک دکھائی نہ دی۔ پھر میں باہر نکلا۔ پہریدار کراہتے ہوئے اٹھ رہے تھے۔ ان بیچاروں کو خبر بھی نہ ہوئی ہوگی کہ ان پر کیا مصیبت ٹوٹی ہے۔ اب میں یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ مونٹینا کے اس بری طرح چیخنے کے باوجود یہ لوگ بے خبر کیوں رہے تھے۔ اس غبار کی موجودگی میں مونٹینا کی آواز کا اس کمرے سے نکل کر کسی کے کان تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس کی چیخوں کو صرف میں سن سکتا تھا۔

میں دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ مونٹینا اوندھے منہ گری سسکیاں لے رہی تھی۔ میں کھڑا ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس مرتبہ زوالا اور فولاس نے اسے نشانہ بنایا تھا۔ ان کی کارروائیاں ابھی تک میرے سر سے گزرتی جا رہی تھیں۔ پہلے انہوں نے مجھے یہاں تک پہنچنے سے روکنے کی کوشش کی تھی اور اب وہ اس واحد ہستی کو ختم کر دینا چاہتے تھے جو سربیان کا پتہ جانتی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر ان کی دشمنی میرے ساتھ ہے تو وہ سامنے آ کر مجھ سے مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔ یوں غیر متعلق سے حملے کر کے مجھ پر بالواسطہ اثر انداز ہونے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔

مجھے اب واپس جانا چاہئے تھا۔ میں مونٹینا سے کچھ پوچھ نہیں سکتا تھا کیونکہ طاہر میرے ساتھ نہیں تھا۔ لیکن میں ایسے ہی واپس نہیں جا سکتا تھا۔ مونٹینا پر ایک حملہ ہو چکا تھا۔ فی الوقت میرے آنے سے حملہ آور پسپا ہوگیا تھا لیکن میرے جانے کے بعد وہ دوبارہ پلٹ بھی سکتا تھا۔ باہر موجود پہرے دار مونٹینا کی حفاظت کرنے سے قاصر تھے۔ مجھے خود ہی اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست کرنا تھا۔ بہت تیزی سے سوچ کر میں نے ایک فیصلہ کیا۔

میں آگے بڑھا اور اسے اٹھا کر اپنے کندھے پر لاد لیا۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے لئے ہوئے میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ پہریدار حیران نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے لیکن انہوں نے بھی آگے بڑھ کر مجھے روکا نہیں۔ وہ بے چارے ابھی پہلے جھٹکے سے ہی نہیں سنبھلے تھے۔ میں مونٹینا کو اٹھائے ہوئے اپنی

رہائش گاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کی حفاظت صرف اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ میں ہر وقت اس کے پاس موجود رہوں۔ اپنے ساتھیوں کو تنہا چھوڑ کر میرا اس کے گھر میں رہنا ممکن نہ تھا، اس لئے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ لے چلوں تاکہ سب لوگ ایک جگہ اکٹھے رہیں اور میں سب پر نگرانی رکھ سکوں۔

میرے ساتھی جوں کے توں سوئے پڑے تھے۔ میں نے مونٹینا کو آہستہ سے ایک طرف لٹا دیا اور خود اس کے قریب دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اب صبح تک کا وقت مجھے اسی طرح گزارنا تھا۔



صبح بیدار ہونے پر مونٹینا کو وہاں موجود دیکھ کر میرے ساتھیوں کا چونک جانا فطری ردعمل تھا۔ میں نے گول مول الفاظ میں انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مونٹینا کا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا اور چونکہ اس کی زندگی ہمارے لئے ضروری ہے، اس لئے میں رات اسے یہاں لے آیا۔ میری کہانی پر سب نے سر جھکا کر یقین کر لیا سوائے طاہر کے۔ جب دوسرے منہ ہاتھ دھونے اور دیگر ضروریات کے لئے باہر گئے تب اس نے مجھ سے کرید کرید کر ساری باتیں پوچھیں۔ سب کچھ تو میں نے خیر اسے بھی نہیں بتایا تھا لیکن دوسروں سے کچھ زیادہ معلومات ضرور فراہم کر دی تھیں۔ بہر حال، وہ بھی مطمئن ہو گیا۔

مونٹینا اپنے آپ میں آ چکی تھی اور کھوئی کھوئی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر میں مسکرایا تاکہ اس کی ڈھارس بندھے پھر میں نے کہا۔

"اب کیسی ہو مونٹینا؟"

وہ خاموش رہی لیکن اس کے ہاتھ نے لاشعوری طور پر گردن کو مسلنا شروع کر دیا تھا جہاں پچھلی رات کی کشمکش کے آثار ابھی تک لال لکیروں کی صورت نظر آ رہے تھے۔

"اب تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا۔ "یہاں تم بالکل محفوظ ہو۔"

"محفوظ!" بالآخر اس کے لب حرکت میں آئے اور ایک گھٹی گھٹی سی آواز برآمد

ہوئی۔ "کیا میں اب کہیں بھی محفوظ رہ سکوں گی؟"

"کیا تمہیں اس میں کوئی شک ہے؟" میں نے کہا۔

"اس کے ہاتھ.......... اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ مجھے کہیں بھی جا لے گا۔ کہیں بھی۔ میں اب دنیا کے کسی گوشے میں محفوظ نہیں رہی۔"

"کس کی بات کر رہی ہو؟"

"سربیان کی۔" اس نے سسکی بھری۔ "اسی منحوس کی جسے میں نے اپنا بزرگ مانا تھا۔ رات اسی نے میری جان لینے کی کوشش کی۔"

میں بری طرح چونک گیا۔ "تمہیں کیسے علم کہ تم پر حملہ سربیان نے کرایا ہے؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ.......... وہ خود آیا تھا میرے پاس.......... اس نے مجھے دھمکانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے متعلق کسی کو کوئی بات نہ بتائی جائے.......... ورنہ.......... ورنہ.......... اس کے انداز پر مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے کہہ دیا کہ میں صبح تمہیں سب کچھ بتا دوں گی اور اس کے بعد.......... اس کے بعد.........."

میرا سر گھوم کے رہ گیا۔ مونٹینا کیا کہہ رہی تھی؟ کیا اس پر حملہ کروانے والا سربیان تھا؟ لیکن جو علامات میرے سامنے آئی تھیں وہ تو زوالا اور فولاس کے حملے کی تھیں؟ اس سے پہلے جتنی بار انہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا، یہی نیلے رنگ کا غبار سامنے آیا تھا۔ خود لیشی نے مجھے بتایا تھا کہ مجھ پر ہونے والا حملہ انہی دونوں کی کارستانی ہے۔ اس کا کہا غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن مونٹینا اپنے حملے کا تعلق سربیان سے جوڑ رہی تھی۔ زوالا اور فولاس.......... سربیان.......... سربیان کا ان سے کیا تعلق؟

طاہر کے چہرے پر بھی حیرت تھی۔ وہ بڑبڑایا۔ "یہ شخص ہمارے اندازے سے زیادہ خطرناک ہے۔"

میں ابھی تک خیالات کے بھنور میں غوطے کھا رہا تھا۔ اسی وقت باہر سے کچھ شور سنائی دیا۔ میں نے طاہر کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اندر داخل ہوا۔ "بیس کیمپ میں موجود افراد یہاں پہنچ گئے ہیں، ناصر صاحب۔" اس نے مجھے اطلاع

دی۔

میں تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بیس کیمپ میں موجود افراد یہاں پہنچ گئے تھے یعنی لیشی آ گئی تھی۔ میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کے جواب وہی دے سکتی تھی۔ میرا اس سے ملنا بہت ضروری تھا۔ میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا اور اسی وقت لیشی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''پاگل مت بنو ناصر۔ یہیں بیٹھے رہو۔''

اور میں رک گیا۔ میں بھول ہی گیا تھا کہ لیشی سب کے سامنے مجھ سے بات کرنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گی۔ میں نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر مونٹینا کے سامنے جا بیٹھا اور طاہر کے توسط سے ایک مرتبہ پھر اس سے گفتگو شروع کر دی۔

''دیکھو مونٹینا، اب تمہیں اچھی طرح پتہ چل چکا ہے کہ سربیان تمہارے لئے کیسے جذبات رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے اب تمہیں زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ بتا دو کہ وہ کہاں ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت سے فائدہ اٹھا کر وہ دور نکل جائے۔''

''وہ کہیں نہیں جائے گا۔'' مونٹینا بولی۔ اس نے اب خود پر قابو پا لیا۔ ''اسے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہیں ہے اور یہیں رہے گا۔''

''کیا مطلب؟'' میں استفسار کیا۔

''یہاں سے بہتر پناہ گاہ اسے کہیں اور میسر نہیں آ سکتی۔ ویسے بھی تم لوگوں کے قریب رہنا اس کے لئے ضروری ہے۔ جب اس نے پہلی دفعہ مجھ سے اس نقشے کو حاصل کرنے کے لئے کہا تھا تو میں حیران ہوئی تھی کیونکہ میں جانتی تھی کہ وہ کیسی پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ اس نقشے کو حاصل کرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اس نقشے کو کوئی دوسرا ہی حاصل کر کے لا سکتا ہے، یہ کام اس کے بس کا نہیں۔ جانتے ہو کیوں؟ اس لئے کہ وہ اپنی قوتوں سے کوئی ایسا کام نہیں لے سکتا جس کا تعلق مادی دولت کے حصول سے ہو۔ اسے اس نقشے کے حصول کے لئے میری ضرورت تھی۔ میں نے آدھا نقشہ حاصل کر لیا۔ اب وہ آدھا نقشہ کسی اور طریقے سے حاصل کرے گا۔ اسے دولت کی بڑی ہوس ہے چونکہ اس کی پراسرار قوتیں اس سلسلے میں اس کے کسی کام نہیں آ سکتیں، اس لئے وہ یہ خزانہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ وہ ہمارے قریب ہی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں۔''

''کہاں ہے وہ؟''

''یوں سمجھ لو کہ یہاں سے زیادہ دور نہیں لیکن بہت دور بھی ہے۔''

''کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو، مونٹینا؟ سیدھی بات کرو۔''

پہلی دفعہ وہ مسکرائی۔ ''تم نے یہ نیلی پہاڑی دیکھی ہے نا جس کے دامن میں ہماری بستی آباد ہے؟''

''ہاں۔''

''یہ پہاڑی اندر سے کھوکھلی ہے۔ اس کے اندر ایک دوسرے سے منسلک سرنگوں اور غاروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ ناواقف آدمی اس کے اندر گھس جائے تو ساری عمر ان بھول بھلیوں میں سر پٹک پٹک کر مر جائے اور باہر نکلنے کا راستہ نہ ڈھونڈ سکے لیکن واقف آدمی کے لئے یہ بہترین پناہ گاہ ہیں۔ سربیان اسی پہاڑی کے اندر ہے، انہی بھول بھلیوں کے اندر چھپا ہوا ہے۔''

میں تھوڑی دیر اس کی شکل دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔ ''لیکن کیا قبیلے والوں کی موجودگی میں اس کا اس جگہ پناہ حاصل کرنا خطرے کا حامل نہیں؟''

''وہ کیسے؟''

''تمہارا قبیلہ صدیوں سے یہاں آباد ہے۔ تم لوگ تو اس پہاڑی میں بچھی سرنگوں کی بھول بھلیوں سے اچھی طرح واقف ہو گے۔ کیا تم لوگ اندر گھس کر اسے باہر نہیں نکال سکتے؟''

''نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''قبیلے کا کوئی فرد اس پہاڑی کے اندر کبھی نہیں گھستا۔ اسے دیوتاؤں کا مسکن کہا جاتا ہے۔ صرف روحانی پیشوا ہی وہاں جانے کے لئے آزاد ہوتا ہے۔ سربیان اپنا زیادہ وقت وہیں گزارا کرتا تھا۔ وہ ان پیچ در پیچ سرنگوں کے چپے چپے سے واقف ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اس کا مطلب ہے قبیلے والوں کی طرف سے ہمیں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔''

"ہاں۔ جو کچھ بھی کرنا ہے تم لوگوں کو خود ہی کرنا ہوگا۔"

"لیکن وہ اندر کتنی دیر تک چھپا رہ سکتا ہے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے باہر تو نکلنا ہی ہوگا۔ آخر وہ بھی انسان ہے۔"

"یہی تمہاری بھول ہے۔" مونٹینا نے کہا۔ "وہ انسان نہیں، ایک خبیث روح ہے۔ تم لوگ اگلے سو سال تک بھی یہاں ڈیرے ڈالے رہو گے تو وہ باہر نہیں نکلے گا۔ اسے باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی ہر ضرورت وہیں بیٹھے بیٹھے پوری ہو سکتی ہے۔"

"لیکن اس کی مادی ضروریات................"

"اس کی مادی ضروریات پوری کرنے کا وافر سامان وہاں موجود ہے۔" مونٹینا نے میری بات کاٹ دی۔ "اس نے خود مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے۔ ویسے بھی اگر وہ وہاں سے نکلنا چاہے گا تو کسی کی نظروں میں آئے بغیر نکل جائے گا۔ اس پہاڑی میں ایسے بے شمار چور دروازے موجود ہیں جن کے وجود سے صرف وہی واقف ہے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ تم نے مجھ سے سربیان کا پتہ پوچھا تھا سو میں نے بتا دیا۔ اب ہمت ہے تو اسے نکال لو وہاں سے۔"

بے بسی کا احساس مجھے شدت سے ستانے لگا۔ اب میں کیا کروں؟ میں ایک ایسی جنگ کا حصہ بن گیا تھا جو میری تھی ہی نہیں۔ نقشے کے اس ٹکڑے سے میرا کوئی واسطہ نہ تھا لیکن اب میں ان لوگوں کو یہاں چھوڑ کر آگے بڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ آگے بڑھ کر میں جاتا بھی کہاں؟ مجھے خود علم نہ تھا کہ میری منزل کہاں ہے۔ مجھے اس وقت مدد کی ضرورت تھی، رہنمائی کی ضرورت تھی۔

میں اٹھ کر باہر نکل آیا۔ پارٹی کے سارے افراد باہر جمع تھے۔ آپس میں باتیں ہو رہی تھیں، ہنسی مذاق ہو رہے تھے، قہقہے لگائے جا رہے تھے۔ میں ڈبل باس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس وقت مسٹر الکانڈر سے گفتگو کر رہے تھے۔ لیشی بھی وہیں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ لوگ خاموش ہو گئے پھر ڈبل باس نے کہا۔ "آئیے مسٹر گادا! ہم لوگ آپ ہی کے

متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ کہئے اس لڑکی سے کوئی بات چیت ہوئی؟"

"جی ہاں۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہوئی۔"

"تو پھر کیا بتایا اس نے؟" انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

"اس نے سربیان کا پتہ بتا دیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ کہاں ہے وہ خبیث؟"

"وہاں۔" میں نے ان کے عقب میں کھڑی پہاڑی کی طرف اشارہ کیا اور وہ گھوم کر اس کی طرف دیکھنے لگے پھر وہ میری طرف پلٹے۔

"آپ کا مطلب ہے اس پہاڑی پر؟"

"جی نہیں۔ پہاڑی پر نہیں، وہ پہاڑی میں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

اور میں نے ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔ وہ حیرت کے عالم میں میری بات سنتے رہے تھے۔ آخر میں، میں نے کہا۔ "اور اب اسے وہاں سے نکال کر لانا تقریباً ناممکن ہے۔ ہم میں سے کوئی تو اس پہاڑی میں گھسنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور قبیلے والے بھی اس میں داخل ہونے سے قاصر ہیں۔ اس کے راستوں سے واقفیت صرف سربیان ہی رکھتا ہے، اور وہ وہاں چھپا بیٹھا ہے۔ فی الوقت مجھے اس مسئلے کا کوئی حل سمجھ نہیں آ رہا۔ اگر آپ لوگوں کے ذہن میں کوئی تجویز آتی ہو تو ضرور بتائیے۔"

ان سے بات کرتے ہوئے میں ایک معمولی سی غلط بیانی کر گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس مسئلے کا ایک حل میرے ذہن میں موجود تھا۔ میں اس پہاڑی میں داخل ہو کر کوشش کر سکتا تھا کہ اپنی قوت کی مدد سے سربیان کو ڈھونڈ نکالوں لیکن نہ جانے کیوں اس کام کے لئے اپنی قوت استعمال کرنا مجھے کوئی مناسب معلوم نہ ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی میں نے ڈبل باس کے کاموں کے سلسلے میں اپنی قوت استعمال کی تھی لیکن ان کاموں میں کسی نہ کسی حوالے سے کوئی انسانی پہلو بھی پوشیدہ تھا۔ زیادہ تر میں نے وہ قوتیں کسی انسان کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے استعمال کی تھیں.............. لیکن اس کام کی نوعیت خالصتاً مادی تھی یہی وجہ تھی کہ میں اپنی قوت کا استعمال کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔

وہ لوگ بھی سوچ میں پڑے ہوئے تھے۔ میری نگاہیں اس نیلی پہاڑی پر جمی ہوئی تھیں جس کے سینے میں سربیان پوشیدہ تھا۔ پھر نہ جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں اس پہاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے لوگ مجھے دیکھتے رہ گئے تھے۔ میں آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ سب سے دور نکل آیا۔ اب پہاڑی میرے عین سامنے کھڑی تھی۔ ہمارے درمیان بمشکل تمام سو گز کا فاصلہ باقی ہوگا۔ یہاں سے مجھے پہاڑی کے اندر جانے والے غاروں کے سوراخ نظر آ رہے تھے۔ میں نے سوچا، اندر جانے کے راستے سامنے ہیں، لیکن یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ کون تلاش کرے گا؟

"تمہارے لئے یہ کام کچھ زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔" میرے عقب میں لیشی کی آواز گونجی۔

اس کی اچانک آمد پر حیران ہونا میں نے کب سے ترک کر دیا تھا۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ وہ میرے سامنے کھڑی تھی۔

"تو گویا تم چاہتی ہو کہ میں اس پہاڑی کے اندر داخل ہوں؟" میں نے استفسار کیا۔

"ہاں۔"

"کیا تم نہیں جانتیں کہ میں ایسا کرنے سے احتراز کیوں برت رہا ہوں؟"

"جانتی ہوں لیکن تم بھی یہ جان لو کہ تمہاری یہ ہچکچاہٹ بے بنیاد ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"یہ مت سوچو کہ اس نقشے اور اس کے ذریعے ہاتھ آنے والے خزانے سے صرف مادی مفادات ہی حاصل کئے جائیں گے۔ ان میں سے بہت سے لوگ اس دولت کو اچھے کاموں کے لئے بھی استعمال کریں گے۔ اس نقشے کو حاصل کر کے تم بالواسطہ طور پر ان کاموں میں حصہ دار بنو گے۔"

میں صرف ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"ایک اور بات بھی ذہن میں رکھنا۔"

"وہ کیا؟"

"تمہاری منزل تمہارے بہت قریب ہے۔ اس کی سمت کا اندازہ کرنا چاہتے ہو تو میری بات مان لو۔"

"میں ابھی تک کچھ سمجھ نہیں سکا۔"

"کیا تم نہیں چاہتے کہ زوالا اور فولاس کو شکست دے کر ذی آنا پر منڈلانے والے نحوست کے سائے دور کر دو۔"

"چاہتا ہوں۔"

"تو پھر آگے بڑھو۔"

"بڑھ تو جاؤں لیکن کوئی راستہ بھی تو دکھائی دے۔"

"ہوسکتا ہے کہ تمہیں راستے کی ضرورت ہی نہیں پڑے۔"

"وہ کیسے؟"

"اس کا جواب تو تمہیں پہاڑی میں داخل ہونے کے بعد ہی مل سکے گا۔"

"لیکن مجھے یہ بھی تو پتہ ہو کہ پہاڑی میں داخل ہونے کے بعد مجھے جانا کہاں ہے۔"

"دل میں آنے والا پہلا خیال خدا کی جانب سے ہوتا ہے، اس کے بعد شیطان وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ تم جانتے ہو یہ فرمان کس کا ہے؟"

"کس کا ہے؟"

"تمہارے دین کے ایک بزرگ کا۔ ان کا نام علی ہجویری تھا، دنیا انہیں داتا گنج بخش کے نام سے جانتی ہے۔" اس نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئی۔ کوئی وضاحت، کوئی تشریح نہیں۔ بس اتنی سی بات کہی اور یہ گئی وہ گئی۔ میری الجھن اور بڑھ گئی تھی۔

لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ میں اپنی الٹی سوچوں کی وجہ سے اپنی الجھنوں میں خود ہی اضافے کرتا چلا جا رہا ہوں۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ میری رہنمائی کر کے ہی گئی ہو اور میری کوتاہ نظر مجھے وہ راستہ دیکھنے سے محروم رکھے ہوئے ہو۔ آخر اس کی بات پر عمل کر لینے میں حرج کیا ہے؟ سربیان سے دو دو ہاتھ کرنا تو ویسے بھی ضروری تھا۔

میں پہاڑی کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر میں، میں اس کی بلندی طے کر رہا تھا۔ پھر

ایک غار کے ذریعے میں اندر داخل ہو گیا۔

ان بھول بھلیوں میں روشنی کے کسی انتظام کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ جہاں تک سورج کی روشنی نے میرا ساتھ دیا، میں آگے بڑھتا رہا۔ اندھیرے آہستہ آہستہ گہرے ہوتے چلے گئے۔ میرے لئے آگے بڑھنا دشوار ہونے لگا۔ اس سوچ کے سہارے آگے بڑھتا رہا کہ جہاں کوئی راستہ سمجھ میں نہ آئے وہاں راست اقدام سب سے بہتر ہوتا ہے۔ راست اقدام! ڈائریکٹ ایکشن۔ ایک بار جی میں آئی کہ واپس پلٹ چلوں لیکن جب پلٹ کر دیکھا تو واپسی کا راستہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

عین اسی وقت مجھے ایک چیخ سی سنائی دی۔ میں چونک کر مڑا۔ چیخ نما آواز کی بازگشت بھول بھلیوں کی دیواروں سے ٹکراتی ہوئی گونج رہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کئی افراد مل کر چیخ رہے ہوں۔ نہ جانے یہ چیخ کہاں سے اٹھی تھی، اس کا مخرج کہاں تھا؟ کسی انسان کے حلق سے نکلی تھی یا ان سرنگوں میں چکراتی پھرنے والی ہوا کی کارستانی تھی؟

میں اپنی جگہ رکا کھڑا تھا۔ آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس اندھیرے میں راستہ تلاش کرنا ممکن نہ تھا، بھٹک جانا البتہ بہت آسان تھا۔ لیشی نے مجھے آگے بڑھنے کو کہہ تو دیا تھا لیکن کوئی سراغ، کوئی پتہ نشانی نہیں دی تھی۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ مجھے کس سمت جانا چاہئے۔

پھر مجھے اس کی کہی ہوئی بات یاد آئی۔ دل میں آنے والا پہلا خیال خدا کی جانب سے ہوتا ہے، اس کے بعد شیطان وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ وسوسے ہی شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہیں۔ انہی کے زور پر وہ راہ راست پر چلنے والوں کو شکوک میں مبتلا کرتا ہے اور پھر بھٹکا دیتا ہے۔

لیکن اس پہاڑی میں قدم رکھتے ہوئے، میرے دل میں آنے والا پہلا خیال کون سا تھا؟

میں ذہن پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں پہاڑی میں داخل ہوا، کچھ آگے بڑھا۔ اس کے بعد روشنی غائب ہو گئی اور اندھیرے شروع ہو گئے۔ ان

اندھیروں پر قابو پانا تو کچھ دشوار نہ تھا۔ بس ارادہ کرنے کی دیر تھی، میری مخفی قوت حرکت میں آتی تو راستے خود بخود روشن ہو جاتے لیکن مجھے جانا کس طرف تھا۔ میرے دل میں آنے والا پہلا خیال کون سا تھا۔

ہوا کا ایک جھونکا سرسراتا ہوا میرے دائیں رخسار سے ٹکرایا اور ایک جھماکے سے میرا ذہن روشن ہو گیا۔ راست اقدام! ڈائریکٹ ایکشن۔ ہاں میں نے یہی سوچا تھا۔ جہاں کوئی راستہ سمجھ میں نہ آئے وہاں راست اقدام سب سے بہتر ہوتا ہے۔ راست کا ایک معنی سیدھا ہے لیکن راست کا ایک معنی دایاں بھی تو ہے۔ دست راست یعنی دایاں ہاتھ۔

تو کیا مجھے دائیں ہاتھ پر بڑھنا چاہئے؟

اسی وقت میرے بدن میں سنسناہٹ شروع ہو گئی۔ میری آنکھوں میں ہلکی سی جلن ہوئی اور پانی بہنے لگا۔ میں نے آنکھیں مل کر صاف کیں..................اور راستے روشن ہو گئے۔ میری مخفی قوت حرکت میں آ گئی تھی۔ اب میں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔

میرے سامنے ایک تراہا تھا۔ سامنے بھی سرنگ تھی، بائیں بھی اور دائیں بھی۔ میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر آگے بڑھا اور دائیں طرف کی سرنگ میں داخل ہو گیا۔ راست اقدام کے دوسرے معانی پر جاتا تو سامنے کی سرنگ میں بھی داخل ہو سکتا تھا لیکن میرے ذہن میں آنے والا پہلا لفظ دایاں تھا............اس لئے میں نے دائیں سرنگ کا انتخاب کیا تھا۔

تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے سمجھ آنا شروع ہو گئی کہ قبیلے کے لوگ اس پہاڑی میں داخل ہونے سے گھبراتے کیوں تھے۔ اندھیرے کا مسئلہ میرے لئے تو حل ہو گیا تھا لیکن ان کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا، اور روشنی کے بغیر ان بھول بھلیوں میں دو قدم چلنا بھی خود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ یہ راستے بار بار رنگ بدلتے تھے۔ کہیں گہرائیوں میں اترتی گھاٹیاں سامنے آ جاتیں اور کبھی بلندی کو چڑھتی ڈھلوانیں۔ اکثر جگہوں پر راستے ایک بلند پل کی شکل میں چلتے ہوئے نظر آتے۔ دائیں بھی گہرائی اور بائیں بھی۔ ذرا سا پاؤں رپٹے تو چلنے والا نہ جانے کہاں جا کر گرے۔

باہر سے اس پہاڑی کا رقبہ اور احاطہ عام سا محسوس ہوتا تھا لیکن اندر گھسنے پر اس کی وسعت حقیقی معنوں میں کھل کر سامنے آئی تھی۔ ایک اور بات جو میں نے نوٹ کی تھی وہ یہ تھی کہ یہ راستے بالکل صاف تھے۔ کہیں کوئی گرا پڑا پتھر یا کنکر روڑا نظر نہ آتا تھا۔ اور نہ ہی کسی قسم کی حیوانی حیات سے میرا ٹکراؤ ہوا تھا۔ حالانکہ اندھیری جگہیں چمگادڑوں، بچھوؤں اور سانپوں کی مرغوب جائے پناہ ہوتی ہیں لیکن یہاں اس قبیل کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔

جس انداز میں، میں آپ کو یہ بات سنا رہا ہوں، آپ کو یہ سب کچھ بہت آسان معلوم ہو رہا ہوگا، اور آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ایسے کسی کام کو انجام دینا تو کوئی مشکل بات نہیں۔ لیکن میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حقیقت کہانیوں سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ ان بھول بھلیوں کا پرسکوت ماحول جسے کبھی کبھی ہوا کی چیخیں منتشر کر کے کچھ اور بھی پراسرار بنا دیتی تھیں، اپنے اندر ایسی ہیبت سموئے ہوئے تھا کہ میری جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو اس کا پتہ پانی ہو جاتا۔ صدیوں سے موٹی قبیلہ اس پہاڑی کے دامن میں آباد تھا اور آج تک اس کے کسی عام فرد نے اس پہاڑی میں داخل ہونے، اس کے بطون کو کھنگالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وجہ یہی تھی۔ اس پراسرار ماحول میں چلنا پھرنا اور سانس لینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔

میں نے آغاز میں آگے بڑھنے کا جو انداز اپنایا تھا، اس پر قائم رہا۔ جہاں کہیں انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوتا، ایک کے بجائے زیادہ راستے سامنے آ جاتے تو میں دائیں ہاتھ کا ہی انتخاب کرتا۔ ایک جگہ ایسا ہوا کہ دائیں ہاتھ پر، ایک دوسری سے ذرا ذرا فاصلے پر دو سرنگیں سامنے آ گئیں۔ میں بلا تامل اس سرنگ میں گھس گیا جو انتہائی دائیں ہاتھ پر تھی۔

مجھے کچھ یاد نہیں کہ میرے قدم اس طرح کتنی دیر چلتے رہے۔ گردش زمان و مکان میرے لئے گویا تھم گئی تھی۔ کوئی ایسی نشانی نظر نہ آتی تھی جس سے ماحول میں کسی تبدیلی کا احساس ہوتا۔ ہاں، یہ درست ہے کہ راستوں کی نوعیت بار بار تبدیل ہوئی تھی لیکن ماحول سب جگہ ایک سا ہی تھا۔ خاموش، تاریک، پراسرار۔

میری آنکھوں کی قوت مجھے آگے بڑھنے کا راستہ دکھا رہی تھی۔ اندھیرا میرے لئے روشن ہو گیا تھا۔ پھر اس روشنی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہونے لگا۔ میں سمجھا کہ میری قوت زور مار رہی ہے لیکن اگر ایسا ہوا ہوتا تو میرے جسم میں سنسناہٹ کا احساس شدید ہو جاتا۔ ابھی تک ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میری آنکھوں کی روشنی اپنی جگہ برقرار ہے لیکن اندھیرے میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

میں جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا، اندھیرا جس طرح بتدریج گہرا ہوا تھا، اسی طرح ہلکا ہوتا جا رہا تھا۔ میرے لئے یہ بات کسی قدر حیرت کا باعث تھی کیونکہ اس وقت میں گہرائی میں اتر رہا تھا۔ میرے حساب سے اس وقت اندھیرے کو بڑھ جانا چاہئے تھا لیکن ہوا اس کے الٹ رہا تھا۔

سرنگ اب کشادہ ہونے لگی تھی۔ اس سے پہلے کسی کسی جگہ سے اس کی چھت اتنی نیچی تھی کہ مجھے سر جھکا کر گزرنا پڑتا تھا لیکن اب چھت سر سے غائب ہو گئی تھی۔ میں نگاہ اٹھا کر دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے میرے سر پر رات کا تاریک آسمان پھیلا ہوا ہے۔ میں نیلی پہاڑی کے اندر آباد اس پراسرار دنیا کے قلب تک پہنچ رہا تھا۔

سرنگ کشادہ ہوتی چلی گئی اور ہوتے ہوتے ایک وسیع ہال میں تبدیل ہو گئی۔ میرے جسم میں دوڑتی سنسناہٹ مدھم پڑ گئی تھی۔

اور پھر ایک بلند آواز گونجی۔ ”خوش آمدید...... خوش آمدید۔ اس دنیا کے پہلے مہمان کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔“

میں ٹھٹک کے رک گیا۔ یہ کون بول رہا تھا؟

”رک کیوں گئے؟“ آواز پھر گونجی۔ ”آگے بڑھو۔ ہم کتنی دیر سے تمہارے منتظر ہیں۔ کیا تم ہمیں مزید انتظار کی زحمت میں مبتلا کئے رکھو گے؟“

میرے جسم کی سنسناہٹ مزید ہلکی ہوئی پھر ایک دم تیز ہو گئی۔ ماحول روشن ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے تین وسیع، گول، چبوترہ ایستادہ ہیں اور اس چبوترے پر میری جانب پشت کئے کوئی یوں بیٹھا تھا جیسے بادشاہ تخت شاہی پر براجمان ہو۔

”سربیان!“ میں نے کہا۔

"تمہارا یہاں تک پہنچ جانا میرے لئے کسی حیرت کا باعث نہیں۔" آواز پھر گونجی اور اس مرتبہ میں نے اندازہ لگالیا کہ بولنے والا کون ہے۔ وہ سربیان ہی تھا۔

"میں بہت پہلے سے جانتا تھا کہ کسی نہ کسی موڑ پر تمہارا اور میرا ٹکراؤ ضرور ہوگا۔ بس مجھے یہ توقع نہ تھی کہ یہ گھڑی اتنی جلد آجائے گی۔"

"جب یہ گھڑی آ ہی گئی ہے تو میری طرف سے منہ موڑے کیوں بیٹھے ہو؟" میں نے کہا۔ "کیا مجھ سے نگاہیں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہے؟"

ایک قہقہہ گونجا۔ "ہمت! میری ہمت ابھی تم نے دیکھی ہی کہاں ہے۔"

چبوترہ آہستہ آہستہ گھومنے لگا۔ تھوڑی دیر میں سربیان کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔

"تم یہاں کس سے ملنے آئے تھے؟" اس نے کہا۔

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے میرے ہونٹ کسی نے سی دیئے ہیں۔ سربیان کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی سامنے نہیں تھا۔ روشنی کے باوجود اس کے خدوخال واضح نہیں تھے۔

"کس کی تلاش ہے تمہیں؟" اس نے کہا۔ "میری؟"

اس کا چہرہ جھلملایا۔ خدوخال واضح ہونے لگے۔

"یا زوالا کی؟"

اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے چہرے پر تھپڑ رسید کردیا ہے۔ دائیں طرف والا چبوترہ کسی کے وجود سے بھر گیا تھا۔

"یا فولاس کی؟"

بائیں طرف کا چبوترہ بھی اب خالی نہیں رہا تھا۔

"بولو!" اس کی مضحکہ اڑاتی آواز سنائی دی۔ "کس سے ٹکر لینے آئے تھے تم یہاں؟"

میری نگاہیں گویا پتھرا گئی تھیں۔ میری نگاہوں کے سامنے تین سربیان تھے۔ ہر چبوترے پر وہی نظر آرہا تھا۔ وہی چہرہ، وہی نقوش، اور ہونٹوں پر وہی شیطانی مسکراہٹ۔

"کیسا لگ رہا ہے اب؟ تم اتنی دیر اس پہاڑی میں داخل ہونے سے ہچکچاتے رہے، صرف اس لئے کہ تم اس جنگ کو اپنی جنگ نہ سمجھتے تھے۔ تم اپنی دانست میں کسی اور کی تلاش میں تھے۔ ذی آنا کے شی وش نے تمہیں دو نام بتائے تھے۔ اس وقت سے لے کر اب تک تم انہی دونوں کو ڈھونڈتے رہے ہو۔ ہے نا!"

"کون ہو تم؟" میں نے ہونٹ کاٹ کر پوچھا۔

"میں سربیان ہوں۔" اس نے کہا۔

"میں زوالا ہوں۔" دائیں طرف سے آواز آئی۔

"میں فولاس ہوں۔" بایاں وجود بولا۔

"لیکن................"

"ہاں میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔ یہی نا کہ ہم میں سے کون، کیا ہے؟ میں تمہاری مشکل آسان کئے دیتا ہوں۔ میرے کئی روپ ہیں۔ ہر جگہ، میں ضرورت کے مطابق روپ بدل کر سامنے آتا ہوں۔ ذی آنا والوں نے کبھی مجھے دیکھا نہیں۔ وہ مجھے زوالا اور فولاس کے نام سے جانتے ہیں۔ میں ان کی سرزمین کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ میرے ساتھ تعاون کریں اور یہ تعاون دہشت اور خوف کے بل پر ہی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ ان کے ذہنوں پر اپنا خوف بٹھانے کے لئے میں نے زوالا اور فولاس کا روپ استعمال کیا۔ ابتدائی مرحلے پر مجھے مونٹی قبیلے والوں کی ضرورت تھی۔ انہیں اپنا تابع بنانے کے لئے میں نے سربیان کا روپ استعمال کیا۔ ان کی روحوں کو مسخر کرنے کے لئے میں ان کا روحانی پیشوا بن گیا۔"

"روحیں!"

"ہاں، میں روحوں کا شکاری ہوں۔ آج تک ذی آنا اور مونٹی میں جتنی غیر طبعی اموات ہوئیں، ان کے پیچھے میرا ہی ہاتھ تھا اور ان سب مرنے والوں کی روحیں میرے قبضے میں ہیں۔ اب میں ذی آنا کی سرزمین پر روحوں کی چھاؤنی آباد کروں گا۔ میرے دشمن اسے قید خانے کا نام دیتے ہیں لیکن میں انہیں وہاں سپاہیوں کی طرح بساؤں گا۔ وہاں انہیں تربیت دی جائے گی۔ پھر آنے والے کل کو وہ ہماری فوج کے سپاہیوں کے

روپ میں ہمارے دشمنوں کا قلع قمع کر دیں گی۔"

"وہ کل کبھی نہیں آئے گا۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"اتنے یقین سے مت کہو۔" اس نے کہا۔ "ابھی ہماری ہار جیت کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔"

"فیصلہ ہو چکا ہے۔" میں نے کہا۔ "بس اس پر عملدر آمد ہونا باقی ہے۔"

"اوہ ہو ہو..............تو تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اکیلے اس بربادی کو روک لو گے جو تمہارے خدا کے نام لیواؤں پر ٹوٹنے والی ہے؟ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ تمہاری راہ روکنے کو ہم یہاں موجود ہیں۔ تم اکیلے ہو اور ہم تین۔"

"جب خیر اور شر کے نمائندوں کی پہلی جنگ ہوئی تھی تو تب بھی تناسب ایک اور تین کا ہی تھا۔" میں نے کہا۔ "اس کا نتیجہ کیا نکلا، ساری دنیا جانتی ہے۔"

"لیکن آج کی جنگ کا نتیجہ مختلف ہوگا۔" اس نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

میں نے بھی قدم جما لئے۔ میرے رگ و پے میں دوڑتی سنسناہٹ میں شدت پیدا ہونے لگی تھی۔

"میرے کس روپ سے ٹکرانا پسند کرو گے؟" اس نے کہا۔ "سربیان سے، زوالا سے یا فولاس سے!"

"اس فیصلے کا اختیار میں تمہیں دیتا ہوں۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ "میرے لئے تم سب ایک ہی ہو۔"

"ٹھیک کہا تم نے۔ ہم سب ایک ہی ہیں۔ اب آغاز ہوتا ہے۔"

وہ ایک دفعہ پھر مسکرایا اور اس کے قدموں سے وہی مٹیالا غبار اٹھنے لگا۔ "اس سے تمہیں خوب واقفیت حاصل ہو گئی ہوگی۔ پہلے بھی تم چند بار اسے شکست دے چکے ہو اور اب اپنے تئیں یہ سمجھنے لگے ہو کہ تم مجھے بھی شکست دے سکتے ہو۔ لیکن تمہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس وقت تم نے جو کچھ دیکھا تھا اور جو کچھ ختم کیا تھا، وہ میری قوت کے ادنیٰ سے کرشمے تھے۔ اب تمہیں علم ہو جائے گا کہ میری راہ میں آ کر تم نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔"

غبار بلند اور گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سربیان کا وجود اس میں چھپنے لگا۔

"منہ کیوں چھپا رہے ہو، روحوں کے شکاری؟" میں نے کہا۔

"اپنے اپنے زاویئے کی بات ہے۔" اس نے کہا۔ "تمہارے لئے میرا منہ چھپ رہا ہے اور میرے لئے تمہارا۔"

اور اسی وقت مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے چہرے کو جیسے کسی شکنجے میں پکڑ کر کس دیا گیا ہے۔ میں چکرا کر گھوما، میرے دونوں ہاتھ میرے چہرے پر پڑے۔ میں اس شکنجے کو گرفت میں لینا چاہتا تھا جو میرے چہرے کی ہڈیوں کو پیس رہا تھا۔ لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔ میرے ہاتھ میرے چہرے کو نوچ کر رہ گئے۔

سربیان کا قہقہہ سنائی دیا۔ "اب رخ کیوں بدل لیا؟"

شکنجے کی گرفت اور سخت ہو گئی۔ میں بری طرح سر ادھر ادھر جھٹک رہا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی عالم مستی میں حال کھیل رہا ہو۔" ایک اور طعنہ سنائی دیا۔

"مستی!" میری نگاہوں کے سامنے گویا کوئی بجلی سی کوند گئی۔ مستی............! مستی کیا ہے؟ کسی ایک کیفیت میں کھو کر باقی سب کچھ بھلا دینا۔ اپنی ساری توانائی، ساری توجہ ایک جگہ مرکوز کر دینا۔ ذہن کو ہر دوسرے خیال سے خالی کر دینا۔

میں سیدھا ہو گیا۔ چہرے پر شکنجے کی گرفت پہلے سے زیادہ سخت ہو گئی تھی لیکن اب مجھے اس کی پرواہ نہ تھی۔ میں نے اپنا ذہن یکسو کیا اور ساری توجہ اس سنسناہٹ پر مرکوز کر دی جو تھوڑی دیر پہلے میرے رگ و پے میں دوڑ رہی تھی اور شکنجے کی اچانک افتاد سے گھبرا کر میں اسے بھول گیا تھا۔

جوں جوں میرے ارتکاز میں یکسوئی پیدا ہوتی گئی۔ سنسناہٹ میں شدت آتی گئی۔ میرا چہرہ گرم ہو کر تپنے لگا۔ میرے عضلات پھڑکے، ایک ہلکی سی آواز ابھری اور شکنجے کی گرفت ختم ہو گئی۔

سربیان کا پہلا وار ناکام ہو گیا تھا۔ نہ صرف ناکام ہو گیا تھا بلکہ اس کے اگلے تمام حربوں کو ناکارہ کرنے کا گر بھی مجھے معلوم ہو گیا تھا۔

یکسوئی............صرف اور صرف یکسوئی۔

گرفت ختم ہوتے ہی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ مجھے حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ چبوترے پر بیٹھے دونوں وجود غائب تھے۔ مٹیالا غبار البتہ موجود تھا۔ پہلے سے کہیں زیادہ گہرا اور دبیز۔ ایک ستون کی شکل میں میرے سامنے ایستادہ۔ یہ ستون تیزی سے گھوم رہا تھا۔ مقناطیسی قوت کی لہریں اس میں سے پھوٹ رہی تھیں، اس کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھیں۔

میں نے اس پر نگاہیں جما دیں۔ آہستہ آہستہ میری تمام قوتیں میری آنکھوں میں مرکوز ہونے لگیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری آنکھوں میں چنگاریاں بھرتی جا رہی ہوں۔ جام بھر جائے تو چھلک جاتا ہے۔ جب میری آنکھیں چنگاریوں سے بھر گئیں تو چھلکنے لگیں۔ چنگاریوں شعاعوں کی صورت چھوٹنے لگیں۔

یہ شعاعیں، ستون کی مقناطیسی لہروں کی طرف بڑھیں۔ ان کی طرف سے بھی پیش قدمی ہوئی۔ راستے میں دونوں کا ٹکراؤ ہوا۔ ایک جھماکا ہوا اور بجلی کی کڑک گونجی۔ مجھے اپنے قدموں تلے زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

زمین کی لرزش میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بھونچال آ رہا ہو۔ میں اپنی جما کھڑا رہا۔ ہم دونوں کی قوتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور ان کے تصادم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ''شاک ویوز'' پوری پہاڑی کو ہلا رہی تھیں۔

میرے جسم کی کیفیت اس وقت ایسی تھی جیسے برقی آریاں میرے سر سے پاؤں تک چلتی چلی جا رہی ہوں۔ ان آریوں کے دندانے میرے اعصاب پر خراشیں ڈال رہے تھے، میرے ذہن کو کھرچ رہے تھے، میری روح تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ مقابلہ ساحرانہ قوتوں کا نہیں تھا۔ یہ قوت ارادی کا مقابلہ تھا۔ ہم دونوں میں سے جس کی قوت ارادی زیادہ مضبوط ہوتی وہی فاتح ٹھہرتا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ مجھ سا نوآموز، ناتجربہ کار سپاہی، جس نے اب سے پہلے زندگی میں قلم گھسانے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا تھا، کامیاب ٹھہرتا ہے یا تجربے اور عمل کی بھٹی میں پک کر سخت ہونے والا سربیان، جس کے شب و روز نہ جانے کب سے انہی وادیوں میں گزر رہے تھے۔

تجربے کے معاملے میں یقیناً وہ مجھ سے کوسوں آگے رہا ہوگا لیکن ہم دونوں کے درمیان ایک واضح فرق تھا۔ ایک خاصیت ایسی تھی جو صرف مجھ میں تھی، اور وہ تھی بھروسہ۔ مجھے اپنے خدا پر کامل بھروسہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ ان مشکل حالات میں، میں تنہا نہیں ہوں۔ مجھے کائنات کی سب سے طاقتور ہستی کی تائید حاصل ہے۔ میری قوت ارادی، ایمان کی قوت کے ساتھ مل کر دو آتشہ ہو گئی تھی۔

ستون کے اور میرے درمیان ایک غیر مرئی رابطہ قائم ہونے لگا۔ میری آنکھوں سے پھوٹنے والی شعاعیں، ستون سے خارج ہونے والی لہروں کو چیر کر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ مقناطیسی لہروں کے تاروپود بکھرنے لگے تھے۔

پھر میری شعاعیں ستون کے گرد قائم مقناطیسی ہالے سے ٹکرائیں اور اس میں جذب ہونے لگیں۔ یہ شفاف ہالہ آہستہ آہستہ کثیف ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ستون کے گھومنے کی رفتار میں کمی آنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے دُھرے کی راہ میں کنکر پتھر پھنس رہے ہوں اور وہ ان سے ٹکراتا ہوا گھوم رہا۔

ہالہ کثیف سے کثیف تر ہوتا گیا۔ رفتار آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ پھر 'ٹھک' کی آواز سے ہالہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا اور اس کے ساتھ ہی گھومتا ہوا وہ ستون تھم گیا۔

میں جھپٹ کے آگے بڑھا اور پوری رفتار سے اس ستون سے ٹکرا گیا۔ میرا جسم اس میں داخل ہوتا چلا گیا۔ میں اس ستون میں یوں گھس گیا جیسے روشنی کی کرن تیر کی طرح اندھیرے کے سینے میں گھس جاتی ہے۔

یکا یک ماحول بدل گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک الگ ہی دنیا میں پایا۔ میرے سر پر تاریک آسمان تھا اور قدموں تلے پختہ فرش۔ میرے اردگرد ایک عظیم الشان کھنڈر پھیلا ہوا تھا۔ وسیع و عریض ایوان، بلند و بالا دیواریں اور ستون۔ دیواروں میں اوپر سے نیچے تک گہرے گہرے طاقچے تھے اور ان طاقچوں میں مٹی کی سربند ہانڈیاں چنی ہوئی تھیں۔

مجھے ایک وحشیانہ چنگھاڑ سنائی دیا اور پھر میرے عقب میں کسی کے قدموں کی دھمک گونجی۔ میں تیزی سے پلٹا، میرا ہاتھ چلا اور مجھ پر جھپٹتا ہوا سربیان اچھل کر پیٹھ کے

بل گرا۔ اسی وقت میری گردن کسی کے شکنجے میں آ گئی۔ میرے گھومتے ہی عقب سے کسی نے میری گردن میں بازو ڈال دیا تھا۔ سربیان اٹھ رہا تھا۔ میں نے گردن میں ہاتھ ڈالنے کے پیٹ میں کہنی سے ضرب لگائی۔ اس کی گرفت ایک لمحے کے لئے ڈھیلی پڑی اور میں نے ذرا سا آگے کو جھک کر ہاتھ اٹھا کر اس کے سر کے بالوں پر ڈال دیئے۔ ایک ہی جھٹکے میں، میں نے اسے سامنے لا کر اٹھتے ہوئے سربیان پر پھینک دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں الجھ کر پھر ڈھیر ہو گئے۔

اب میرے سامنے دو ہم شکل تھے۔ تیسرا کہاں تھا؟

تیسرا آسمان سے مجھ پر ٹوٹا تھا۔ یوں جیسے چیل مرغی کے چوزے پر جھپٹتی ہے۔ مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ بوجھل پتھر کی طرح مجھ پر آ پڑا اور میں زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے سنبھل کر میرے سینے پر سوار ہونے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی میں نے اس کی شہ رگ پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے حلق سے خراٹا سا نکلا اور میں نے اسے ایک دفعہ جھنجھوڑ کر اس کے دونوں ساتھیوں پر پھینک دیا۔ ایک دفعہ پھر وہی کہانی دہرائی گئی۔ وہ تینوں ایک دفعہ پھر ڈھیر ہو گئے۔

میں نے آگے بڑھ کر ان پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اپنی جگہ کھڑا محتاط نگاہوں سے ان کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ ہانپتے ہوئے وہ اٹھے اور خم ٹھونک کر میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''یہاں پہنچ کر تو نے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔'' ایک غرایا۔ ''اب تجھے کوئی بچا نہیں سکتا۔''

میں نے ایک دفعہ پھر اردگرد نگاہ دوڑائی۔ طاقچوں میں چنی ہوئی مٹی کی سربند ہانڈیوں کو دیکھا۔ یہ کون سی جگہ تھی؟

سوچنے کا وقت نہ تھا۔ ان کی طرف سے حملہ ہونے والا تھا، اور میں نہیں جانتا تھا کہ یہ حملہ کس شکل میں ہوگا۔ میں نے اپنی قوتوں کو یکجا کرنا شروع کر دیا۔

''یہاں کوئی سحر کارگر نہیں ہوگا، سیاہی۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''یہاں کھلا مقابلہ ہوتا ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''یہاں جیتنے کے لئے اپنے زور بازو پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔'' تیسرے نے کہا۔

''میرے بازوؤں کا زور تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''کیا اب بھی تم مجھ پر فتح پانے کی توقع رکھتے ہو؟''

''تب ہم اکیلے اکیلے آئے تھے۔'' پہلے نے کہا۔ ''اب ہم اکٹھے آئیں گے۔''

''آ جاؤ۔'' میں نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

میرا خیال تھا کہ وہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مجھ پر حملہ کرنے کے بجائے وہ پلٹ کر بھاگے اور کھنڈر کے مختلف گوشوں میں گم ہو گئے۔ میں حیران کھڑا انہیں دیکھتا رہ گیا۔ یہ انہوں نے کیا حرکت کی تھی؟

میں نے ایک دفعہ پھر اپنے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ نہ جانے اس ستونی دروازے سے گزر کر میں کون سی دنیا میں آ نکلا تھا۔ سحر کی یہ دنیا عجائب وغرائب کا پرپیچ گورکھ دھندہ تھی۔ میرے ذہن میں یہی آواز گونجی تھی کہ مجھے آگے بڑھ کر اس ستون سے ٹکرا جانا چاہئے۔ میں نے دل کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ اپنی دانست میں، میں اس کے ٹکڑے کر دینے کو حملہ آور ہوا تھا لیکن نتیجہ میری توقع کے برعکس نکلا تھا۔

بہرحال کچھ بھی تھا۔ ان شیطانوں سے میرا یہاں ٹکراؤ اس بات کی دلیل تھا کہ میں اپنے راستے سے بھٹکا نہیں، بالکل صحیح جگہ پہنچا ہوں...................... لیکن یہ جگہ تھی کون سی؟

''یہ وہی جگہ ہے جس تک پہنچنے کے لئے تم نے اس سفر کا آغاز کیا تھا۔'' لیشی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''مطلب؟'' یہ لفظ میری زبان سے نہیں نکلا تھا، صرف سوچ تک محدود رہا تھا کیونکہ لیشی بھی میری سوچ میں ہی تھی۔

''یہ وہ جگہ ہے جہاں روحوں کو رکھا گیا ہے۔ آج سے چند صدیاں پہلے یہ جگہ ایک ہندو جاگیردار کا محل ہوا کرتی تھی۔ امتداد زمانہ نے اسے کھنڈر بنا دیا لیکن عام دنیا کا کوئی فرد اب بھی ادھر کا رخ نہیں کرتا۔ جانتے ہو وہ جاگیردار کون تھا؟''

''کون تھا؟''

''جس سے تم اب تک مقابلہ کرتے آئے ہو۔''

''سربیان؟''

''مونٹی قبیلے کے لئے وہ سربیان ہے۔ ذی آنا والوں کے لئے وہ زوالا اور فولاس ہے۔ تمہارے لئے وہ کچھ بھی نہیں۔''

''اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے کئی روپ ہیں۔''

''ہاں، یہ بات درست ہے۔''

''لیکن میرے سامنے وہ صرف انہی تین شکلوں میں آیا ہے۔''

''وہ تمہارے سامنے صرف اس شکل میں آ سکتا ہے، جس سے تم واقف ہو۔ ذی آنا والے زوالا اور فولاس سے واقف تھے، ان کے سامنے وہ سربیان کے روپ میں نہیں آ سکتا۔ مونٹی قبیلے کے لوگ سربیان سے واقف ہیں، ان کے سامنے وہ زوالا اور فولاس نہیں بن سکتا۔ تم چونکہ تینوں شکلوں سے واقف ہو، اس لئے تمہارے سامنے تینوں موجود ہیں۔''

''اس کی موت کس روپ میں ہوگی؟''

''اس کے اصلی روپ میں۔''

''لیکن وہ روپ تو میرے سامنے کبھی آیا ہی نہیں۔''

''آ جائے گا، آ جائے گا۔ پریشان کیوں ہوتے ہو؟''

''روحیں کہاں قید ہیں؟''

''تمہارے سامنے۔ مٹی کی ان ہانڈیوں کو دیکھ رہے ہو۔ روحیں انہی میں بند ہیں۔''

میں نے ایک حیران نگاہ ان ہانڈیوں پر ڈالی پھر کہا۔ ''تو کیا میں ان ہانڈیوں کو توڑ کر انہیں آزاد کر دوں؟''

''کیسے توڑو گے؟'' ہنسی کی کھنکھناہٹ سنائی دی۔ ''ہزاروں ہانڈیاں ہیں۔ توڑتے توڑتے کتنا وقت گزر جائے، کچھ اندازہ ہے تمہیں؟''

''میں اپنی مخفی قوت کو بروئے کار لا کر..................''

''اگر کوئی مخفی قوت یہاں کام دے سکتی تو کیا تمہارے خیال میں وہ تینوں تم پر اپنے

سحر نہ آزماتے۔ انہوں نے تم سے عام انسانوں کی طرح لڑنے کی کوشش کی ہے، تم پر اپنے بازوؤں کی قوت کے بل پر غالب آنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ یہاں پر کوئی سحر نہیں چلایا جا سکتا۔''

''لیکن کیوں؟''

''ان روحوں کی وجہ سے۔ مٹی کی ہانڈیوں میں بند یہ روحیں سو رہی ہیں، اور یہ اس وقت تک سوتی رہیں گی جب تک کہ کوئی بیرونی اثر ان کی نیند ختم نہ کر دے۔ کسی بھی طرح کا جادوئی عمل ان کی نیند ختم کر سکتا ہے۔ تب انہیں ان ہانڈیوں میں قید رکھنا ممکن نہ رہے گا۔ یہ تمام بندشیں توڑ کر اپنے ابدی مستقر کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔''

''جو لوگ انہیں قید کر سکتے ہیں، کیا وہ انہیں روک نہیں سکتے؟''

''روک سکتے ہیں لیکن صرف دھوکے سے۔ اتنی قوت ان میں نہیں کہ زبردستی ان روحوں کو اپنا پابند بنائے رکھیں۔ انہیں دھوکے سے شکار کیا گیا ہے اور جب تک یہ دھوکا باقی رہے گا، یہ روحیں یہیں رہیں گی۔''

''اس دھوکے کو ختم کیسے کیا جا سکتا ہے؟''

''ساری باتیں کیا میرے بتانے کے لئے ہیں؟'' وہ پھر ہنسی۔ ''کچھ اپنے ذہن سے بھی سوچ لیا کرو۔''

''اچھا ٹھیک ہے، اتنا تو بتا دو کہ یہ تینوں گئے کہاں؟''

''کہیں نہیں گئے، یہیں ہیں۔ ابھی سامنے آ جائیں گے۔ بہرحال یہ تینوں مل کر بھی تم پر غالب نہیں آ سکتے۔ اگر مقابلہ صرف سحر کا ہوتا تو ذی آنا میں تمہیں ان عملیات سے ہرگز نہ گزارا جاتا۔ وہ مخصوص غذائیں کبھی نہ کھلائی جاتیں۔ تمہاری وہ فولادی قوت اب بھی موثر ہے۔ وہ جب بھی سامنے آئیں گے، شکست کھائیں گے۔''

''انہیں شکست دینے کے بعد میں واپس کیسے جاؤں گا؟''

''اس کے اصلی روپ کی موت واقع ہوتے ہی راستہ خودبخود کھل جائے گا۔''

''کھل جائے گا۔ لیکن کس طرف کو؟''

''وہ تم خود دیکھ لینا لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔''

"وہ کیا؟"

"اس کی موت اور روحوں کی آزادی کا عمل ایک ساتھ ہونا چاہئے ورنہ اب تک کی ساری جدوجہد بیکار جائے گی۔"

"وہ کیسے؟"

"اس کی موت سے پہلے روحیں آزاد ہوئیں تو انہیں فرار ہونے کا موقع مل جائے گا، اور اس کی موت کے بعد روحوں کو آزاد کرانا ناممکن ہو جائے گا۔ خیال رکھنا۔"

"میری یہاں آمد کا ایک مقصد اور بھی ہے۔"

"ہاں، میں جانتی ہوں۔ نقشے کے اس آدھے حصے کا حصول۔"

"وہ کیسے ہوگا؟"

"اس کے مرتے ہی وہ حصہ تمہیں مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر خدا حافظ۔"

وہ چلی گئی اور میرا دل چاہا کہ سر پکڑ کر یہیں بیٹھ جاؤں۔ عجیب مخمصے میں ڈال گئی تھی وہ مجھے۔ ابھی تک مجھے یہی علم نہ تھا کہ یہ روحیں آزاد کیسے ہوں گی۔ پہلی مصیبت یہی تھی۔ اس کے بعد یہ بھی خیال رکھنا تھا کہ ان کی موت اور روحوں کی آزادی کا عمل ایک ساتھ وقوع پذیر ہوں۔ یہ دوسری مصیبت تھی اور مجھے ان دونوں سے ایک ساتھ نپٹنا تھا۔ آخر یہ کیسے ہوگا؟

پھر وہی خیال میرے ذہن میں چمکا۔ راست اقدام.......... لیکن اس مرتبہ دوسرے انداز میں۔ ہاں.......... اس مسئلے کا یہی حل ہو سکتا تھا۔

میں ان کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ جس طرح اچانک غائب ہوئے تھے، اسی طرح سامنے آ گئے۔ اس مرتبہ انہیں دیکھ کر مجھے علم ہو گیا کہ وہ کس لئے بھاگے تھے۔ میری طرف سے لگنے والے ابتدائی جھٹکوں نے ان کے حواس کسی قدر ٹھکانے کر دیئے تھے۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ دست بدست لڑائی میں وہ مجھ پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ وہ مجھ پر قابو پانے کا

خاطر خواہ انتظام کرنے کے لئے گئے تھے۔

ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ ایک نے گرز سنبھال رکھا تھا، دوسرے کے پاس تلوار تھی اور تیسرے نے ایک خاردار ڈنڈا اٹھا رکھا تھا۔ نہ جانے وہ یہ چیزیں کہاں سے لے کر آئے تھے۔ بہرحال لیشی نے مجھے جو کچھ بتایا تھا، اس کے بعد اس جگہ ایسی اشیاء کا ہونا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی.......... اور شاید وہ جانتے نہیں تھے کہ میرے فولادی جسم پر ان کے ہتھیار بیکار ثابت ہوں گے۔

انہوں نے مجھ پر حملہ کیا، اور میرے ہاتھ حرکت میں آ گئے۔ ان کے واروں کا مجھ پر کیا خاک اثر ہوتا، البتہ میرے حملوں نے انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ میرا ہاتھ جسے پڑتا، جہاں پڑتا، تباہی مچا دیتا۔ بمشکل ایک منٹ گزرا ہوگا کہ فیصلہ ہو گیا۔

ایک کی ٹھوڑی تلے میرا گھونسہ اس قوت سے پڑا تھا کہ ٹھوڑی کے ساتھ ساتھ گردن کا منکا بھی برابر ہو گیا۔ دوسرے کا چہرہ میرے ہاتھ کے شکنجے میں آ گیا۔ شکنجہ بند ہوا تو کھوپڑی سمیت چہرے کی ساری ہڈیاں چرمرا گئیں۔ تیسرے کے گھٹنے کی چپنی پر میری ٹھوکر پڑی۔ وہ ٹانگ تڑوا کر گرا تو میں نے آگے بڑھ کر بایاں ہاتھ اس کے کندھے پر جمایا، دایاں ٹھوڑی پر رکھا اور ایک ہی جھٹکے میں سر دھڑ سے جدا ہو گیا۔

کہانی ختم ہو گئی۔ زوالا، فولاس، سربیان...... تینوں ختم ہو چکے تھے۔ لیشی نے کہا تھا کہ ان کے مرتے ہی نقشے کا بقیہ آدھا حصہ مل جائے گا۔ میں نے اس کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں، لیکن ناکامی ہوئی۔ میں تھوڑا سا پریشان ہوا لیکن پھر مجھے لیشی کی دوسری بات یاد آ گئی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس خبیث روح کی موت اس کے اصلی روپ میں ہوگی۔ میں نے اس کے صرف تین عکس ختم کئے تھے۔ اس کا اصلی روپ ابھی میرے سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کھنڈر کا حقیقی آسیب ابھی زندہ تھا!

عین اسی وقت گھوڑوں کی ٹاپیں اور ان کی وحشیانہ ہنہناہٹ سنائی دی۔ میں چونک کر پلٹا۔ کھنڈر کا مرکزی دروازہ پہلی بار میری نگاہوں کے سامنے آیا۔ آہنی کیلوں سے جڑا، یہ بھاری بھرکم، بلند و بالا چوبی دروازہ نہ جانے کتنے عرصے بعد کھل رہا تھا۔ آہستہ

آہستہ!

دروازہ کھل گیا۔ چار گھوڑے ایک عظیم الشان رتھ کو کھینچتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

ان گھوڑوں کی باگیں ایک قوی الجثہ شخص کے ہاتھ میں تھیں۔ اس کے جسم پر قدیم ہندو جنگجوؤں کا لباس تھا اور گھٹے ہوئے سر پر لمبی سی چوٹی سانپ کی دم کی طرح لہرا رہی تھی۔ اس کے گلے میں تلوار حمائل تھی، سامنے تیروں سے بھرا ترکش نصب تھا اور ہاتھ میں طلائی کمان تھی۔

اصلی روپ میرے سامنے آ گیا تھا۔

رتھ مجھ سے قریباً بیس گز کے فاصلے پر عین میرے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور اس سارے کھیل کو رچانے والا گھوڑوں کی باگیں سنبھالے کینہ توز نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

"میرے بازو کاٹ دیئے تو نے۔" وہ پھنکارا۔

"تجھے بھی کاٹ پھینکوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اس سے پہلے میں تیرا سینہ چیر دوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے تیزی سے ترکش میں سے تیر نکال کر کمان میں جوڑ لیا۔

میں تن کر کھڑا ہو گیا۔ آئندہ کا لائحہ عمل میرے ذہن میں بالکل واضح تھا۔ صرف ایک ہی طریقہ تھا جس سے اس کی موت اور روحوں کی آزادی ایک ساتھ وقوع پذیر ہو سکتے تھے۔

کمان کا چلہ انتہائی حد تک کھنچا اور پھر اس کی انگلی اور انگوٹھے کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ تیر کمان سے نکلا اور سنسناتا ہوا میری طرف بڑھا۔ میری آنکھیں دہکیں اور میرے ارتکاز کی قوت تیر پر مرکوز ہوئی اور وہ بیچ راستے میں تیر معلق ہو کر رہ گیا۔

اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس جگہ پر اپنی مخفی قوت کو بروئے کار لاؤں گا............ لیکن میں پہلے ہی سب کچھ سوچ چکا تھا۔ اس مسئلے کا یہی ایک حل تھا۔

جس جگہ میری قوت اور اس کے تیر کا ٹکراؤ ہوا تھا، وہاں سے شرارے سے پھوٹ رہے تھے، ان کا حلقہ دم بدم وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ یہ شرارے پھیلتے ہوئے ہانڈیوں تک پہنچ جاتے، تیر واپس پلٹا اور جس تیزی سے میری طرف آیا تھا، اس سے دس گنا تیزی سے چلانے والے کی طرف پلٹا۔ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ اس کا اپنا چلایا ہوا تیر اس کے دل میں ترازو ہو گیا۔

اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور اسی وقت شرارے ہانڈیوں تک پہنچ گئے۔ ہانڈیاں ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگیں۔ ایک قیامت خیز شور بپا ہو گیا۔ جانے کب سے خوابیدہ روحیں ہڑبڑا کر بیدار ہو رہی تھیں۔ پورا کھنڈر ان کے اثر تلے لرز رہا تھا۔ جھٹکے اتنے شدید تھے کہ اس کی دیواروں میں دراڑیں پیدا ہونے لگی تھیں۔

ادھر ہانڈیاں ٹوٹ رہی تھیں، ادھر انہیں بند کرنے والا دم توڑ رہا تھا۔

اس کے منہ سے آخری ہچکی نکلی اور اس کا جسم پگھل کر بہنے لگا۔ اسی وقت مجھے اس کے جسم کے سیال میں بھیگتا ہوا چرمی کاغذ وہ ٹکڑا نظر آ گیا، جس کی تلاش میں ڈبل باس اور ان کے ساتھی مارے مارے پھر رہے تھے۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا اور ادھر ادھر دیکھا۔ اب مجھے واپسی کے راستے کی تلاش تھی۔ کھنڈر کی بوسیدہ دیواریں زمین بوس ہوتی جا رہی تھیں۔ اب میرا یہاں ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔

روحیں غول در غول چکراتی پھر رہی تھیں۔ شاید وہ سمجھ نہ پا رہی تھیں کہ وہ اب تک کہاں تھیں اور اب انہیں کہاں جانا ہے۔ ان کے شفاف اجسام کی سرسراہٹیں اور سنسناہٹیں گولیوں کے زناٹوں کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ ہر جگہ ان کا یوں ہجوم در ہجوم تھا جیسے متلاطم سمندر میں موج کے اوپر موج چڑھی چلی آ رہی ہو۔

اور پھر ان موجوں کے درمیان ایک روشن حلقہ نمودار ہوا۔ روحیں تیزی سے اس میں داخل ہونے لگیں۔ انہیں ابدی مستقر کی طرف واپسی کا راستہ مل گیا تھا............ لیکن میری واپسی کا راستہ کہاں تھا؟

میں بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اچانک میرے قدموں تلے زمین شق ہو گئی اور میں نے خود کو ایک عمیق خلا میں گرتے ہوئے پایا۔ میرا جسم گولی کی

رفتار سے گرتا چلا جارہا تھا۔ نیچے............اور نیچے............اور نیچے!

میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا، اندھیرے بار بار ذہن پر یلغار کر رہے تھے، آنکھیں مندتی چلی جارہی تھیں۔ نجانے کب تک میں اس کیفیت کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر تھک کر اور جھنجلا کر میں نے کوشش ترک کردی............اور پھر میرا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔



اس کے بعد کیا ہوا، مجھے کچھ یاد نہیں صرف اتنا یاد ہے کہ جب مجھے ہوش میں آیا تو میں اپنے ساتھیوں کے درمیان موجود تھا۔ وہ سب میرے اردگرد جمع تھے، ان کے چہروں پر تشویش تھی۔ میرا سر لیشی کی گود میں تھا اور وہ چہرے پر مسکراہٹ لئے میرے بال سنوار رہی تھی۔ میرے ساتھیوں کی تشویش کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی۔ انہوں نے آج تک لیشی کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

اس کے بعد کی کہانی زیادہ طویل نہیں۔

ڈبل باس کا نقشہ پورا ہوگیا، انہیں خزانہ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ قدیم نوادرات پر مشتمل یہ خزانہ واقعی اتنی قدر و قیمت کا حامل تھا کہ اتنے حصوں میں تقسیم ہوکر بھی سب لوگوں کو سات پشتوں کی دولت دے گیا۔ سب لوگ اپنا اپنا حصہ لے کر اپنے وطنوں کی طرف روانہ ہوگئے تھے۔ میں نے کسی قسم کا حصہ لینے سے انکار کردیا تھا لیکن انہوں نے اتنا اصرار کیا کہ آخر میں انکار کرنا میرے لئے ممکن نہ رہا تھا۔

مونٹی قبیلے کے لوگ ہمارے رویئے اور ہماری باتوں سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی دوسروں سے کوئی رابطہ نہ رکھنے کی روایت کو ترک کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھے امید ہے کہ بیرونی دنیا سے مربوط ہونے اور نت نئے رسوم وعقائد سے واقف ہونے کے بعد ان کے ذہن اتنے روشن ہوجائیں گے کہ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ میں نے ان میں اپنے دین کی تبلیغ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ لوگ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہ تھے، میری کوشش قطعی بے فائدہ رہتی۔

ذی آنا پر منڈلانے والی نحوست کے سائے دور ہوگئے تھے۔ پرشیانہ، روتھن اور زیراس کو ان کے جسم واپس مل گئے تھے۔ شی وش نے اپنے وعدے کے طور پر پرشیانہ کو

میری ملکیت میں دینے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اتنی سختی سے انکار کر دیا کہ اسے دوبارہ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ میرا انکار اس بنیاد پر تھا کہ پرشیانہ ایک انسان ہے، کوئی گائے بھینس نہیں کہ کسی کی بھی ملکیت میں دے دی جائے۔ اگر وہ میری ممنون تھی تو اس کے اظہار کے اور بھی بہت سے طریقے تھے۔ یہ نہیں کہ احسان مند ہو کر وہ ہمیشہ کیلئے میری غلامی میں آ جاتی۔ اسے اپنی زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جانا چاہئے تھا۔

اور یہ میں نے اچھا ہی کیا تھا۔ پرشیانہ اپنے جیون ساتھی کے طور پر زیراس کو بہت پہلے منتخب کر چکی تھی۔ روتھن اس بات سے اچھی طرح واقف تھا۔ میری غلامی میں آ کر وہ جسمانی طور پر تو میری ہو جاتی لیکن اس کی روح ہمیشہ کے لئے مر جاتی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ ظلم کرنے سے محفوظ رکھا۔

چیستانہ کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں، وہ معبد سے باہر نکل آئی تھی۔ چند دن بعد ایک پرشکوہ تقریب میں ان دونوں جوڑوں کی شادی کر دی گئی۔ شادی میں شرکت کے بعد میں وہاں سے نکل آیا تھا۔ ظاہر ہے، میں ہمیشہ تو وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ مجھے اپنی دنیا واپس پہنچنا تھا۔

میں اپنی دنیا واپس پہنچ گیا۔ نہ جانے کن کن دنیاؤں کا سفر کر کے اور نہ جانے کتنی کہانیاں لئے۔ ایک فرق البتہ نمایاں تھا۔ جب میں اس سفر پر نکلا تھا تو تنہا تھا۔ لیکن واپس تنہا نہیں آیا تھا۔ لیشی بھی میرے ساتھ تھی۔

مسٹر الکانڈر اب میرے سسر ہیں۔ ان کے اور لیشی کی ذات کے تمام اسرار مجھ پر عیاں ہو چکے ہیں۔ جس مشن کی تکمیل کے لئے کمانڈو کے طور پر مجھے چنا گیا تھا، اس کے پس پردہ منصوبہ سازی اور حکمت عملی تیار کرنے کا کام انہیں سونپا گیا تھا اور انہوں نے یہ فرض بڑی خوبی سے نبھایا تھا۔

زندگی بڑی خوشگوار گزر رہی ہے۔ میں کہانیاں اب بھی لکھتا ہوں لیکن پہلے کے مقابلے میں اس فرق کے ساتھ پہلے میں کہانیاں سوچا کرتا تھا۔ اب مجھے سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

❁ ››› ❁ ››› ❁